معراج اور سائنس

آغا اشرف

Marfat.com

۴۲۳۲۳
DAT... ...ED

کتاب: ——— معراج اور سائنس
مصنف: ——— آغا اشرف
ناشر: ——— محمد فیصل
کتابت: ——— محمد نعیم گیلانی
ایڈیشن: ——— ۱۹۹۰ء
پرنٹرز: ——— زاہد بشیر پرنٹرز لاہور
قیمت: ——— -/120 روپے

Marfat.com

فہرست

لیلۃ المعراج	۷	معراج سے واپسی	۸۹
المعراج	۱۱	مجملات معراج	۹۷
بیت المقدس میں ورود مسعود	۱۸	تجلیات معراج	۱۳۸
پہلا آسمان	۳۲	سائنس اور مذہب	۱۶۹
دوسرا آسمان	۴۰	معراج اور سائنس	۱۸۴
تیسرا آسمان	۴۲	معراج اور ملائکہ	۲۰۷
چوتھا آسمان	۴۵	ہماکات معراج	۲۲۲
پانچواں آسمان	۵۲	نماز معراج المومنین	۲۳۹
چھٹا آسمان	۵۵	حجابات عظمت	۲۴۱
ساتواں آسمان	۶۲	معراج سے واپسی	۲۴۵
سدرۃ المنتہیٰ	۶۳		
قاب قوسین	۷۳		

Marfat.com

Marfat.com

اللہ موجد ہے آسمانوں اور زمین کا اور جب کسی کام کو کرنا

چاہتا ہے تو بس اس سے اتنا کہتا ہے کہ ہو جا، اور وہ

ہو جاتا ہے

Marfat.com

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفٰے سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردُوں

(علامہ اقبال)

Marfat.com

لیلۃ المعراج

پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات
مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک

○

تاریخِ اسلام میں وہ رات بھی عجب شان رکھتی ہے۔ جس کو شبِ معراج کہتے ہیں۔

یہی وہ شب ہے جس میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے وہ مرتبہ حاصل ہوا جس کی مثال انبیاء و رسل میں بھی نہیں ملتی۔

اس شب مقدسہ و مبارکہ میں نبی اکرمؐ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور مسجد اقصیٰ سے مقام قاب و قوسین تک سیر کرائی گئی۔

تمام عجائباتِ ارضی و سماوی کا نبی اکرمؐ نے مشاہدہ فرمایا۔

Marfat.com

تمام علماء اسلام اس پر متفق ہیں کہ آپ کو یہ شرفِ قربِ خدا جسمِ مظہر و اطہر کے ساتھ حاصل ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جسمِ خاکی میں حریم کبریا میں تشریف لے گئے۔

عروجِ آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے

اس سیاحتِ لامکانی میں سیاح لامکاں صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا وہ سب بحالتِ بیداری دیکھا۔ وہ کوئی خواب نہ تھا۔

علمائے کتب و سیر نے اس واردہ عظیمہ و جلیلہ کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے۔

۱۔ اسراء

۲۔ معراج

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی جسم مطہر و اطہر کے ساتھ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک تشریف لے جانا اسراء کہلاتا ہے۔ اسی کا ذکر قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت میں ہوا ہے اور مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) سے آسمانوں تک جانا اور تمام عجائب و غرائبِ ملکی و سماوی کا ملاحظہ فرمانا اور پھر قربِ ربانی اور رویتِ باری کے محیر العقول، معجزانہ کمالات و جمالات کو حاصل کرنا معراج کہلاتا ہے۔

بلغ العلےٰ بکمالہٖ
کشف الدجےٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ
صلوا علیہ وآلہٖ

معراج کے واقعہ کے متعلق تاریخ کے تعین میں اختلاف ہے۔ سنہ، مہینہ اور دن کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ کسی کے نزدیک یہ ہجرت سے تین سال پہلے کا واقعہ ہے کسی کے نزدیک بعثت سے پانچ سال بعد کا۔ کسی کی رائے ہے کہ ہجرت سے ایک سال

Marfat.com

پہلے یہ واقعہ پیش آیا۔

اسی طرح مہینہ کے بارے میں ربیع الاول، ربیع الآخر اور رجب کا ذکر کیا گیا ہے۔
مگر ان تمام روایات میں مشہور روایت یہ ہے کہ یہ معجز نما واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے
۲۷ رجب سنہ ۱۳ نبوۃ شب دوشنبہ مطابق سنہ ۶۲ء کو پیش آیا۔ یہی علمائے جمہور کہتے ہیں۔
احادیث میں ابتدائے واقعہ معراج کو کسی راوی نے ام ہانی کے مکان سے بتایا ہے اور کسی
نے خود بیتِ رسول مقبول سے اور کسی نے حرم محترم سے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں ان سب کو اس طرح جمع کیا ہے کہ
ام ہانی حضرت ابو طالب کی بیٹی ہیں۔ یہ واقع ان ہی کے مکان سے شروع ہوا اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو "بیتی" اپنا گھر فرمایا ہے۔ جناب ام ہانی کے مکان سے پہلے
سرورِ دو عالم کو حرم میں لایا گیا اور وہاں سے پھر مسجد اقصیٰ کو روانگی ہوئی۔

صحیح احادیث میں معراج شریف کے واقعہ کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے اس کا
خلاصہ یہ ہے کہ ایک شب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب گاہ میں حضرت جبریل علیہ السلام
ایک سواری لے کر حاضر ہوئے جس کو براق کہتے ہیں۔ اور عرض کیا۔

"خدائے قدوس نے آج آپ کو وہ شرف بخشا ہے جو اس سے پہلے
کسی نبی و رسول کو نہیں بخشا۔ آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہو کر پہلے بیت المقدس پہنچے۔ وہاں سے
مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کی اور تمام انبیاء رسل کی جو پہلے سے وہاں تشریف فرما تھے امامت
فرمائی۔ اور وہاں سے معراج پر تشریف لے گئے جس کا ذکر قلم و زبان سے محال ہے بلکہ
عقل و ادراک بھی اس کے تصور سے عاجز ہیں۔ اس کو تو خدا اور اس کا رسول ہی خوب
جانتا ہے۔

معراج روحانی و جسمانی کے اس عظیم الشان اور محیر العقول شرف سے مشرف ہو کر

Marfat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوتے تو بستر بدستور گرم تھا اور دروازے کی کنڈی بدستور ہل رہی تھی گویا معراج کے لامتناہی سلسلوں اور الوہی حجابوں کو امام الانبیاء اتنی جلدی طے کرتے ہوتے واپس لوٹ آئے اور سب کچھ قدرت خدا سے ہوا۔

رحمۃ للعالمین طٰہٰ کا تاج سر پر رکھے۔ یٰسین کی قبا پہنے۔ یا ایہا المدثر کا دوشالا اوڑھے۔ ہدایت کا عصا اٹھائے۔ شریعت کا چراغ جلائے۔ خدا سے لو لگائے۔ خطیرۃ القدس کی پہنائیوں تک ہو کر جہاں سے گئے تھے وہیں لوٹ آئے۔

والشمس والضحیٰ

واللیل وذا الغشیٰ

سیاحِ منزل سبحان الذی اسریٰ

شاہد خلوت قاب قوسین او ادنیٰ

ہمائے اوج دنیٰ فتدلیٰ

شمعِ شبستان / ہدیث

پروانۂ چراغِ / حدیث

بہارستان کبریائی

مظہر انوار لم یزلی

رازدان رموز خفی وجلی صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

المعراج

معراج کی رات سرورِ کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ام ہانی کے گھر میں تھے اور اپنی جائے نماز کے سامنے سونے کا ارادہ کر رہے تھے کہ حضرت جبریلؑ نازل ہوئے تو ان کے پروں کی آواز رسول اکرمؐ کے کان میں پڑی۔ آپؐ اس وقت سونے کے جو کپڑے پہنے ہوئے تھے انہی میں اُٹھ بیٹھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے سلام کیا اور کہا۔

"اللہ تعالیٰ آپ کو یاد فرماتے ہیں اور اپنے پاس بلاتے ہیں اور میں آپ کا رفیق سفر بن کر آپ کو بارگاہِ عزت تک پہنچاؤں گا۔ آج اللہ تعالیٰ آپ کو وہ عزت و توقیر عنایت فرمائیں گے جو آج تک نہ اس سے پہلے کسی کو ملی اور نہ آئندہ کسی کو ملے گی۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ٹھہر جاؤ میں وضو کر لوں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرنے کے لیے اٹھے اور ابھی آپ نے گریبان نہیں کھولا تھا کہ بہشت کے سردار رضوان سرخ یاقوت کے دو آفتابے لے کر حاضر ہوئے۔ جن میں جنت کے حوضِ کوثر کا پاکیزہ پانی تھا اور ایک طشت تھا جو کہ زمرد کا تھا۔

یہ طشت بڑا ہی عجیب سا تھا۔ اس کے چار گوشے تھے اور ہر گوشے پر ایک ایک گوہر تاباں جڑا ہوا تھا اور اس سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔

Marfat.com

رسول مقبول نے آبِ کوثر سے غسل اور وہ مرقع نورانی پہن لیا جو حضرت جبریلؑ اپنے ساتھ لاتے تھے۔ اور پھر جنت کے سردار حضرت رضوان نے وہ نورانی عمامہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر رکھ دیا جو انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بھی سات ہزار سال پہلے بڑی حفاظت سے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔

چالیس ہزار فرشتے تعظیم کی خاطر اس عمامہ کے گرد کھڑے تسبیح و تہلیل میں مشغول و محو رہتے تھے۔ اور حضور اکرمؐ پر درود بھیجتے رہتے تھے۔ اور اس وقت وہ چالیس ہزار فرشتے بھی وہاں حاضر تھے تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر سکیں۔

اس عمامہ پر نقش و نگار کے علاوہ چالیس ہزار تحریریں تھیں۔ اور ہر تحریر پر سونے کی طرح چمکتی ہوئی چار سطریں تھیں۔

ایک سطر میں لکھا تھا۔

○ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دوسری سطر میں لکھا تھا۔

○ محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور تیسری سطر میں لکھا تھا۔

○ محمد خلیل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور چوتھی سطر میں لکھا تھا۔

○ محمد حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت جبریلؑ نے ایک نورانی چادر نبی اکرمؐ کے کندھوں پر اور زمرد کی نعلیں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں پہنا دیں۔ یاقوت کا پٹکا حضور کی کمر سے باندھا اور زمر کا چابک حضور کے ہاتھ میں دے دیا۔ جس میں چار سو مروارید جڑے ہوتے تھے جو بڑے چمکدار تھے۔

اس کے بعد حضرت جبریلؑ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کاشانہ نبوت سے خانہ کعبہ میں لے آئے حضورؐ نے سات بار طواف کیا اور تھوڑی دیر کے لیے حطیم میں بیٹھ گئے۔

اسی اثنا میں حضرت جبریلؑ ایک نورانی طشت لے کر آئے جو حکمت عرفان، بزرگی اور ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ اتنے میں حضرت میکائیل علیہ السلام آبِ زمزم سے بھرے ہوئے زمین طشت صوفشاں لے حاضر ہوئے

حضرت جبریلؑ نے حضورؐ کا سینہ مبارک چاک کیا اسے آبِ زمزم سے دھویا اور حکمت عرفان اور ایمان والا طشت سینۂ مبارک میں رکھ کر برابر کر دیا۔ حضور پرنور کوہ صفا پر لے آئے۔

ہر طرف رات کی تاریکیاں اور خاموشیاں چھا رہی تھیں۔ لیکن یہ رات سرزمین حجاز کی دوسری راتوں سے بالکل مختلف تھی۔ اس کی تاریکیوں میں یوں لگتا تھا جیسے نور کی افشاں گھلی ہو ہر شے ضوفشاں تھی جیسے ریڈیم اندھیرے میں سنو دیتا ہے۔ اس کی خاموشیوں میں ترنم و نغمگی کا احساس ہوتا تھا۔ دبی دبی مترنم آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ جیسے دور کہیں سنایت سریلے ساز بج رہے ہوں۔ نغموں کی رجم جھم ہو رہی ہو۔ زمزمے بوند بوند ٹپک رہے ہوں۔ اور ستاروں سے کھچا کھچ بھرا آسمان زمین پر جھکا چلا آ رہا ہو۔ اور سب سے حیران کن وہ شعاعیں تھیں جو اس وقت کوہ صفا سے پھوٹ رہی تھیں۔ قوس قزح کے رنگوں کی حامل شعاعیں اور ان کے لمس سے چٹانیں اور پتھر نورانی بھاپ و بخارات میں منتقل ہو رہے تھے۔ اور ان کے مضمرات سے یہ ہویدا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور شخصیت عظمیٰ سے خاصے متاثر ہو رہے ہیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اس جگہ حضرت اسرافیلؑ اور حضرت میکائیلؑ کے ساتھ ستر ہزار فرشتے صفیں باندھے کھڑے تھے۔ سب نے محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے ادب سے سلام کیا اور تعظیم بجا لائے۔

اس وقت حضورؐ نے ایک سواری کھڑی ہوئی دیکھی۔ یہ براق تھی۔ اس کے دو پر تھے بڑے خوشنما اور چمکیلے۔ براق کا سینہ سرخ یاقوت کی طرح چمک رہا تھا۔ اُس کی پشت پر

سرخ یاقوت کی زین تھی۔ اس کے سر پر جواہرات کا تاج تھا۔ اس کی لگام زبرجد کی تھی۔ رکابیں زمرد کی تھیں۔ اور دونوں طرف لٹک رہی تھیں۔ اور اُس کی پیشانی پر لکھا ہوا تھا۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

براق اتنی تیز رفتار اور اتنی خوش رفتار تھی کہ بس کیا کہیے۔ جبریل علیہ السلام نے رکاب پکڑی۔ میکائیل علیہ السلام نے باگ ہاتھ میں لی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہوتے اور براق پرواز کرنے لگی۔ اس وقت اسّی ہزار فرشتے براق کے دائیں طرف اور اسّی ہزار بائیں طرف تھے۔ اور ہر فرشتے کے ہاتھ میں ایک ایک شمع فروزاں تھی۔ جبریل علیہ السلام نے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔

"یا رسول اللہ! اگر راستے میں آپ کو کوئی بلائے، کوئی سوال کرے تو آپ خاموش رہیں"

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ تھوڑی دور جا کر کسی کی آواز آئی۔

"اے رسول اللہ! جلدی نہ چلیں کہ آپ راستہ بھول گئے ہیں"

رسول مقبول اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ کیونکہ جبریل امین نے جو کچھ کہا تھا آپؐ کو یاد تھا۔

اب رسولِ مقبول نے ایکا ایکی ایک اور آواز سنی۔ آپؐ اس کی طرف بھی متوجہ نہ ہوئے تو ایک عورت آپ کے سامنے آئی اور کہنے لگی۔

"یا رسول اللہ! ذرا ٹھہر جائیں آپ کے اور میرے درمیان ایک بھید ہے"

آپؐ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اور نہ رکے لیکن جبریل علیہ السلام سے پوچھا۔

"یہ کون تھے"؟

جبریل علیہ السلام نے عرض کی۔

"پہلا بلانے والا یہودی مذہب تھا۔ اگر آپؐ اس کو جواب دے دیتے تو آپؐ

Marfat.com

کے بعد آپؐ کی امت یہودیت کی طرف مائل ہو جاتی اور دوسری آواز نصرانی راہب کی تھی اگر آپؐ اس سے بات کر لیتے تو آپ کے بعد آپ کی امت اسی مذہب کی طرف مائل ہو جاتی۔ اور وہ عورت جو آپ کے سامنے آئی دنیا تھی۔ اگر آپ اس کا کہا مان لیتے تو آپ کے بعد آپ کی امت دنیا کی طالب ہو جاتی۔"

اب براق پرواز کرتے ہوئے ایک بڑے پتھر کے پاس پہنچی جس میں ایک سوراخ تھا۔ اور اس میں سے پانی اُبل رہا تھا۔

رسولِ مقبولؐ نے دریافت فرمایا۔

"یہ کیا بھید ہے؟"

حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا۔

"پتھر مثال بندہ کے منہ کے ہے۔ اور جو اس سے پانی نکل رہا ہے مانند کلام کے ہے یہ ایک مثالی صورت ہے۔ جس طرح منہ سے بات نکلنے کے بعد واپس منہ میں نہیں جا سکتی اسی طرح آپ کی تعلیم بھی واپس نہ ہو گی۔ روز بروز ترقی کرے گی۔"

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین اشخاص آئے۔ ایک جوان، ایک ادھیڑ عمر اور ایک بوڑھا۔ آپؐ جوان کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت جبریلؑ نے کہا۔

"اے رسول اللہ! آپ حق کی طرف پہنچ گئے۔ وہ بوڑھا دراصل دولت تھی۔ ادھیڑ عمر کا شخص قسمت اور جوان جو تھا وہ عافیت تھی۔ آپ نے دولت اور قسمت کی طرف توجہ نہیں دی اور عافیت اختیار فرمائی جو آپ کے اور آپ کی امت کے ساتھ رہے گی۔"

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو پیالے لائے گئے جو کہ سرپوش سے ڈھکے ہوئے تھے۔ ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب۔ دودھ کا پیالہ آپؐ کے دائیں ہاتھ پر رکھ دیا گیا اور شراب کا بائیں ہاتھ پر۔ آپؐ نے دودھ پسند فرمایا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا۔

Marfat.com

"آپ نے دودھ پسند فرمایا ہے، اس لیے آپؐ کی امت کو سچا دین دیا گیا ہے اور شراب آپؐ کی امت پر حرام کی گئی"

رسولِ خدا اس مقام سے آگے بڑھے تو حضورؐ نے ایک نوعمر شخص کو دیکھا جس نے بڑا اچھا لباس پہنا ہوا تھا۔ اور اس میں سے خوشبو کی لپٹیں آ رہی تھیں۔ اس شخص نے آپکا استقبال کیا پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ اور غائب ہو گیا۔

نبی اکرمؐ نے حضرت جبریل سے پوچھا۔

"یہ کون شخص تھا؟"

حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا۔

"یا رسول اللہ! یہ دین تھا۔ آپ کو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کی امت اپنی زندگی بھی ایمانی حالت میں بسر کرے گی۔ اور موت بھی ایمانی حالت میں ہو گی۔ اور جنت میں جائے گی"

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چار رنگوں کے کپڑے لائے گئے۔ سفید۔ سبز۔ زرد۔ سیاہ۔ حضورؐ نے سفید کپڑے کو پسند کیا۔ حضرت جبریلؑ نے کہا۔

"یا رسول اللہ! یہ رنگ پاکیزگی کی علامت ہیں"

ان فرشتوں کے جسم پر بھی سفید ہی کپڑے تھے جو جنگِ اُحد میں شریک ہوئے تھے کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کی مدد کے لیے آئے تھے۔

اس کے بعد تھوڑا سا راستہ طے ہوا تو حضرت جبریلؑ نے کہا۔

"یا رسول اللہؐ! براق پر سے اتر آئیں اور اس جگہ نماز ادا کریں۔ یہ مدینہ طیبہ ہے اسی جگہ آپؐ کی ہجرت ہو گی"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم براق سے اترے۔ اس جگہ نماز پڑھی۔ پھر براق پر سوار ہوئے اس کے بعد آپؐ کوہ طور پر پہنچے۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا۔

Marfat.com

"یارسول اللہ! یہاں بھی نماز پڑھیں"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں بھی نماز پڑھی۔ اس کے بعد مولد حضرت عیسیٰ پر گئے۔ وہاں بھی نماز پڑھی پھر جب آپؐ براق پر سوار ہوئے تو آپؐ کو ایک شخص دکھائی دیا۔ جس نے لکڑیوں کا ایک بہت بڑا گٹھا باندھ رکھا تھا۔ وہ اسے اٹھانے کی کوشش کرتا تھا لیکن اسے اٹھا نہیں سکتا تھا۔ پھر وہ اس میں اور لکڑیاں ڈالتا تھا اور اٹھاتا تھا اور اس طرح گٹھے میں اور لکڑیاں ڈالتا جا رہا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقت پوچھی تو جبریلؑ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! یہ شخص حرص اور لالچ کی علامت ہے۔ جو لالچ میں دولت جمع کرتا جاتا ہے لیکن اس میں سے خرچ نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد آپ نے ایک اور شخص کو دیکھا کہ ایک ڈول کنوئیں میں ڈالتا ہے اور جب باہر نکالتا ہے تو ڈول خالی ہوتا ہے۔

آپؐ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس کی حقیقت پوچھی تو انہوں نے جواب دیا۔

"یہ شخص ریاکاری کی علامت ہے اور قیامت کے روز ریاکار لوگ خالی ہاتھ ہوں گے"۔

براق کی رفتار پہلے سے تیز ہوتی جا رہی تھی اور اس کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا۔

Marfat.com

بیت المقدس میں ورودِ مسعود

جب نبی کریم بیت المقدس پہنچے تو فرشتوں کی ایک جماعت آپؐ کے استقبال کے لیے وہاں موجود تھی۔ انہوں نے آپؐ پر اس طرح سلام بھیجا۔

"السلام علیک یا اول یا آخر یا حاشر"

نبی اکرمؐ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا۔

"یہ کیسا سلام ہے۔ کس وجہ سے مجھے ان ناموں سے پکارا گیا ہے"؟

حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا۔

"آپ اول شناخت کرنے والے ہیں۔ سب سے پہلے آپؐ کی شفاعت قبول ہو گی اور آپؐ انبیاء میں سب سے آخر میں ہیں۔ اور حشر کے دن مخلوقات کا حشر آپ کے قدموں تلے ہو گا"۔

اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نے آپؐ کو براق سے اتارا۔ اور ایک دیوار کے ساتھ براق کو ریشم کی رسی سے باندھ دیا۔ اس دیوار کو "ابراق" کہتے ہیں۔ جہاں انبیاء علیہم السلام اپنی سواری کو باندھا کرتے تھے۔

نبی اکرمؐ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے۔ مسجد اقصیٰ! یہ مسجد بیت المقدس میں ہے اور بیت المقدس کا مقدس ترین حصہ ہے۔ وہ مقدس مقامات جن کی وجہ سے یہ مقدس شہر مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے قابلِ تعظیم ہے۔ زیادہ تر شہر کی مشرقی پہاڑی مورّ پر ایک احاطہ میں ہیں۔ جسے مسلمان حرم شریف کہتے ہیں۔ جو ۳۶ ایکڑ رقبہ زمین میں پھیلا ہوا ہے

36

Marfat.com

مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرا بھی اسی حرم میں ہیں۔ اور حرم میں جگہ جگہ بلند مقامات ہیں جن کو مسلمان "محراب" کہتے ہیں۔ ان کو بڑا مقدس سمجھتے ہیں۔ اور ان کے سامنے نفل ادا کرتے ہیں۔

حرم شریف کی عمارتوں میں چار ہزار لکڑی کے شہتیر، سات سو پتھر کے ستون اور پانچ سو پیتل کی زنجیریں ہیں۔ مسلمانوں کے عہد میں ہر رات ایک ہزار چھ سو قندیلیں اور فانوس جلائے جاتے تھے اور اس کام کے لیے ایک سو چالیس غلام مقرر کیے گئے تھے۔ ان قندیلوں اور فانوسوں میں زیتون کا تیل جلایا جاتا تھا۔

حرم شریف میں سولہ بڑے صندوق ہیں جن میں قرآن مجید پڑے ہیں۔ وضو کرنے کے لیے چار حوض ہیں اور واعظ کرنے کے لیے چار منبر بنے ہوئے ہیں۔

مسجد اور گنبدوں کی چھتوں پر جست کی ۴۵ ہزار چادریں چڑھائی گئی ہیں۔ مسجد کے اندر ستر گز لمبے مستورات کے لیے تین مقصورے ہیں۔ حرم شریف کی دیواروں میں اندرونی اور بیرونی پچاس دروازے ہیں۔ جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

باب داؤد	باب السلسلہ
باب حیطہ	باب النبی
باب البراق	باب محمدؐ
باب الاقصیٰ	باب مریم
باب توبہ	باب الرحمہ
باب شرفِ انبیا	باب سکینہ
باب السلام	باب ناظر

باب محمدؐ کا آدھا حصہ زمین کے اندر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اسی دروازے سے حرم شریف میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا۔ نبی کریمؐ معراج کی رات اسی راستے سے گزر کر مسجد اقصیٰ میں تشریف لائے۔ یہ دروازہ مکہ معظمہ کی طرف کھلتا ہے۔ باب توبہ کے متعلق

Marfat.com

یہ روایت ہے کہ یہی وہ دروازہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تھی۔ اس کے سامنے ایک وادی ہے جس کو وادی جہنم کہتے ہیں۔

باب ناظر کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دروازہ کبھی نہیں کھلا۔ پہلے زمانے میں اسے باب میکائیل کہتے تھے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ حضرت جبریلؑ نے معراج کی رات براق کو اسی دروازے پر باندھا تھا۔

باب السلسلہ کے متعلق یہ روایت ہے کہ حضرت داؤد اسی راستے حرم شریف میں تشریف لائے تھے۔ موجودہ زمانہ میں حرم شریف کے اکثر دروازے بند ہیں۔ ان میں تالے پڑے ہوئے ہیں۔ شمال کی طرف صرف دو دروازے کھلتے ہیں۔

بیت المقدس کو مسجد اقصیٰ کی وجہ سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے بعد تیسرے مقدس ترین شہر کی حیثیت حاصل ہے۔ اقصیٰ کے معنی دور کے ہیں۔ اس لحاظ سے مسجد اقصیٰ کا مطلب دور کی مسجد ہوا۔ مسجد سے یہاں مراد بیت المقدس کے حرم مقدس کا پورا رقبہ ہے۔

شبِ معراج کی روایت کے مطابق سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک پُروار گھوڑے براق پر سوار تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے جلو میں تھے۔ آپؐ مکہ معظمہ سے طور سینا پر گئے۔ وہاں سے ابن مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت بیت اللحم پہنچے اور پھر بیت المقدس میں تشریف لائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"جس وقت ہم بیت المقدس پہنچے تو جبریل علیہ السلام نے مجھ کو اتارا اور براق کو ایک کنڈی سے باندھ دیا۔ جن سے پہلے پیغمبروں نے بھی اپنے گھوڑے باندھے تھے۔"

حرم شریف میں آپؐ اس دروازے سے جو بعد میں باب محمدؐ کے نام سے مشرف ہوا۔ داخل ہو کر اس چٹان پر چڑھے جسے قبۃ الصخرا کہتے ہیں۔

Marfat.com

قبۃ الصخرا:

خانہ کعبہ اور گنبدِ خضرا کے بعد روئے زمین پر قبۃ الصخرا مسلمانوں کے لیے بڑا ہی مقدس مقام ہے۔ صخرا عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی چٹان کے ہیں۔ یہ چٹان زمین سے صرف دو گز اونچی ہے۔ اس کے بارے میں بہت سی روایتیں مشہور ہیں۔ ایک روایت ہے کہ جنت سے نکل کر حضرت آدمؑ کے اس زمین پر آنے یعنی ہبوط آدمؑ سے دو ہزار پہلے فرشتے اس کا طواف کر چکے ہیں۔

دوسری روایت ہے کہ طوفان نوحؑ کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جس مقام پر رکی تھی وہ یہی چٹان ہے۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ قیامت کے دن حضرت اسرافیل اسی چٹان پر کھڑے ہو کر صور پھونکیں گے۔ صورِ اسرافیل۔!

بہت سے محدثوں اور مفسروں کی رائے ہے کہ صخرا بہشت کی چٹانوں میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ اس کو بیت الجنت بھی کہتے ہیں۔ بیت الجنت!

بیان کیا جاتا ہے کہ اس چٹان پر ختم المرسلین، امام الانبیاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام نے عبادت کی ہے۔ اور اسّی ہزار فرشتے ہر وقت اس کو اپنے حلقے میں لیے رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سب انبیاء اسی پر بیٹھ کر خدا کے احکام لوگوں تک پہنچایا کرتے تھے۔ پھر یہ چٹان اڑ کر جانے کو تھی کہ حضرت جبریلؑ نے اپنے ہاتھ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تک اس کو روک دیا۔ اور شبِ معراج حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لیے اسے قائم رکھا۔ بعض روایات کے مطابق یہ چٹان زمین کا سنگ بنیاد ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں یہ بارہ ہاتھ بلند تھی۔ اس پر ایک معبد تھا جو صندل کی لکڑی سے بنا ہوا تھا۔ اس کی حالی میں ایک بڑا لعل نصب تھا جو

رات کے اندھیرے میں سورج کی طرح چمکتا تھا۔

ایک اور روایت ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ صخرا کو مونگے کا بنا کر اور اسے وسیع کر کے زمین و آسمان پر پھیلا دے گا۔ پھر لوگ اس صخرا پر سے جنت یا جہنم میں جائیں گے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ یہ زمین کسی اور طرح کی زمین میں بدل جائے گی۔ آسمان سفید ہو جائے گا۔ مٹی چاندی بن جائے گی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

"یارسول اللہ! یہ زمین کوئی اور زمین بن جائے گی اور یہ آسمان بدل جائے گا تو یہ خلقت اس روز کہاں پر ہوگی؟"

حضورؐ نے فرمایا۔

"پل صراط پر"

گویا قیامت کے دن صخرا پل صراط کا کام دے گا۔

ایک اور بزرگ کا قول ہے کہ الواح میں اللہ تعالیٰ بیت المقدس کے صخرا سے کہتا ہے کہ تو میرا عرش ہے تو میرے قریب ہے۔ میں نے آسمانوں کو تیری جڑ سے اٹھایا زمین کو تیرے نیچے بچھایا۔ تمام پہاڑ تیرے نیچے ہیں۔ جو تیرے اندر مرا وہ گویا آسمانی دنیا میں مرا۔ دن اور رات کا سلسلہ اس وقت تک ختم نہیں ہو گا جب تک میں تجھ پر آسمانی روشنی نہیں بھیجوں گا۔ اور میں تجھ کو دھوؤں گا یہاں تک کہ تو دودھ کی طرح سفید ہو جائے

ایک اور روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو بیت المقدس کے صخرا کو محبوب رکھتا ہے۔ میں اس کو محبوب رکھوں گا اور جو اس سے نفرت کرے گا میں اس کو دھتکار دوں گا۔ اور جو کوئی تجھ میں دو رکعت نماز پڑھ لے میں اس کے سب گناہ معاف کر دوں گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دوبارہ گناہ نہ کرے۔

۶۲۳۲۳

Marfat.com

ام عبداللہ بنت خولہ اپنی والدہ سے روایت کرتی ہیں کہ وہ گھڑی مقرر ہے جب خانہ کعبہ صخرا کے پاس لے جایا جائے گا اور اس سے حج کی تمام برکات وابستہ ہوں گی اور وہ اس کا عمامہ بن جائے گا۔

اور یہ بھی روایت ہے کہ صخرا معلق ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی سہارا نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ کوئی شے اس کی مشیت کے بغیر نہیں گرتی۔ شبِ معراج رسولِ مقبول اس کے مغربی گوشے پر کھڑے ہوئے تھے۔ یہ گوشہ آپؐ کی تعظیم سے کانپنے لگا اور دوسرے گوشے پر فرشتوں کی انگلیوں کے نشان ہیں جنہوں نے اسے کانپنے سے باز رکھا۔

ایک اور روایت ہے کہ یہ وہی چٹان ہے جس پر حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں یہودی اپنی قربانیاں لاکر رکھ دیتے تھے۔ آسمان سے ایک شعلہ اترتا اور ان کو جلا کر راکھ کر دیتا۔ یہ ان کے نزدیک قربانی کے قبول ہو جانے کی نشانی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین ابراہیمی کے احیاء کے لیے تشریف لائے تھے۔ چنانچہ خانہ کعبہ میں مقامِ ابراہیمؑ کے سامنے نماز ادا فرماتے۔ اس طرح بیت المقدس کا یہ صخرا بھی سامنے آجاتا۔ آپؐ ہجرت کے بعد بھی تقریباً دو سال تک اسی صخرا کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرماتے رہے۔

ہجرت کے دوسرے سال کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر مسجد بنی سلمہ میں بیت المقدس کی جانب نماز عصر ادا فرما رہے تھے اور ابھی آپؐ نے دو رکعتیں ادا کی تھیں کہ وحی نازل ہوئی۔

"اے محمدؐ! اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر دو اور جہاں کہیں بھی ہو اسی طرف منہ پھیرو۔"

چنانچہ باقی نماز خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے ادا کی گئی۔ اسی بنا پر مسجد بنی سلمہ کا نام مسجد قبلتین یعنی دو قبلوں والی مسجد ہو گیا۔

Marfat.com

اور یہ اہلِ اسلام کی نظر میں اس کی حرمت کا ایک سبب ہے۔ اور دوسرا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ شبِ معراج یہیں سے براق پر سوار ہو کر خدا سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے اور یہیں انبیاء کی امامت فرمائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس آئے تو انہوں نے صخرا کو جس پر کوڑے کرکٹ کے ڈھیر تھے پاک صاف کیا۔ اسی اثناء میں خدا کی قدرت سے بارش ہو گئی۔ جس سے پوری چٹان دھل کر نکھر آئی۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں نماز ادا کی اور پھر ان کے ایما پر اس پر ایک مسجد بنائی۔ آج کل یہاں چٹان پر ایک خوبصورت سی ہشت پہلو عمارت ہے۔ اسے اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے تعمیر کروایا تھا اور عمارت پر ایک گنبد ہے۔ خلیفہ کو اس گنبد کی تعمیر کا اس قدر اشتیاق تھا کہ پہلے اُس نے اس نقشہ کے مطابق نمونے کا گنبد تعمیر کرایا۔ یہ گنبد اب بھی مشرق کی طرف چٹان کے قریب موجود ہے جو قبلۃ السلسلہ کہلاتا ہے

سردی کے موسم میں گنبد کو برف و بارش سے محفوظ رکھنے کے لیے جانوروں کی اون اور کھال سے دو غلاف تیار کرائے گئے تھے تاکہ بوقت ضرورت گنبد پر چڑھا دیے جائیں۔ چٹان کے گرد آبنوس کی ایک جالی بنائی گئی اور باہر کے رُخ ستونوں کے درمیان زری کے پردے لٹکائے گئے۔ اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مینڈھے کے دونوں سینگ اور خسروِ ایران کا تاج ایک زنجیر سے باندھ کر الصخرا کے وسط میں لٹکا دیا گیا۔ ایک بیش بہا موتی بھی اس کی زنجیر میں لگا ہوا تھا۔

خلیفہ عبدالملک نے اس حرم کی خدمت کے لیے تین سو خدام مقرر کیے۔ سونے چاندی کے فانوس جلائے جاتے۔ عود، عنبر اور مشک سلگایا جاتا۔ خالص چنبیلی کا تیل جلایا جاتا

اس زمانے میں مسجد اقصیٰ کے لکڑی کے ستونوں کو چھوڑ کر صرف چھ میں چھ ہزار تختے لگے ہوئے تھے اور دروازوں کی تعداد تیس تھی۔ چھ سو ستون سنگ مرمر کے اور

Marfat.com

سات محرابیں تھیں اور چار سو زنجیریں جھاڑوں کے ساتھ لٹکتی رہتی تھیں جن میں سے دو سو تیس مسجد اقصیٰ میں اور باقی ایک سو پچپن گنبد صخرا میں تھیں۔ زنجیریں اور فانوس صلیبی جنگوں میں عیسائیوں نے لوٹ لیے۔ قبہ صخرا کو بیرونی دیوار سے احاطہ کیا گیا تھا اور مشرقی محراب میں ایک کتبہ لگا ہوا تھا جس پر کندہ تھا۔

"اس گنبد کو اللہ کے بندے عبدالملک امیر المومنین نے ۷۲ھ میں تعمیر کرایا۔ اللہ قبول فرمائے۔"

حرم کے احاطے کے وسط میں ایک چبوترا تین سو ہاتھ لمبا اور ایک سو چالیس ہاتھ چوڑا اور نو ہاتھ اونچا بنا ہوا ہے۔ اس کی چھ سیڑھیاں چڑھ کر قبہ الصخرا میں پہنچتے ہیں جو چبوترا کے وسط میں تعمیر کیا گیا۔ اس کی چار ڈیوڑھیاں ہیں اور ہر ڈیوڑھی میں چار دروازے ہیں۔ اوپر سنگ مرمر کا کمانچہ بنا ہوا ہے۔ خود چٹان ۵۱ فٹ لمبی اور ۴۰ فٹ چوڑی ہے۔ اس کے نیچے غار ہے جس میں ۶۲ آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ گنبد سفید سنگ مرمر کا ہے اور نیچے کی چھت طلائے سرخ سے بنائی گئی ہے۔ دیواروں میں اوپر کے رخ ۵۶ دریچے ہیں۔ ان میں مختلف رنگ کے شیشے لگے ہوئے ہیں۔ یہ گنبد بارہ پیل پایوں اور تیس ستونوں پر قائم ہے۔ اس عمارت کے چار بڑے دروازے ہیں۔

باب القبلہ	باب صور
باب اسرائیل	باب نساء

ان سب پر سونے کا کام ہے۔ گنبد کے باہر پیتل کے جلا کیے ہوئے پترے لگے ہیں گنبد کی چھتری تین حصوں میں منقسم ہے۔ اندر کے حصے میں آرائشی گولے لگے ہوئے ہیں۔

معراج کی شب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے قبہ صخرا میں چٹان پر دست مبارک رکھ کر دعا فرمائی اور جس وقت آپ تشریف لے جانے لگے تو چٹان تعظیماً بلند ہو گئی۔ تعظیم کیلئے اوپر اٹھی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک سے روک دیا۔ اور وہ وہیں رک گئی۔

Marfat.com

چنانچہ آج تک اسی قدر زمین سے اوپر اٹھی ہوئی ہے، یہاں سے حضورؐ اس گنبد میں تشریف لائے جواب تک آپؐ کے نام گرامی سے منسوب ہے۔ یہ گنبد بھی بڑا مقدس و مبارک ہے صخرہ شریف کا صحن کافی کشادہ ہے۔ اوپر جانے کے لیے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ نو زینے چڑھ کر صخرہ کے چبوترے میں داخل ہوتے ہیں۔ صحن میں چاروں طرف سات قبے ہیں۔

قبہ الارواح	قبہ نخ نخ
قبہ الصلواۃ	قبہ الخضرا
قبہ المعراج	قبہ السلسلہ
قبہ مریم	

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس پہنچے تو فرشتوں کی ایک جماعت آپؐ کے استقبال کے لیے وہاں موجود تھی۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجا۔ اسی اثنا میں پیغمبروں کی ایک جماعت آپؐ کے استقبال کے لیے تشریف لائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا۔

"یہ کون ہیں؟"

"یہ سب آپؐ کے بھائی ہیں۔" حضرت جبریلؑ نے جواب دیا "یہ سب انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اسے محمدؐ آپ امام بن کر اپنے مرسل بھائیوں کو دو رکعت نماز پڑھائیں۔"

چنانچہ اس وقت تمام انبیاء علیہم السلام نے صفیں باندھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا امام بنایا اور خود وہاں آئے ہوئے تمام فرشتوں کے ساتھ اقتدا کی اور نماز سے فارغ ہو کر سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ نے تقریر کی اور فرمایا۔

"بے حد تعریفیں اُس خدا کے لیے ہیں۔ جس نے مجھے آتش نمرود سے بچایا اور اس آگ کو میرے لیے گلزار بنایا۔"

ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

Marfat.com

"سب تعریف اللہ کے لیے ہے، جس نے مجھے اپنا کلیم کیا۔ اور ان سات نشانیوں کے ساتھ مجھے ممتاز بنایا اور ایک پتھر سے میرے لیے بارہ چشمے جاری کیے اور میری امت کے لیے آسمانی کھانا من وسلویٰ آسمان سے اتارا۔ اور ہمارے سروں پر بادل کا سایہ کیا اور مجھے اپنی کتاب توریت سے نوازا۔"

ان کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"سب تعریفیں خدا کے لیے ہیں جس نے مجھے اپنی کتاب زبور کے ساتھ معزز فرمایا۔ اور مجھے خوش الحانی میں یکتا کیا اور لوہے کو میرے ہاتھ میں نرم کیا۔ پہاڑوں اور جانوروں کو مسخر کرنے کی مجھے طاقت عطا کی۔"

ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔

"سب تعریف خدا کے لیے ہے جس نے مجھے نہ صرف انسانوں بلکہ جنوں اور پریوں کا بھی بادشاہ بنایا۔ مجھے منطق الطیر سے بھی نوازا۔ جانوروں کے ساتھ بات کرنے کی زبان بھی مجھے عطا کی۔"

ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

"سب حمد وثنا اس خدا کے لیے ہے جس نے مجھے اپنا کلمہ اور روح کہہ کر پکارا اور ماں کے پیٹ میں مجھے اپنی کتاب کی تعلیم فرمائی۔ اور اپنی مقدس کتاب انجیل مجھ پر اتاری اور مجھے وہ قدرت عطا کی کہ میں نے اللہ کے کلام سے مردہ زندہ کیے۔ کوڑھی اور اندھے انسانوں کو شفا دی اور مجھے آسمان پر زندہ اٹھا لیا اور مجھ کو اور میری ماں کو تمام آلائشوں سے پاک کیا۔"

جب تمام انبیاء علیہم السلام خدا کی حمد وثنا سے فارغ ہو چکے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"سب تعریف خدا کے لیے ہے جس نے مجھے رحمۃ اللعالمین بنا کر دنیا میں بھیجا۔

Marfat.com

مجھے قرآنِ حکیم عطا کیا۔ اور سب تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے مجھے اول و آخر کیا۔ میری ذات پر نبوت ختم کی تاکہ میرے بعد کوئی نبی نہ بنے اور مجھے قرآن مجید میں محمدؐ کہا۔ انجیل میں احمد اور پہلی کتابوں میں حامد اور زبور میں محمود کہا۔ سب تعریف اُس خدا کے لیے ہے جس نے تمام روئے زمین کو میرے واسطے مسجد بنایا اور میری امت پر توبہ کا دروازہ قیامت تک کے لیے کھول دیا۔"

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تقریر ختم کی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انبیاء کے گروہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اس لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم سے افضل ہیں۔"

اس کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا۔

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کی امت کو بزرگ اور مکرم کیا کہ کسی اول و آخر میں یہ بزرگی نہیں ہے۔"

حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑا اور قبۃ الصخرا پر لے آئے تو حضورؐ کو ایک سیڑھی نظر آئی جو زمین سے آسمان کو چھو رہی تھی۔ سیڑھی کے دونوں طرف کے بازو دو پنجروں کی طرح تھے۔ ان کا ایک سرا زمین پر تھا اور دوسرا آسمان میں۔ ایک بازو سرخ یاقوت کا بنا ہوا تھا اور دوسرا سرسبز زمرد کا۔ اسکا ایک پایہ سونے کا بنا تھا اور دوسرا موتیوں اور چاندی کا۔ اور اس کی مجموعی صورت کرسی کے مشابہ تھی۔ جس میں زمرد کے دو اتنے بڑے پر لگے تھے کہ اگر اُس کا ایک پر پھیلا دیا جاتا تو تمام دنیا کو گھیر لیتا۔ اور اس کرسی میں پچاس مقام تھے اور ہر مقام میں ستر سال کا فاصلہ تھا اور ایک ایک مقرب فرشتہ ہر ایک مقام پر متعین تھا اور ہر ایک فرشتے کے ماتحت پچاس ہزار فرشتے تھے۔ اور وہ تمام فرشتے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے ایک دوسرے کو حضرتؐ کے آنے کی خوشخبری دے رہے تھے۔

یہ سیڑھی فرشتوں کے آنے جانے کا راستہ ہے جو آسمان سے زمین پر آتے اور زمین سے آسمان پر جاتے ہیں اور موت کا فرشتہ ملک الموت بھی روح قبض کرنے کے لیے اسی سیڑھی سے نیچے اترتا ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مرنے کے وقت جب آدمی کی آنکھیں پتھرا جاتی ہیں اس وقت یہ سیڑھی نظر آتی ہے۔

حضرت محمدؐ پھر براق پر سوار ہوئے اور اس سیڑھی کے ذریعے فلکی رفعتوں کی طرف عروج کرنے لگے۔

حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ نے معراج کے واقعات پر روایات کے حوالہ سے عالم مثال کی ان واردات پر اپنے خاص انداز کے مطابق جو توضیحی اشارات فرمائے ہیں ان کا اقتباس یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد اقصیٰ تک اور پھر سدرۃ المنتہیٰ تک اور جہاں تک کہ خدا نے چاہا سیر کرائی۔ یہ سب کچھ جسم کے ساتھ بیداری میں تھا لیکن یہ ایک مقام ہے جو مثال اور شہادت کے درمیان برزخ ہے اور ہر دو عالم مذکورہ کے احکام کا جامع ہوتا ہے۔ پس جسم پر روح کے احکام ظاہر ہوئے اور روح اور معانی نے جسم قبول کر کے تمثیل اختیار کی اسی لیے ان واقعات میں سے ہر واقعہ کی ایک حقیقت ہے یعنی صدر کا چاک کرنا۔ اسے ایمان سے بھر دیا جانا جس کی حقیقت یہ ہے کہ انوار ملکیہ کا غلبہ ہو جانا اور شعلہ طبیعت کا بجھ جانا اور جو کچھ خطیرۃ القدس سے طبیعت کو فیضان ہوتا ہے۔ اس کے لیے مطیع بن جانا۔ جب کہ براق پر سوار ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ نسیمیہ پر جو کمال حیوانی ہے، غالب آجائے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم براق پر ایسی خوبی سے سوار ہوئے جیسے کہ حضورؐ کے نفس انسانی کے احکام قوت بہیمیہ پر غالب و مسلط تھے۔ مسجد اقصیٰ تک سیر اس لیے ہے کہ وہ شعائر الٰہیہ کے ظہور کا محل ہے۔ ملأ اعلیٰ کی ہمتیں اس سے متعلق ہیں۔ اور وہ انبیاء علیہم السلام کی نگاہوں کی نظرگاہ ہے۔ گویا وہ ملکوت کی جانب ایک روزن ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملاقات اور مفاخرت کی حقیقت یہ ہے کہ خطیرۃ القدس

Marfat.com

سے ان کو اجتماعی ربط وضبط حاصل ہے اور پھر ان اجتماعی امور کی خصوصیات کا نہایت کاملیت اور خصوصیات کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہور ہوا۔ آسمانوں پر یکے بعد دیگرے چڑھنے کی حقیقت درجہ بدرجہ تعلقات طبعی سے نکل کر مستوی رحمٰن کی طرف جانا ہے۔ نبی کریمؐ کو یہ براق سماوی رفعتوں کی طرف پرواز کر رہی تھی۔ جب کہ حضورؐ کی نظروں کے سامنے ایک عالم عجائبات پھیلا ہوا تھا۔ براق محو پرواز تھی۔ اس کی منزل بہت دور تھی۔ چاند تاروں کے جھرمٹ سے دور۔ نظام شمسی سے بہت آگے۔ ان کہکشاؤں، نیبولوں، سدیموں اور صحابیوں سے پرے جو فضائے بسیط میں منور ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ سماوی سیڑھی پر سے گزرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیڑھی کے انتہائی کنارے پر ایک بہت بڑا فرشتہ دیکھا جو ہاتھ کھولے ہوئے زمین اور آسمان کے ساتوں طبقوں کو دونوں ہاتھوں میں لیے ہوئے تھا۔ اس فرشتے نے حضورؐ کو سلام کیا اور حضور کی تشریف آوری کی خوشی ظاہر کی۔ اور عرض کیا۔

"یارسول اللہ! حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پچیس ہزار سال پہلے اللہ تعالےٰ نے سیڑھی کے اس کنارے پر میرا مقام مقرر فرمایا ہے۔ میں اسی دن سے آپؐ کی محبت اور عقیدت دل میں لیے ہوئے ہوں۔ اور ہر وقت آپؐ پر درود وسلام بھیجتا رہتا ہوں اور منتظر رہا ہوں کہ آپ کب یہاں تشریف لاتے ہیں۔ آج کی رات آپؐ کی زیارت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس فرشتے سے آگے بڑھے تو ایک دریا دیکھا جو اتنا چوڑا تھا کہ اس کو پار کرنے میں انسان کو دو سو برس لگ جائیں اور ہر جانور جو خشکی و پانی میں ہوتا ہے وہ سب اس دریا میں موجود تھے۔ اس دریا کا نام قاصیہ تھا اور وہ ہوا میں معلق یعنی لٹکا ہوا تھا اور ایک قطرہ پانی کا اس سے نہ گرتا تھا۔ اور اس کا رنگ نہایت صاف نیلا تھا۔

اس کے بعد حضورؐ پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اس ہوائی کرہ میں پہنچے جہاں ہواؤں کو

ستر ہزار زنجیروں کے ساتھ بندھا ہوا دیکھا۔ ہر زنجیر ستر ہزار فرشتوں کے سپرد تھی تاکہ وہ اس کی حفاظت کریں۔ آپؐ براق پر اس کرہ میں سے گزرے۔ آپؐ کا دل خدا کی عظیم الشان عظمتوں کے خوف سے کانپ رہا تھا۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا

اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمتوں کا) علم رکھتے ہیں۔

Marfat.com

پہلا آسمان

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے آسمان پر پہنچے تو وہاں آپؐ نے ایک اور دریا دیکھا جو آسمان سے بہتا ہوا زمین کے کناروں کو چھو رہا تھا اور ستارے کشتی کی مثل اس پر تیر رہے تھے۔

اتنے میں فرمان الٰہی پہنچا کہ آپؐ وہاں تھوڑی دیر کے لیے رُک جائیں اور آپؐ وہاں رُک گئے تو پہلا آسمان گھوم گیا۔ سامنے حضورؐ کو ایک منور چوٹی نظر آئی۔ اور حضورؐ اس چوٹی پر پاؤں رکھ کر پہلے آسمان کے اس حصہ میں پہنچے جہاں نورانی بادلوں میں ایک دروازہ نظر آیا جس کا نام تھا باب الحفظ۔

وہ دروازہ سرخ یاقوت سے بنا ہوا تھا اور اُس کا قفل مروارید کا تھا اور اس پر ایک دربان فرشتہ کھڑا تھا جس کا نام اسماعیل تھا۔

اُس نے پوچھا۔

"کون ہے"؟

حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا۔

"میں ہوں جبریل"

"اور تمہارے ساتھ کون ہے"؟ فرشتے نے پوچھا۔

"حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں"۔ حضرت جبریلؑ نے جواب دیا۔

اس فرشتے نے خوش ہو کر کہا۔

Marfat.com

"مرحبا ہو آنے والے پر جو بہت ہی اچھا ہے" آتا کہہ کر فرشتے نے دروازہ کھول دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے آسمان میں داخل ہوئے اور اس انتہا درجہ کا صاف دیکھا جیسے آئینہ۔

یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتوں کی ایک جماعت دیکھی جو صفیں باندھے ہوئے حالت قیام میں کھڑے تھے اور نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ یہ تسبیح پڑھ رہے تھے۔

"بہت بڑی تعریف کے لائق، سب سے زیادہ پاک ہے رب ہمارا اور پروردگار فرشتوں کا اور روحوں کا"

حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔

"ان فرشتوں کی یہی عبادت ہے اور قیامت کے دن تک یہی عبادت کرتے رہیں گے۔ آپؐ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ اپنے کرم سے اس عبادت کا ثواب آپؐ کی امت کو عطا فرمائے"

اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"ہم نے نماز میں قیام آپؐ کی امت پر فرض کیا۔ پس آپؐ پر لازم ہے کہ اس کو بھی اچھی طرح سے بجالایا کریں"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریلؑ سے پوچھا۔

"ان فرشتوں کی تعداد کس قدر ہو گی؟"

حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا۔

"یا رسول اللہ! مخلوقات خداوندی میں سے کوئی بھی ان کی تعداد نہیں جانتا"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے آگے بڑھے تو حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کی وہ مرواریدکے تخت پر بیٹھے تھے اور نوری لباس پہنے ہوئے تھے۔

Marfat.com

اللہ تعالےٰ نے حکم فرمایا ہے کہ فرشتے اُن روحوں کو جو دنیا سے واپس جاتی ہیں حضرت آدمؑ کے سامنے لائیں۔

چنانچہ جب آپ کے سامنے کسی مومن کی روح آتی ہے تو آپ خوش ہو کر فرماتے ہیں کہ یہ پاک روح پاک بدن سے ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس روح کے واسطے بخشش اور رحمت طلب کرتے ہیں۔

اُس کے بعد فرشتے ان کے سامنے کسی کافر یا منافق کی روح کو لاتے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام غمگین ہو کر فرماتے ہیں۔

"یہ خبیث انسان کی خبیث روح ہے"

جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ چکے تو حضرت جبریلؑ نے حضور سے کہا۔

"یارسول اللہ! آدم علیہ السلام سب انسانوں کے باپ ہیں۔ آپ ان کے پاس چلیں اور سلام کریں"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے اور سلام کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے خندہ پیشانی سے ان کے سلام کا جواب دیا۔

اسی اثناء میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دروازے دیکھے۔ ایک حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف تھا۔ دائیں طرف کے دروازے سے خوشبو آرہی تھی اور بائیں طرف کے دروازے سے بدبو۔ جب حضرت آدم علیہ السلام دائیں طرف دروازے کو دیکھتے تھے تو ہنستے تھے اور جب بائیں طرف دیکھتے تھے تو روتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

"یہ دونوں دروازے کیسے ہیں"؟

حضرت جبریلؑ نے جواب دیا۔

"دائیں طرف بہشتی دروازہ ہے۔ نیک روحیں اسی دروازے سے بہشت میں جاتی ہیں اور بائیں طرف دوزخی دروازہ ہے۔ بد روحیں اسی دروازہ سے جہنم میں جاتی ہیں۔ حضرت آدمؑ

Marfat.com

نیک روحوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور بد روحوں کو دیکھ کر غمگین ہو جاتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے آگے بڑھے تو آپؐ کا گزر ایک ایسی جماعت پر ہوا جو کھیتی باڑی کرتی تھی۔ اس طرح کہ بوتے ہی فصل اسی وقت تیار ہو جاتی تھی اور وہ جماعت اسی وقت اسے کاٹتی تھی اور ایک دانے سے سات سو دانے نکلتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا۔

"یہ کون لوگ ہیں"؟

حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا۔

"یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جتنی عبادت کرتے ہیں محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔ صدقہ خیرات دیتے ہیں"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے تو آپؐ نے ایک ایسی جماعت دیکھی جن کے سروں کو فرشتے پتھروں سے پھوڑ رہے تھے۔ مگر وہ پھر اپنی اصلی حالت پر آجاتے تھے۔

سرورِ کائناتؐ نے جبریلؑ امین سے پوچھا۔

"یہ کون لوگ ہیں"؟

حضرت جبریلؑ علیہ السلام نے کہا۔

"یہ لوگ جمعہ کی نماز اور دوسری نمازیں باجماعت پڑھنے میں سستی کرتے تھے اور رکوع و سجود پورا اور وقت پر ادا نہ کرتے تھے"۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے تو آپؐ کا گزر ایک ایسی جماعت پر ہوا جو ننگے بھوکے اور پیاسے تھے اور دوزخ کے شعلے ان کو چوپایوں کی طرح ہانک کر دوزخ کی طرف لے جاتے تھے۔

"یہ کون ہیں"؟ حضورؐ نے جبریلؑ امین سے دریافت کیا۔

"یہ وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ نہ دیتے تھے اور فقیروں پر رحم نہ کھاتے تھے"۔ حضرت

Marfat.com

جبریلؑ نے جواب دیا۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسی جماعت پر سے گزر ہوا جن کے آگے تمام نعمتیں رکھی تھیں اور دوسری طرف تھوڑا سا مردار گوشت رکھا تھا۔ وہ لوگ اس مردار گوشت کو کھاتے تھے لیکن پاکیزہ نعمتوں کی طرف توجہ نہ دیتے تھے۔

"یہ کون لوگ ہیں؟" حضورؐ نے پوچھا۔

"یہ بُرے مرد اور بری عورتیں ہیں جنہوں نے زندگی میں برائیاں کیں۔"

یہاں سے آگے چلے تو حضورؐ نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو آگ کی سولیوں پر لٹک رہے تھے اور اُن سولیوں کے نوکیلے پنجے تھے جو سولیوں پر لٹکے ہوئے لوگوں کے جسموں میں دھنسے ہوئے تھے۔ اور یہ سولیاں ایک راستے میں گڑی ہوئی تھیں۔ حضرت جبریلؑ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔

"یہ وہ لوگ ہیں جو راہ چلتے لوگوں کو تکلیف پہنچاتے تھے۔ ان کو گالیاں دیتے تھے ان کی ہنسی اڑاتے تھے۔"

یہاں سے آگے بڑھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص نے اپنی پیٹھ پر اتنا بوجھ اٹھایا ہوا تھا کہ اس میں ہلنے جلنے کی بھی طاقت نہ تھی۔ مگر وہ کہے جا رہا تھا کہ اُس پر اور بوجھ رکھ دیا جائے۔ چنانچہ اس پر مزید بوجھ رکھا جا رہا تھا۔ حضرت جبریلؑ نے حضورؐ کے استفسار پر بتایا۔

"یہ اُس شخص کی مثال ہے جو امانت میں خیانت کرتا ہے اور باوجود اس کے کہ اس پر لوگوں کے حقوق کا اتنا بوجھ ہے کہ وہ اس بوجھ میں مزید اضافہ کرتا جاتا ہے۔"

یہاں سے آگے بڑھے تو حضورؐ نے ایک ایسی قوم کو دیکھا کہ اس کے لوگوں کی زبانوں کو فرشتے آگ کی قینچیوں سے کاٹ رہے تھے اور وہ فوراً اپنی اصلی حالت پر آجاتی تھیں اور فرشتے پھر ان کو کاٹ دیتے تھے۔ حضرت جبریلؑ نے حضورؐ کے استفسار پر بتایا۔

Marfat.com

"یہ وہ لوگ ہیں جو بادشاہوں کے دربار میں جاتے اور ان کی بے جا تعریف و توصیف کرتے تھے اور ان کو ظلم و ناانصافی کرنے سے نہ روکتے تھے"

تھوڑی دور جا کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک گروہ کو بڑی سخت سزا دی جا رہی تھی۔ ان کے بدن کا گوشت کاٹ کر ان کو کھانے کو دیا جاتا تھا کہ وہ آپ ہی اپنا گوشت کھائیں۔ یہ لوگ چغل خور تھے۔ پیٹھ پیچھے لوگوں کی غیبت کرنے والے۔

آگے چل کر حضورؐ نے ایسے لوگ دیکھے جن کے منہ کالے تھے اور آنکھیں نیلی۔ ان کے نچلے ہونٹ اُن کے قدموں کے نیچے پڑے تھے اور اوپر کے ہونٹ سر پر۔ پیپ اور خون اُن کے منہ سے جاری تھا اور ان کو گندا خون پینے کو دیا جا رہا تھا۔

حضرت جبریلؑ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ یہ آپؐ کی اُمت کے شرابی لوگ ہیں۔

اس کے بعد حضورؐ نے ایک ایسی قوم دیکھی کہ ان کی دبانیں گدی کے پیچھے کھچی ہوئی تھیں اور صورتیں مسخ ہو کر خنزیری شکل بن گئے تھے۔ ان کو اوپر سے بھی عذاب دیا جا رہا تھا اور نیچے سے بھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو جھوٹی گواہی دیا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے آگے بڑھے تو ایک ایسی قوم کے لوگ دیکھے جن کے پیٹ سوجے ہوئے تھے۔ ان کے رنگ زرد ہو رہے تھے۔ ان کی گردنوں میں لوہے کے طوق پڑے تھے اور زنجیریں ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ سود خور لوگ تھے۔ خون چوسنے والے۔

حضور یہاں سے آگے بڑھے تو ایک ایسی قوم کے لوگ دیکھے جن کو آگ میں سرخ کی ہوئی چھریوں کے ساتھ ذبح کیا جاتا تھا اور ان سے سیاہ خون بہتا تھا۔ اور وہ پھر زندہ ہو جاتے تھے۔ ان کو پھر ذبح کیا جاتا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو ناحق مومنوں کا خون بہاتے تھے۔

اس کے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتیں دیکھیں جن کے منہ کالے

Marfat.com

کیے ہوئے تھے۔ آنکھیں ان کی زرد تھیں۔ آگ کا لباس پہنا ہوا تھا۔ فرشتے ان کو آگ کے گرزوں سے سخت سزا دے رہے تھے اور وہ کتے کی طرح آواز نکالتی تھیں۔ یہ وہ عورتیں تھیں جنہوں نے اپنے خاوندوں کو تکلیف دی اور ستایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آگے بڑھے تو ایسے لوگوں کا گروہ دیکھا جو آگ کے جنگل میں قید تھے۔ آگ ان کو جلاتی تھی اور جب وہ جل کر کوئلہ ہو جاتے تو پھر پیدا کیے جاتے اور پھر جلائے جاتے۔ یہ ماں باپ کے نافرمان لوگ تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آگے بڑھے تو ایسے لوگ دیکھے جو قیدی بنا کر رکھے گئے تھے اور زمین و آسمان کے درمیان لٹک رہے تھے۔ اور اُن پر ایسے سخت فرشتے مقرر تھے کہ ان کی آنکھوں، کانوں اور ناک سے شعلے نکل رہے تھے۔ ان فرشتوں نے ہاتھ میں گرز پکڑا ہوا تھا جس کی ستر ہزار شاخیں تھیں۔ اگر ایک شاخ بوقبیس پہاڑ پر رکھیں تو اس کو پیس کر خاک کر دے۔ یہ فرشتے منافق لوگوں کو سزا دے رہے تھے۔

یہاں سے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آگے بڑھے تو ایسے لوگوں کا گروہ دیکھا کہ ان کے سینوں میں آگ کے طبق رکھے ہوئے تھے۔ ان کے منہ کالے تھے۔ آنکھیں زرد اور متوحش اور اُن کو کالے قطران کے کپڑے پہنائے گئے تھے۔ فرشتے ان کو آگ کے گرزوں سے مارتے تھے۔ یہ بدچلن لوگ تھے۔ زندگی میں جن کا چلن اچھا نہ تھا۔

اس اثنا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا فرشتہ دیکھا جو بڑا جسیم اور قدآور تھا وہ فرشتہ بیک وقت زمین پر بھی تھا اور آسمان پر بھی۔ اس کا حال آگے چل کر سدرۃ المنتہیٰ کے عجائب و غرائب میں بیان کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ فرشتہ تحت الثریٰ سے آسمان تک احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور آسمانوں کے تمام طبقوں میں اس کا وجود یکساں پایا جاتا ہے۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے آگے بڑھے تو ایک ایسا فرشتہ دیکھا جس کا اوپر کا آدھا حصہ آگ سے بنا ہوا تھا اور نچلا آدھا حصہ برف سے۔ مگر یہ عجیب بات تھی کہ

Marfat.com

نہ تو آگ برف کو پگھلاتی تھی اور نہ برف آگ کو بجھاتی تھی۔

رسول مقبول نے جبریل امین سے پوچھا

"یہ فرشتہ کون ہے"؟

حضرت جبریلؑ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہؐ! اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ کو اپنے کمال قدرت سے پیدا کیا ہے اور اس کو بادلوں پر موکل کیا ہے تاکہ جس جگہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو یہ بادل وہاں لے جائے۔ اس کا نام رعد ہے۔ جب بجلی چمکتی ہے اور بادل گرجتے ہیں تو اس کی ہی آواز آتی ہے"۔

یہاں سے چلے تو حضورؐ جبریلؑ کے ساتھ ایک دریا پر پہنچے۔ یہ بڑا ہی عجیب و غریب دریا تھا۔ اس کے عجائبات گنتی میں نہیں آ سکتے۔

اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید تھا اور اس کی موجیں پہاڑ سے زیادہ اونچی تھیں۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ اس دریا کو بحر حیوان کہتے ہیں۔ جب قیامت کے دن انسانوں کے حشر کا وقت آئے گا تو اس دریا سے زمین پر بارش ہوگی اور اس کا پانی اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کے ڈھانچوں کو زندہ کرے گا۔

دوسرا آسمان

عروج کرتے ہوئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریلؑ کے ساتھ دوسرے آسمان پر پہنچے تو ہر طرف نور ہی نور پھیلا ہوا دیکھا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روداد معراج بیان کرتے ہوئے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آسمان کو زرسرخ سے پیدا کیا اور اس کا نام قیدوم ہے۔

یہاں ایک جگہ حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک دروازہ کھٹکھٹایا تو دربان نے پوچھا۔

"کون ہے"؟

حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا۔

"حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں"۔

"کیا آنحضرت مبعوث ہو چکے ہیں"؟ دربان نے پوچھا۔

"ہاں"، جبریل علیہ السلام نے مختصراً جواب دیا۔

"الحمد اللہ" دربان نے کہا اور دروازہ کھول دیا۔ اس دروازے کے کھلتے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور دروازہ دیکھا جو مروارید کا تھا۔ جس میں نور کا قفل ہوا تھا۔ اس کا دربان ایک فرشتہ تھا جس کا نام اسرافیل تھا اور اس کے تابع دو لاکھ فرشتے جن کے تابع ہر ایک کے پھر دو دو لاکھ فرشتے۔ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے السلام علیک

Marfat.com

کہا تو تمام نے سلام کا نہایت تعظیم سے جواب دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے تو فرشتوں کی ایک جماعت دیکھی۔ سب فرشتے صفیں باندھے رکوع کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے تھے۔ یہ فرشتے جب سے پیدا ہوئے تھے انہوں نے اپنا سر کبھی اوپر نہیں اٹھایا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریلؑ سے پوچھا۔

"کیا دوسرے آسمان کے فرشتوں کی یہی عبادت ہے"؟

حضرت جبریلؑ نے جواب دیا۔

"یارسول اللہ! ان فرشتوں کی یہی عبادت ہے۔ آپؐ اللہ تعالیٰ سے طلب کریں کہ آپؐ کی امت کو بھی اللہ تعالیٰ اس عبادت کا ثواب عطا فرمائے"۔

اور حضورؐ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے نماز میں رکوع آپؐ کی امت پر فرض فرمایا۔

یہاں سے عروج کیا تو حضورؐ نے دو جوان دیکھے حضرت جبریلؑ سے ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔

"یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں۔ آپؐ ان سے ملاقات کریں"۔

چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر کہا۔

"السلام علیکم!

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا اور آپ سے مصافحہ کیا۔ یہاں سے آگے چلے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک فرشتہ دکھائی دیا۔ جو تعظیم سے سر جھکائے کھڑا تھا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج رہا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریلؑ سے اُس فرشتے کا حال دریافت فرمایا تو انہوں نے بتایا۔

Marfat.com

"یارسول اللہ! یہ وہ فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں روزی تقسیم کرنے کا موکل بنایا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے دستر خوان سے ہر شخص کو روزانہ روزی ملتی رہے۔ اس فرشتے کا نام قائم ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ یہاں سے اور آگے بڑھے۔

Marfat.com

تیسرا آسمان

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے آسمان پر آئے تو دیکھا کہ ہر طرف سفید موتی سی قندیلیں جھلملا رہی تھیں۔ یہ قندیلیں نور سے روشن تھیں۔ اس آسمان کا نام زیلون ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بہت سے فرشتے دیکھے جو سجدے میں پڑے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے ان پر سلام کہا تو فرشتوں نے سر اٹھایا اور حضورؐ کے سلام کا جواب دے کر پھر سجدے میں چلے گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ آپؐ کی امت کو بھی یہ عبادت عطا فرمائیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کی دعا قبول فرمائی۔ اور آپؐ کی امت پر ہر رکعت میں دو سجدے فرض کر دیے۔

حضرت یوسف علیہ السلام بھی ان فرشتوں میں تھے اور عبادت کر رہے تھے۔ حضور نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ اور بڑی گرم جوشی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مصافحہ و معانقہ کیا۔

اور پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ سے آگے گئے تو حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔

"آج کی رات اللہ تعالیٰ کی رحمت اور شفاعت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور آپؐ باری تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے کہیں کہ وہ قیامت کے دن آپ کی امت کو بخش دیں۔"

Marfat.com

رسول مقبولؐ نے یہاں سے عروج کیا تو ایک فرشتے کے پاس پہنچے جو کرسی پر بیٹھا تھا اور اس کے پر بڑے چمکیلے تھے اور اس فرشتے کی چوڑائی اس قدر تھی کہ اگر وہ ایک پر کو پھیلاتا تو مشرق سے مغرب تک گھیر لیتا۔

اس فرشتے کے ارد گرد بہت سے فرشتے جمع تھے جو بڑے ہی جسیم تھے۔ ان کے ہاتھ میں آگ کے گرز تھے۔ جن سے وہ بہت سے انسانوں کو عذاب دے رہے تھے۔ جب وہ گرز مارتے تھے تو ان کا جسم ریزہ ریزہ ہو جاتا تھا۔ اور جل جاتا تھا۔ اور فوراً ہی وہ اپنی اصلی حالت میں آجاتے تھے اور فرشتے ان کو گرز مار مار کر پھر ریزہ ریزہ کر دیتے تھے۔ کرسی پر بیٹھا ہوا فرشتہ عذاب دینے والے فرشتوں کا سردار تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

"اس فرشتے کا کیا نام ہے"؟

"یا رسول اللہؐ! اس فرشتے کا نام سرحائیل ہے۔ حضرت جبریلؑ نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ لوگ جن کو عذاب دیا جا رہا ہے۔ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں بڑے مغرور اور متکبر تھے۔ غرور اور تکبر سے نعوذ باللہ خدا بنے بیٹھے تھے"۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دریا پر پہنچے جو بہت بڑا تھا حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔

"اس دریا کو بحر النعم کہتے ہیں۔ اس دریا کے پانی کی مقدار تمام دنیا کے برابر ہے مشرق سے مغرب تک اور زمین سے آسمان تک"۔

Marfat.com

چوتھا آسمان

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم چوتھے آسمان پر پہنچے تو دیکھا کہ یہ خالص چاندی کا تھا اور اتنا وسیع تھا کہ تینوں آسمان جو اس کے نیچے تھے اور زمین اس چوتھے آسمان کے درمیان یں ایک نقطہ معلوم ہو رہی تھی۔ چاندی کا یہ آسمان ایک بہت بڑے دائرے کی شکل میں س نقطے کے گرداگرد پھیلا ہوا تھا۔

اس آسمان کا نام یزیلون ہے۔

اس کا دروازہ بھی نور کا تھا۔ اور اس میں قفل بھی نور کا تھا اور اس پر لکھا تھا۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ

اس دروازے پر ایک خازن ہے جس کا نام موضیائیل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دروازے کے اندر داخل ہوئے تو بڑے عجائبات دیکھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ سے بغل گیر ہوئے۔ آپؐ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ فرمایا۔

"الحمد اس اللہ تعالیٰ کو جس نے آپؐ کے دیدار سے شرف کیا۔ آج کی رات بڑی مبارک اور خیر و برکت کی رات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضورؐ میں آپؐ کو جگہ ملے گی۔ یہ شرف نہ اس سے پہلے کسی انسان کو حاصل ہوا نہ آئندہ ہوگا۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سے عروج کیا تو چوتھے آسمان کے فرشتوں کو عبادت میں محو دیکھا۔ تسبیح و تہلیل میں منہمک اسی مقام پر آپؐ کی ملاقات حضرت مریم اور

Marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ اور فرعون کی بیوی حضرت آسیہ سے ہوئی۔

حضرت مریم علیہا السلام کے لیے سفید مروارید کے ستر ہزار محل بنے ہوئے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے لیے بھی اتنے ہی محل تھے جو سرخ یاقوت سے بنے ہوئے تھے

اس آسمان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بڑا ہی عجیب واقعہ دیکھا وہ یہ تھا کہ ایک فرشتہ کرسی پر بڑا غمگین بیٹھا ہوا تھا۔ اس کرسی کے چار گوشے تھے اور ہر گوشہ کے بہت سے پائے سونے چاندی اور مروارید کے بنے ہوئے تھے اور اس کے اردگرد ان گنت فرشتے کھڑے تھے کہ گنے نہیں جا سکتے تھے۔ جو فرشتے دائیں طرف کھڑے تھے خوبرو خوش شکل تھے اور جو بائیں طرف کھڑے تھے ڈراؤنی شکل کے تھے۔ ان کے منہ سے آگ کے شعلے نکلتے تھے اور جو فرشتہ کرسی پر بیٹھا تھا مجسم آنکھ بنا ہوا تھا اور اس آنکھ میں مریخ اور مشتری ایسے بے شمار ستارے ضوفشاں تھے۔ اس کے بہت بڑے بڑے چمکدار شہپر تھے۔

اس فرشتے کے ہاتھ میں ایک تختی تھی جس پر اس کی نظر کچھ اس طرح مرتکز و مرکوز تھی کہ ایک لمحہ کے لیے بھی آنکھ نہیں اٹھاتا تھا اور اس کے سامنے ایک درخت تھا جس کے پتے گہرے سبز رنگ کے تھے اور اس قدر گھنے اور زیادہ تھے کہ ان کی گنتی نہیں کی جا سکتی تھی اور ہر پتے پر کوئی نام لکھا تھا۔

اس فرشتے اور درخت کے آگے طشتری کی شکل کی کوئی بہت بڑی چیز رکھی تھی۔ وہ فرشتہ ہاتھ لمبا کر کے اس میں سے کوئی چیز پکڑ کر کبھی دائیں طرف کھڑے خوش شکل فرشتوں کو دیتا تھا اور کبھی بائیں طرف کھڑے ڈراؤنی شکل کے فرشتوں کو۔

رسول مقبول ؐ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا۔

"یہ کونسا فرشتہ ہے؟"

حضرت جبریل ؑ نے جواب دیا۔

"یہ عزرائیل ہے"

حضرت جبریلؑ اُس فرشتے کے پاس گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی۔ بولے

"عزرائیل! یہ پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم محبوبِ خدا ہیں"

یہ سنتے ہی عزرائیل نے جلدی سے سر اوپر اٹھایا۔ حضورؐ کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔ بولا۔

"مرحبا! مرحبا! صاحب لولاک، امام الانبیاء محمد المزمل، المدثر۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ نے آپؐ سے زیادہ برگزیدہ کوئی پیغمبر پیدا نہیں کیا۔ اور کوئی امت اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپؐ کی امت سے زیادہ بزرگ نہیں اور میں آپؐ کی امت پر ان کی ماؤں سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں"

حضورؐ مسکرائے اور متبسم لہجہ میں فرمایا۔

"اے ملک الموت! تو نے میرا دل خوش کر دیا۔ میرے دل میں ایک خدشہ ہے اسے دور کر دو"

عزرائیل نے مؤدبانہ عرض کیا۔

"فرمایئے۔ وہ کیا خدشہ ہے"؟

"ہم تمہیں بڑا مغموم و ملول اور مشغول دیکھ رہے ہیں۔ اس کا سبب کیا ہے"؟ حضورؐ نے اس سے دریافت فرمایا۔

"یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے میرے سپرد کام ہی ایسا کیا ہوا اور روحوں کی امانت بھی میرے سپرد کر دی ہوئی ہے۔ میں ہر وقت اسی خیال سے غمگین رہتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ مجھ سے کوئی قصور و خطا نہ ہو جائے"۔ عزرائیل نے عرض کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

Marfat.com

"یہ طشت کیا ہے اور یہ تختی کیسی ہے۔ اس درخت کا کیا مقصد ہے"؟

عزرائیل نے عرض کیا۔

"یہ طشت مثل دنیا کے ہے۔ یہ تختی عرصہ حیات، زندگی کی مہلت ہے اور یہ درخت شجر طوبیٰ ہے۔ اس کے ہر پتے پر ہر بندے کا نام لکھا ہے۔ جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے تو اس درخت میں اُس بندے کے نام کا پتا زرد ہو جاتا ہے اور جس وقت اس کی موت آ جاتی ہے یہ پتا سوکھ کر اس طشت میں گر جاتا ہے اور میں اس بندے کا نام اس تختی سے کاٹ کر ہاتھ لمبا کرتا ہوں تو وہ بندہ دنیا میں چاہے کس جگہ پر ہو اس کی روح میرے ہاتھ میں آ جاتی ہے۔ اور میں اس کی روح قبض کر لیتا ہوں"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

"یہ فرشتے تمہارے دائیں بائیں کس کام میں لگے ہوئے ہیں"۔

عزرائیل نے عرض کیا۔

"دائیں طرف والے رحمت کے فرشتے ہیں۔ جب کسی نیک بندے کی روح قبض کرنی ہوتی ہے تو میں رحمت کے فرشتوں کے حوالے کر دیتا ہوں اور جب کسی بدکار کی روح قبض کرنا ہوتی ہے تو میں اُس کو عذاب کے فرشتوں کے حوالے کر دیتا ہوں"۔

عزرائیلؑ نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"جب کسی بندے کی روح قبض کرنے کا وقت آ جاتا ہے تو میں ان کو بھیج دیتا ہوں تاکہ وہ اس بندے کی روح قبض کرنے کے لیے حلق تک لے آئے۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اس کا کام تمام کر دیتا ہوں"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عزرائیل کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔

"ملک الموت! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں۔ اگر تو اس کو قبول کرے"۔

عزرائیل نے کہا۔

Marfat.com

"فرمایئے۔کیا ارشاد ہے۔میں دل وجان سے قبول کروں گا۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"میری امت کے ساتھ اتنی سختی نہ کرنا۔"

عزرائیل نے جواب دیا۔

"یارسول اللہ ﷺ مجھے ہر دن اور رات میں ستر ہزار مرتبہ بارگاہِ خداوندی سے بھی یہی حکم ملتا ہے کہ آپؐ کی امت کے ساتھ سختی نہ کروں۔اور میں اس سے زیادہ نرمی اختیار کرتا ہوں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سے عروج کیا تو ایک اور دریا دیکھا جس کا پانی برف سے زیادہ سفید تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریلؑ سے اس کی کیفیت پوچھی تو انہوں نے عرض کیا۔

"اس دریا کا نام بحرالثلج ہے۔اگر تھوڑا سا پانی اس برف کے باہر گر جائے تو تمام آسمان اور زمین برف بن جائے اور سب جاندار ہلاک ہو جائیں۔"

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المعمور کے قریب پہنچے جو سرخ یاقوت کا ایک گھر ہے۔جس کے دروازے زمرد کے سبز رنگ کے ہیں اور جس موتیوں کی تیرہ ہزار قندیلیں ان میں لٹک رہی تھیں اور چاند سورج سے زیادہ روشنی دے رہی تھیں۔بیت المعمور کا مینار خالص چاندی کا تھا اور اتنا اونچا تھا کہ اس کی چوٹی تک پہنچنے میں پانچ سو سال لگ جائیں۔

ستر ہزار فرشتے جب سے وہ پیدا ہوئے ہیں۔عرش کے نیچے سے دریائے نور میں غسل کر کے باہر آتے ہیں اور نور کی چادریں بدن پر ڈال کر احرام باندھتے ہیں۔بیت المعمور کا طواف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

لبیک۔لبیک۔لبیک!!

پھر حضرت جبریلؑ حضورؐ کا دست مبارک پکڑ کر بیت المعمور میں لے آئے اور کہا۔

Marfat.com

"یارسول اللہؐ! تمام فرشتوں کی امامت کیجیے۔ جیسے زمین پر آپؐ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت کی تھی"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المعمور میں تمام فرشتوں کو دو رکعت نماز پڑھائی۔ اور فرشتوں کی جمعیت دیکھ کر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو بھی ایسی ہی جمعیت عطا فرما۔

بیت المعور میں فرشتوں کو نماز پڑھانے کے بعد سے لے کر اب تک فرشتے بیت المعور میں جمع ہوتے ہیں۔ حضرت جبریلؑ اس مینار پر اذان دیتے ہیں اور اسرافیل علیہ السلام ممبر پر خطبہ پڑھتے ہیں اور میکائیل علیہ السلام نماز جمعہ کی امامت کرتے ہیں اور نماز ختم کر کے جبریل علیہ السلام کہتے ہیں کہ تم سب گواہ رہنا کہ میں نے اس اذان کا ثواب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیبوں اور اماموں کو بخش دیا۔

پھر تمام فرشتے یکبارگی پکار اٹھتے ہیں کہ ہم نے اس نماز کا ثواب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام نمازیوں کو بخش دیا۔

یہاں سے عروج کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے تو اسی آسمان میں آفتاب کو دیکھا جو زمین سے تین سو ساٹھ گنا بڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ نے جب یہ آسمان بنایا تو اسی دن سے آفتاب بنایا اور آفتاب کا گولا اتنا بڑا ہے کہ اگر اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر جانا ہو تو اسی ہزار سال لگ جائیں۔

سورج کو بنانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک کشتی تیار کی اور ایک تخت بنایا سرخ یاقوت کا جس کے تین سو پائے ہیں۔ اور ہر پائے کو ایک ہزار فرشتوں نے پکڑا ہوا ہے اور آفتاب کو اس زریں کشتی میں رکھا ہوا ہے اور کشتی کو تخت پر اور تخت کو تین لاکھ ساٹھ ہزار فرشتے پکڑے ہوئے ہیں اور اس کو دریائے فلک پر لاتے ہیں جو کہ چوتھے آسمان کے نیچے ہے۔ اور ہر صبح سورج کو مشرق سے طلوع کرتے ہیں

Marfat.com

اور مغرب میں غروب کرتے ہیں اور تمام فرشتے عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ دوسرے روز اسی قدر اور فرشتے آتے ہیں اور اس کام کو پورا کر کے خدا کی عبادت کرنے لگتے ہیں اور پھر قیامت تک اس گروہ کی باری نہیں آئے گی۔

Marfat.com

پانچواں آسمان

چوتھے آسمان کے بعد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانچویں آسمان میں پہنچے تو دیکھا چاروں آسمان جن سے وہ گزر کر آئے ہیں پانچویں آسمان میں ایسے لگ رہے ہیں جیسے ایک بہت بڑے گول میدان میں کوئی چھوٹی چیز رکھی ہو۔

اس آسمان کا نام البیانیقون ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آسمان کے دربان کو دیکھا جو ایک کرسی پر بیٹھا تھا اس کا نام سقطائیل تھا۔ حضورؐ نے اس کو السلام علیک کہا تو اُس نے بڑی تعظیم کے ساتھ سلام کا جواب دیا۔ اور حضورؐ کو بے حد کرامتوں اور بزرگیوں کی بشارت دی۔ اس کے تابع چار لاکھ فرشتے تھے اور پھر ان میں سے ہر ایک کے ماتحت پانچ پانچ لاکھ فرشتے تھے۔

جب نبی کریمؐ ان فرشتوں میں سے گزرے تو حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ وہ سب ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔

"السلام علیکم"

سب نے سلام کا جواب دیا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے آپ کے ساتھ مصافحہ کیا اور فرمایا۔

"یا محمدؐ! آج کی رات آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی خاص قربت حاصل ہوگی اس وقت آپؐ اپنی امت کی شفاعت کریں"

Marfat.com

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سے عروج کیا تو ایسے فرشتوں کو دیکھا جو سب کھڑے ہو کر عبادت کر رہے تھے۔ ان کی نظریں اپنے پاؤں پر تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا۔

"کیا ان کی یہی عبادت ہے"؟

حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہؐ! ان کی یہی عبادت ہے۔ آپؐ بھی حق تعالیٰ سے طلب کریں تاکہ آپؐ کی امت کو بھی یہی اطاعت نصیب ہو"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو رب العالمین نے آپؐ کی دعا قبول فرمائی۔ فرمایا۔

"محقق مومن خلاصی پا گئے کہ وہ اپنی نمازوں میں روتے ہیں"

یہاں سے آگے بڑھے تو حضورؐ ایک ایسے فرشتے کے پاس پہنچے کہ اس کی بزرگی کی صفتیں بیان نہیں ہو سکتیں۔ اس کی بزرگی یہ تھی کہ اگر تمام مخلوقات کو چاہے تو ایک لقمہ میں چٹ کر جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرشتے کے آس پاس اور کئی فرشتے دیکھے جو بڑے جسیم اور قد آور تھے۔ اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک آتشیں گرز تھا اور ان کے زیر عتاب ایسے لوگ تھے جن کے جسموں پر آگ کا لباس تھا اور پاؤں ان کے لٹک رہے تھے۔ فرشتان کو آتشیں گرز مار رہے تھے جن کی ضربوں سے ان کے گوشت کے لوتھڑے اور اعضا ایک دوسرے سے چھوٹ کر آگ میں گرتے تھے اور آگ بھڑک اٹھتی تھی۔ وہ جل کر راکھ ہو جاتے تھے لیکن پھر اپنی اصلی حالت پر آ جاتے تھے۔ اور فرشتے ان کو پھر اسی طرح مارتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

"یہ کون لوگ ہیں"؟

حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا۔

Marfat.com

"یارسول اللہؐ! یہ مشرک لوگ ہیں جو خدا کی توحید کو نہ مانتے تھے۔ بتوں کی پوجا کرتے تھے ان سے اپنی حاجتیں طلب کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب دینے کے لیے ان پر یہ فرشتے مقرر فرما ہوئے ہیں۔"

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک آگ کے دریا پر پہنچے اور اس کے کنارے بہت غضبناک فرشتے دیکھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریلؑ سے پوچھا۔

"یہ کونسا دریا ہے"؟

"اس دریا کو بحر الصعق کہتے ہیں۔ جلانے اور چمکنے والی بجلی کی طرح لہراتے ہوئے شعلے اٹھ رہے تھے۔ ان کے لپلپانے اور لہرانے کی سنسناہٹ اور گونج گرج سنائی دیتی تھی۔ اور ان کے کوندوں سے سارا آسمان رہ رہ کر روشن ہو جاتا تھا۔

Marfat.com

چھٹا آسمان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھٹے آسمان پر پہنچے جو سچے موتیوں سے بنا تھا۔ لولوئے ابدار۔

اس آسمان کا نام عاروس ہے!

اس کے دربان کا نام درو عائیل تھا۔ یہاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار فرشتے اللہ پاک کی عبادت میں مشغول دیکھے۔

ان فرشتوں میں سے گزرتے ہوئے آپؐ ایک دروازے پر پہنچے جو کافور کا بنا ہوا تھا اور اس کی دہلیز زمین کے آخری کنارے تحت الثریٰ سے شروع ہو کر عرش اعظم تک پہنچی ہوئی تھی۔ دروازہ بند تھا جس پر تمام آسمانوں اور زمینوں کے برابر قفل لگا ہوا تھا حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ اس دروازے کو باب الامان کہتے ہیں۔ یہ دوزخ کا دروازہ ہے۔

باب جہنم ——— ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں اور کل مخلوق کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ دروازہ پیدا کیا ہے۔ اسی واسطے اس کو باب الامان بھی کہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اس دروازے کو کھول کر مجھے دکھاؤ کہ اس کے پیچھے کیا ہے"؟

حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا۔

Marfat.com

"یارسول اللہ! اس کے پیچھے دوزخ کی آگ ہے۔ آپ کو دوزخ اور دوزخیوں سے کیا کام؟ آج کی رات بزرگی کی رات ہے۔ جلدی چلیے تاکہ آپؐ مقام معراج پر پہنچ جائیں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے جبریلؑ! میں ضرور دیکھوں گا کہ اس دروازے کے پیچھے کیا ہے"؟

اتنے میں حکم الٰہی آیا کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم انگشت مبارک کا اشارہ کرو۔ دروازہ فوراً کھل جائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگشت مبارک کا اشارہ کیا تو دروازہ فوراً کھل گیا جس کے ساتھ ہی دہوئیں کے بادل اور بھڑکتے ہوئے شعلے باہر نکلے۔ آپؐ نے نظر ماری تو ہر طرف آگ ہی آگ اور شعلے ہی شعلے دکھائی دیے۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسا بارعب دبدبے والا فرشتہ نظر آیا کہ حضور انورؐ نے اس سے پہلے نہ دیکھا تھا۔ اس کے آس پاس اور بھی کئی فرشتے کھڑے تھے اور ان کے ہاتھ میں آتشیں گرز تھے لیکن وہ ان سب کا سردار معلوم ہوتا تھا۔ وہ لوہے کے منبر پر بیٹھا تھا۔ جس کی آٹھ سیڑھیاں تھیں اور ہر سیڑھی کا فاصلہ زمین سے آسمان تک تھا۔ وہ فرشتہ سر جھکائے عبادت میں مشغول تھا اُس کے منہ سے ہاڑ ایسے شعلے نکل رہے تھے۔ اور دونوں نتھنوں سے بھی۔

یہ فرشتہ بڑا غضب ناک تھا۔ بہت ہی بڑی بڑی اس کی آنکھیں تھیں۔ اور آنکھوں سے بھی شعلے نکل رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا۔

"یہ کون ہے"

حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا۔

"یہ خازن دوزخ مالک ہے۔ جس دن سے اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا ہے یہ کبھی نہیں ہنسا اور نہ کبھی خوش ہوا ہے"

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو السلام علیک کہا لیکن اُس نے اپنی بے حد مصروفیات میں سر نہ اٹھایا۔ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اُس سے کہا۔

"اے مالک! یہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تم کو سلام فرماتے ہیں"

یہ سنتے ہی جہنم کا سردار فرشتہ مالک چونک گیا۔ تعظیم کے لیے جلدی سے کھڑا ہوا اور بڑی تواضع کی اور پھر حضورؐ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

"یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے دوزخ کی آگ آپؐ پر حرام ہے اور جو آپؐ کی تابعداری کرے گا اس پر بھی دوزخ کی آگ حرام ہوگی۔ مجھ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ گناہگاروں پر ہرگز رحم نہ کھاؤں اور جو آپؐ پر ایمان نہ لائیں ان کو خوب سزا دوں"

دوزخ کے سردار فرشتے مالک کے ہاتھ میں جو گرز تھا اس کے بے شمار پہلو تھے اور تمام مخلوق اس کے ایک پہلو کو نہیں موڑ سکتی تھی۔

سرور دو عالمؐ نے مالک سے کہا۔

"مالک! میں دوزخ کے سارے طبقے دیکھنا چاہتا ہوں"

"میں حاضر ہوں یا رسول اللہ"، خازن جہنم مالک نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"چلیے حضورؐ والا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت جبریل علیہ السلام اور خازن دوزخ مالک ایک پل پر سے نیچے اترتے ہوئے ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سے سامنے ایک غار نظر آ رہا تھا۔

اس غار میں انہوں نے سانپوں کا ایک ہجوم دیکھا۔ یہ سانپ اتنے ہیبت ناک اور کریہہ المنظر تھے کہ ان سے خوف آتا تھا۔ اس غار میں اس قدر ریت تھی کہ دنیا بھر کے کسی عظیم الشان ریگستان میں بھی نہ ہوگی۔

غار کے ریگزاروں میں برہنہ روحیں خوف کے پر لگائے اڑتی پھرتی تھیں۔ انہیں ایسی کوئی دراڑ یا شگاف نہ ملتا تھا جس میں وہ چھپ کر بیٹھ جائیں۔

ان روحوں کے ہاتھ انکی پشت پر رسیوں کی جگہ سانپوں سے اس طرح بندھے تھے کہ سامنے جسم پر سانپوں نے لپٹ کر پشت پر اپنی دم اور سر کو مضبوط گرہ میں باندھ رکھا تھا۔

اچانک ایک روح کی گردن پر جہاں سر اور شانے کا جوڑ ہوتا ہے۔ ایک سانپ اچھل کر آیا اور وہیں اس نے اپنے دانت گڑو دیے۔ وہ روح سلگی اور پھر جل اٹھی اور جل کر راکھ ہو گئی۔

اب اُس کی راکھ زمین پر گری اور راکھ کے ڈھیر میں جو زمین پر تھا حرکت پیدا ہوئی اور وہ اس طرح لپٹی کہ وہ روح اپنی پہلی شکل میں پھر نمودار ہو گئی۔

خازن دوزخ مالک نے بتایا کہ یہ اُس گناہگار کی روح ہے جسے دنیا میں درندوں کی سی زندگی مرغوب تھی۔

دفعتہً ایک شعلہ اٹھا اور لہرا کر بڑی بھیانک شکل اختیار کر گیا۔ جس کا اوپر کا جسم انسان کا سا اور باقی کسی چوپائے کا سا تھا۔ اس کے پٹھوں پر سانپ لپٹے ہوئے تھے اور جہاں چہرہ انسان کا شروع ہوتا تھا وہاں اور سر کے پیچھے اور دونوں شانوں پر ایک اژدہا پر کھولے چپٹا تھا۔ اس کے نتھنوں سے آگ نکل رہی تھی اور جہاں ہاتھ ہوتے ہیں وہاں خونخوار پنجے تھے۔

اس عفریت کو دیکھتے ہی اپنی خاکستر سے دوبارہ جنم پانے والی روح بھاگی لیکن عفریت اس پر اچک آیا اور روح کو گرا کر اپنے پنجے اس پر رکھ دیے۔ بیچ کے دونوں پنجے اُس نے اُس کے شکم پر جمائے اور اگلے پنجوں سے روح کے دونوں ہاتھ دبوچ لیے اور پھر جھک کر روح کے سینے پر اپنے دانت گڑو دیے جن کے نیچے زہر کے چھالے تھے۔

اژدہا نے اپنے پچھلے پنجے روح کی رانوں پر جمائے اور ان میں اپنی دم دبا کر اپنے بلوں پر آنکڑا سا بنا لیا۔ روح سے ایسے لپٹ گیا جیسے آکاش بیل درختوں سے لپٹتی ہے اور پھر یہ اژدہا اور روح جلتے موم کی طرح پگھل گئے اور دونوں اپنا اپنا رنگ دکھاتے

Marfat.com

ہوئے الگ الگ بہنے لگے پھر یہ بات نہ رہی جیسے کاغذ پر جلنے سے پہلے بھورا رنگ دوڑتا ہے اور سیاہی نہیں آتی لیکن جلتے ہی سپیدی غائب ہو جاتی ہے۔ یہی کیفیت اس سانپ اور روح کی پگھلنے کے بعد ہوئی۔ اور وہ دونوں صورتیں جن کو اب دو نہیں کہا جا سکتا تھا۔ ایک عجیب الخلقت عفریت کی شکل میں ظاہر ہوئیں۔ جو وہاں اڑتی ہوئی روحوں کے غول میں سے دو روحوں پر جھپٹی۔ وہ سر سے دُم تک آگ کا شعلہ بنی ہوئی تھی۔ اب اس نے دو روحوں میں سے ایک کے پیٹ میں کاٹا تو روح کے منہ سے غلیظ دھوئیں کا ایک ستون سا اوپر کو اٹھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے آگے بڑھے تو آپؐ نے ایک جگہ بے شمار شعلے روشن دیکھے جن میں سیہ کار روحیں سراپا رہی تھیں۔ بھڑکتا ہوا ایک ایک شعلہ ایک ایک روح سے لپٹا ہوا تھا۔

یہاں سے آگے بڑھے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے روحوں کو چٹانوں کے ساتھ بندھے ہوئے دیکھا۔ جن سے نکلتے ہوئے شعلے ان کے جسموں کو چاٹ رہے تھے۔ انہی روحوں میں سے ایک کے کندھے پر ایک عقاب بیٹھا تھا اور اپنی چونچ سے اس کے دل کو کرید کرید کر کھا رہا تھا۔ جب وہ اس کے دل کو کھا جاتا تھا تو نیچے سے نیا دل اُبھر آتا تھا۔

یہاں سے آگے بڑھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روحوں کو انگاروں پر لوٹتے دیکھا۔ نیچے سے دہکتے ہوئے انگارے ان کے جسم کو جلا رہے تھے اور اوپر سے آتشیں کوڑے برس رہے تھے۔ یہ روحیں عذاب کی شدت سے بلبلا رہی تھیں۔ چلا رہی تھیں۔ لیکن ان کی چیخوں کے شور کو زرسنگھے کی گرجتے بادل کی سی آواز ابھرنے نہ دیتی جیسے شعلوں کی سرخی اور رات کی تاریکی میں سینگ کی طرح اوپر اٹھی ایک چٹان پر کھڑا ایک فرشتہ بجا رہا تھا۔

سیہ کار روحوں کے دردناک عذاب کے یہ ہولناک مناظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے نہ دیکھے گئے۔ اور اس کرہ نار سے آگے بڑھ گئے۔

یہاں سے عروج کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات حضرت ادریسؑ اور حضرت نوحؑ سے ہوئی۔ دونوں پیغمبر حضورؐ سے بغل گیر ہوئے۔ معراج کی مبارک باد دی۔ حضورؐ ان سے مل کر بڑے خوش ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سے عروج کیا تو میکائیل سے ملے۔ یہ مقتدر فرشتہ ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے ایک بڑا ترازو لٹک رہا تھا۔ اس کا ایک پلڑا ہی ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں سے بڑا تھا اور اس کی ڈنڈی آسمان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور رزق کے بے شمار ڈھیر اس کے دائیں بائیں لگے ہوئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے السلام علیک کہا تو وہ تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔ حضورؐ پُرنور سے بغل گیر ہوا۔ کہنے لگا۔

"یا رسول اللہ! میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ کسی امت کی خیر و برکت آپؐ کی امت کے برابر نہیں۔ وہ شخص بڑا ہی خوش نصیب ہے جس نے آپؐ کی پیروی کی۔"

میکائیل کے ماتحت سات لاکھ فرشتے ہیں۔ ان تمام فرشتوں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہؐ! ہم سب آپؐ کے خادم ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام سے بھی پچاس سال پہلے آپؐ پر درود و سلام بھیج رہے ہیں۔ برف کے ریزوں، بارش کے قطروں چاند سورج کی کرنوں اور ہر نباتات پر جو زمین پر اگتی ہے سے بھی زیادہ درود و سلام ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ موکل ہے۔"

یہاں سے عروج کیا تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک سبز دریا پر پہنچے جس میں اس قدر فرشتے تھے کہ ان کا شمار اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ بحر احضر تھا جس سے تمام سبزیاں پیدا ہوتی ہیں۔

یہاں سے عروج کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دریائے تاریک پر پہنچے جس میں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھایا تھا اور کچھ نظر نہیں آرہا تھا کہ اس دریا میں کیا کچھ ہے مگر یوں معلوم ہوتا تھا کہ گھنے اندھیرے سے بھی کبریا کی شان کبریائی کی فرشتے تسبیح و تہلیل کر رہے تھے۔ اس کے کمال تخلیق کی تعریف و توصیف کر رہے تھے۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ

(لقمان ۲۷)

اور جتنے درخت زمین بھر میں ہیں اگر وہ سب قلم بن جائیں اور یہ جو سمندر ہیں ان کے علاوہ سات سمندر اور ہو جائیں تو بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہو سکتیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔

ساتواں آسمان

چھٹے آسمان سے عروج کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمان پر پہنچے۔

اس آسمان کا دربان روحائیل ہے۔ رسولِ مقبولؐ ان فرشتوں کے قریب آئے جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول تھے۔ ان میں رسول مقبولؐ نے ایک بہت بڑا فرشتہ دیکھا۔

اس کے بے شمار بال و پر تھے۔ جیسے درخت میں شاخیں اور شاخوں میں پتے۔ اور ہر روز وہ نہر النور میں جو کہ بہشت کی ایک نہر ہے۔ سات سو مرتبہ غوطہ مار کر غسل کرتا ہے اور باہر آ کر اپنے بال و پر جھاڑتا اور جہاں جہاں پانی کی بوند گرتی ایک فرشتہ پیدا ہو جاتا ہے یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

یہاں سے عروج کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عظیم الشان فرشتہ دیکھا۔ بڑی عظمت و جلال والا۔ اس کا ایک بازو مشرق میں تھا اور دوسرا مغرب میں اور فرشتوں کا ایک لشکر اس کے ماتحت تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریلؑ سے پوچھا "یہ کون ہے"؟

حضرت جبریلؑ نے جواب دیا۔

"یہ اسرافیل صاحبِ صور ہے۔ جس دن یہ صور پھونکے گا قیامت آئے گی"۔

رسولِ مقبول کو دیکھ کر اسرافیل ادب سے اٹھا اور جھکتے ہوئے کہا۔

مرحبا مرحبا رسولِ عربیؐ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم"۔

یہاں سے عروج کیا تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ میں داخل ہو گئے۔

Marfat.com

سدرۃ المنتہیٰ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سدرۃ المنتہیٰ ایک درخت ہے جس کا تنا زرِ سرخ کا ہے۔ بعض شاخیں مروارید کی اور بعض زمرد و یاقوت کی۔ اور اتنا اونچا ہے کہ اگر اس کی چوٹی تک پہنچنا چاہو تو پچاس ہزار سال کا راستہ طے کرنا پڑے۔ پتے اس کے ہاتھی کے کانوں کی طرح اور پھل اس کا مثل مٹکے کے۔ اللہ تعالیٰ کے نور نے اس درخت کو ڈھانپا ہوا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے آس پاس انوارِ قدسیہ پروانوں کی طرح منڈلاتے اور فرشتوں کے ہجوم دیکھے اور اس کے پتے ستاروں کی طرح جھلملا رہے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک محراب نظر آئی۔ جس پر لکھا تھا۔

*

محراب جبرائیل

*

مقام جبرائیل

اس محراب کے سامنے ایک کرسی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی رکھی ہوئی تھی جس پر سوائے آپ کے کسی کو بیٹھنے کی مجال نہیں تھی۔

اس کرسی سے آگے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار کرسیاں سفید مروارید کی بنی ہوئی دیکھیں جن پر الہامی کتاب توراۃ رقم تھی۔ اور ہر کرسی کے گرد چالیس ہزار فرشتے کھڑے

توریت پڑھ رہے تھے اور دوسری طرف دس ہزار کرسیاں مروارید و زمرد کی رکھی ہوئی تھی جن پر انجیل جلیل لکھی ہوئی تھی اور ہر کرسی کے گرد تیس ہزار فرشتے کھڑے ہوئے تھے، وہ انجیل پڑھ رہے تھے۔

اور تیسری طرف دس ہزار کرسیاں سرخ یاقوت کی بنی ہوئی تھیں جن پر زبور لکھی ہوئی تھی اور ہر کرسی کے گرد چالیس ہزار فرشتے کھڑے زبور کا پاٹ کا کر رہے تھے اور چوتھی طرف دس ہزار کرسیاں یاقوت رمانی کی بنی ہوئی تھیں اور ان پر قرآن مجید لکھا ہوا تھا اور چالیس ہزار فرشتے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔

کرسی سے مراد یہاں لوح ہے۔ اس مقام پر چار الواح ربانیہ و جلیلہ انوارِ الٰہیہ میں آویزاں وایستادہ تھیں اور ملائکہ غول در غول یہاں ان کی تلاوت کر رہے تھے۔

حضرت جبریلؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ" مجھ کو آپ سے ایک حاجت ہے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"کہیے کیا حاجت ہے؟"

حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا۔

"میرے اس مقام پہ دو رکعت نماز پڑھیں تاکہ یہ جگہ اور بابرکت ہو جائے"۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کی درخواست قبول فرمائی۔ دو رکعت نماز ادا کی اور سدرۃ المنتہیٰ کے تمام فرشتوں نے اقتدا کی۔

اسی درخت کی جڑ سے رسولِ مقبول نے چار نہریں نکلتی دیکھیں۔ دو ظاہر اور دو پوشیدہ تھیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تو جبریلؑ نے بتایا کہ یہ پوشیدہ نہریں بہشت بریں میں ہیں۔ اور جو ظاہر ہیں یہ دونوں دنیا میں جاتی ہیں۔ ایک دریائے نیل اور دوسری دریائے فرات ہے۔ ان کے علاوہ رسولِ مقبولؐ نے ایک نہر دیکھی جس کے کناروں پہ یاقوت

Marfat.com

پہیے موتی اور زمرد کے کوزے رکھے تھے جن کی گردنیں اونٹ کی طرح تھیں۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ یہ نہر کوثر ہے جو اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو عنایت فرمائی ہے۔

"بے شک عطا کی ہم نے آپؐ کو حوض کوثر۔"

اس نہر کا پانی دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ رسولِ مقبولؐ نے ایک کوزہ بھر کر پیا۔ پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک و عنبر سے زیادہ خوشبودار تھا۔

اس درخت کی جڑ سے ایک اور چشمہ جاری تھا اس کو سلسبیل کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سے عروج کیا تو لوگوں کا ایک ایسا گروہ دیکھا جن میں سے کچھ تو ایسے تھے جن کا منہ سفید تھا اور کچھ ایسے تھے جن کے چہروں کا رنگ متغیر تھا۔ جب انہوں نے اس چشمے میں آکر غسل کیا تو ان کے منہ سفید ہو گئے۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول مقبول کو بتایا کہ یہ آپؐ کی امت کا وہ گروہ ہے جن کے اعمال و افعال برے تھے پھر انہوں نے توبہ کی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ یہ نہر استغفار ہے۔

اس کے بعد حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین ظروف پیش کیے گئے۔ ایک میں دودھ، دوسرے میں شہد اور تیسرے میں شراب تھی۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پسند فرمایا اور پی لیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپؐ نے دین فطرت یعنی دین اسلام پسند فرمایا۔

یہ امر دو مرتبہ رسول مقبولؐ کو پیش آیا۔ پہلی مرتبہ بیت المقدس کی راہ میں اور دوسری بار مقام سدرۃ المنتہیٰ میں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ میں ایک بڑی ہی عظمت والا فرشتہ دیکھا۔ جس کے طول و عرض کے برابر کوئی فرشتہ نہیں تھا۔ اس کی بے شمار زلفیں تھیں۔ جن میں موتی

Marfat.com

پردے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے ہر موتی سے ایک دریا جاری تھا۔ اور ہر دریا میں بڑی بڑی مچھلیاں تیر رہی تھیں اور ہر مچھلی کی پشت پر لکھا تھا۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

اور وہ فرشتہ ایک ہاتھ سر پر اور دوسرا پشت پر رکھے ہوئے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہا تھا اور اس کی آواز سے رہ رہ کر عرش مجید میں زلزلہ سا آ جاتا تھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول مقبول کو بتایا۔

"اس فرشتے کو اللہ تعالیٰ جل جلالہ و عم نوالہ نے حضرت آدمؑ سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا۔ بہشت میں عرش کی دائیں طرف ایک مرغزار ہے جو اس کے ٹھہرنے کا مقام ہے۔ اب وہاں سے اس کو آپؐ کے استقبال اور زیارت کے لیے لائے ہیں اور یہ اپنی تسبیح میں مشغول ہے۔"

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے السلام علیکم کہا لیکن وہ فرشتہ تسبیح و تہلیل میں اس قدر منہمک و مستغرق تھا کہ انہماک و استغراق کی وجہ سے حضورؐ کی آواز نہ سن سکا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی اطلاع دی تو وہ اٹھا اور رسولِ مقبول کی تعظیم کے لیے اپنے بال کھول دیے۔ تو ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اس میں چھپ گئیں وہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بغل گیر ہوا۔ پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور عرض کیا۔

"یا رسول اللہؐ! آپ کو بشارت ہو کہ حق تعالیٰ نے آپؐ کو اور آپؐ کی اُمت کو ماہِ رمضان کی برکت سے نوازا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور حضور نے دیکھا کہ اس فرشتے کے سامنے صندوق رکھے ہوئے ہیں۔ جن پر ستر ہزار نور کے قفل پڑے ہیں۔ حضورؐ نے جبریلؑ امین سے پوچھا۔

"ان صندوقوں میں کیا ہے؟"

Marfat.com

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا۔

"ان میں آپؐ کی امت کی نمازوں اور روزوں کا ثواب بند ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سے عروج کیا تو ایک اور فرشتہ دیکھا جس کا رنگ سچے موتی سے زیادہ سفید تھا۔ وہ ایک نورانی چبوترے پر بیٹھا تھا۔ اس کے پروں کا کچھ حصہ سونے کا تھا کچھ چاندی کا۔ کچھ لعل و یاقوت اور کچھ سبز زمرد و مروارید کا۔ کچھ مشک و عنبر اور کچھ زعفران کا۔ وہ فرشتہ بڑا قد آور تھا۔ اُس کے سر پر سنہرا تاج تھا۔ جس پر لکھا تھا۔

لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپؐ کو الوداع کہتا ہوں۔ میں اس مقام سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اگر میں بال برابر بھی یہاں سے آگے بڑھا تو خدا کے ڈر سے میرے پر جل جائیں گے۔"

*

لو دنوت لاحترقت

*

(بحوالہ تفسیر قمی سفینۃ البحار ج ۱ صفحہ ۱)

حضور اکرمؐ نے ہاتھ بڑھا کر حضرت جبرئیلؑ کا ہاتھ پکڑ لیا اور ان کو ساتھ لے کر چند قدم آگے بڑھے جب کہ حضرت جبرئیلؑ خدائے پاک کے جلال و جمال سے کانپ رہے تھے اور ڈر سے سمٹ رہے تھے۔ حضورؐ نے جبرئیلؑ امین کو یہاں سے رخصت کیا تو وہ واپس اپنے مقام پر لوٹ گئے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا براق بھی اسی مقام پر پہنچ کر رہ گیا تھا۔ اب آپؐ رفرف

کے حجاب قدسیہ کے سامنے تھے۔ زرلفت کا ایک پردۂ نور حدِ نظر تک پھیلا ہوا تھا۔
ایکا ایکی وہ پردہ ہلنے لگا تو حضرت میکائیلؑ یہ کہتے ہوئے حجاب سے ہویدا ہوئے۔

"اللہ اکبر۔ اللہ اکبر"

"اللہ بڑی شان والا۔ اللہ بڑی شان والا"

حضرت میکائیل علیہ السلام خاموش ہو گئے تو پس حجاب یہ آواز آئی۔

"میرے بندے نے سچ کہا۔ میں بہت بزرگ ہوں۔ میں بہت بزرگ ہوں۔"

اس آواز میں اتنی گھن گرج اور ہیبت و جلال تھا کہ عرش بریں لرز لرز گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہی آواز پھر بلند ہوئی۔

"بلایا میں نے اپنے بندے کو اپنی طرف۔ اُس خیر کی طرف جو میری ملک ہے"

اسی اثنا میں سبز رف رف یعنی نورانی تخت ظاہر ہوا۔ حضرت میکائیل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر بٹھا دیا تو رف رف اڑنے لگا جب کہ میکائیلؑ بھی اس کے ساتھ ساتھ پرواز کر رہے تھے۔

عروج کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سایہ عرش تک پہنچ گئے تو رف رف بھی یہاں سے آگے نہ بڑھ سکا۔ حضرت میکائیل علیہ السلام نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہؐ! اب میری خدمت کا وقت آگیا ہے"

یہ کہتے ہوئے میکائیلؑ نے اپنے دونوں پر پھیلا دیے۔ عرض کیا۔

"قدم رنجہ فرمائیں حضور"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میکائیل علیہ السلام کے پروں پر قدم رکھا اور وہ پھر پرواز کرنے لگے۔

آگ کے کئی دریاؤں پر سے گزرے۔ اس کے بعد پھر کئی حجابات قدسیہ آئے جو ہر ایک پانچ سو سالہ فاصلے پر تھا۔ اور اس قدر چوڑا تھا۔

Marfat.com

وہ حجابات قدسیہ بھی حضرت میکائیل علیہ السلام نے طے کیے۔ اس کے بعد اور بھی کئی حجابات پر اسرار و پر انوار سامنے آئے جو اسی قدر فاصلہ و چوڑائی کے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میکائیل کو دیکھا کہ وہ تھک گئے تھے۔ قوتِ پرواز اور رفتارِ پرواز وہ نہ رہی تھی جو پہلے تھی۔ انہوں نے حضورؐ کو اس مقامِ جبروت و جلال پر اتار دیا معذرت چاہی اور پیچھے لوٹ گئے۔

اب حضرت اسرافیل علیہ السلام نمودار ہوئے۔ تعظیم بجالائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پروں پر بٹھایا۔ پرواز کرنے لگے اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حجاباتِ عجیب و غریب میں لے گئے جن کی موٹائی ہزار سالہ راہ کے برابر تھی۔ پھر آگے اور کئی دریا راستے میں آئے جن میں سے ستر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گنے جو کہ ہر ایک ہماری اس دنیا کے برابر تھا۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام رہ رہ کر اپنے پروں کو حرکت دیتے ہوئے ان حجابوں سے گزر رہے تھے حتیٰ کہ حجابِ قدرت ظاہر ہوا۔ حجابِ قدرت!

حضرت اسرافیلؑ اس میں سے بھی گزر گئے لیکن حجابِ عظمت میں پہنچ کر آگے نہ بڑھ سکے اور اپنی عاجزی و بیچارگی کا ذکر کرتے ہوئے حضورؐ کو اسی حجاب میں چھوڑ کر یہاں سے واپس ہو گئے۔

یہاں پھر ایک رف رف ظاہر ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بیٹھ کر ساقِ عرش تک پہنچے۔ عرش وہ مقام ہے جہاں خالقِ ارض و سماوات، مالک کل کائنات متمکن و رونق افروز ہیں۔ عرش کی اتنی بڑی وسعت بتائی گئی ہے کہ آسمان و زمین پر محیط و بسیط ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ (۲-۲۵۵)

اللہ کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو اپنے احاطہ میں لے رکھا ہے۔

یہاں کرسی کے معنی عرش کے ہیں۔

اس مقام پر بہت سے حجابات حضورؐ پر نور کے سامنے آئے اور پھر ان کے علاوہ

Marfat.com

ستر ہزار سونے کے پردے تھے، ستر ہزار چاندی کے پردے، ستر ہزار مروارید کے، ستر ہزار زمرد کے، ستر ہزار یاقوت کے، ستر ہزار نور کے، ستر ہزار ظلمت کے، ستر ہزار پانی کے اور ستر ہزار آگ کے پردے آئے۔

(بحوالہ سفینۃ البحار ــــ)

(ــــ شرح عقائد نسفی)

رفرف نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھ جھپکنے میں ان حجابوں سے پار کر دیا تو حجابوں کا ایک اور عظیم الشان سلسلہ شروع ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ستر ہزار حجابات قدسیہ کی سیاحت کی۔ ہر حجاب میں ستر ہزار زنجیریں دیکھیں اور ہر زنجیر ستر ہزار فرشتوں کی گردن پر رکھی تھی اور ان میں سے ہر فرشتہ اتنا بڑا تھا کہ اس کے ایک کندھے سے دوسرے کندھے تک ستر سال کی مسافت کا راستہ تھا۔

ان میں سے کچھ حجابات مرواریدی، کچھ یاقوتی اور کچھ دیگر جواہرات کے تھے اور ہر حجاب پر ایک فرشتہ متعین تھا اور ان میں سے ہر فرشتے کے تابع ستر ہزار فرشتے تھے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو رفرف نے ان تمام حجابات سے آگے پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ حضورؐ اور عرش معلیٰ کے درمیان صرف ایک حجاب رہ گیا۔

امام الانبیاء نے دیکھا کہ رفرف قدموں تلے سے غائب ہو چکا تھا اور ایک نئی صورت گھوڑے کے مانند جو مروارید سفید کی تھی اور جس کے منہ سے نور ٹپک رہا تھا۔ تسبیح کرتے ہوئے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھایا اور لے چلی اور اس حجاب سے گزار کر عرش معلیٰ تک پہنچا دیا۔

جب امام الانبیاء حجاب کبریائی میں پہنچے تو دیکھا کہ سواری گم ہو چکی تھی اور اب

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی سواری نہ تھی جو آپؐ کو اٹھا سکے۔ آپؐ نور ہی نور میں تنہا تھے کہ اچانک ندا آئی۔

"اے میرے حبیب آگے آؤ"

امام انبیاء نے دیکھا تو حجاب کبریائی سے گزر چکے تھے۔ اتنے میں وہی آواز پھر سنائی دی۔

اُدْنُ مِنِّی

"میرے حبیب میرے قریب آؤ ـــــ اور قریب ـــــ اور قریب اور قریب"

امام الانبیاء اس آواز پر قدم قدم آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور ہر قدم پر حضورؐ نے اتنا فاصلہ محسوس کیا جتنا کہ اُس وقت زمین سے لے کر اُس مقام تک تھا۔

اتنا دور ـــــ اور پھر اتنا قریب ـــــ جتنا ایک قدم سے دوسرے قدم تک کا فاصلہ ـــــ امام الانبیاء نے کئی بار وہی آواز سُنی۔

اُدْنُ مِنِّی

اور ہر بار امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اسی قدر فاصلہ طے کرتے گئے۔ یہاں تک کہ مقام "دنی" میں اور پھر وہاں سے اسی مقام کے ایک اور درجے "دنیٰ فتدلی" میں ترقی کر کے پہنچے اور وہاں سے خلوت خانہ فکان قاب قوسین او ادنیٰ میں پہنچ کر محرم اسرار ہوئے۔

Marfat.com

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمدؐ اپنے پروردگار کے قریب ہوتے یہاں تک کہ خدا اور اُس کے حبیب کے درمیان بہ مقدار کمان کا فاصلہ رہ گیا اور پھر امام نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے اسی پر اکتفا نہ کیا اور اپنے حبیب سے کہا۔

❋

"اوادنیٰ"

❋

"اس سے بھی زیادہ قریب ہو جاؤ میرے حبیب"

Marfat.com

قاب قوسین

امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت قاب قوسین میں تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اتنے قریب جیسے دو کمانوں کے گوشے آپس میں ملے ہوئے ہوں۔

تمام حجابات اٹھ گئے تھے۔ قربت کا یہ دائرہ باہم ملی ہوئی دو قوسیں بن گیا تھا۔ دو کمان جو آپس میں ملے ہوئے ہوں اور بعض صاحبِ علم یہ کہتے ہیں کہ قاب قوسین سے دونوں ابروؤں کی طرف اشارہ ہے جو آنکھ کی سیاہی کو اس کی سفیدی کے ساتھ حاصل ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ خداوندی سے اس قدر قریب ہوئے جس قدر دونوں ابروؤں کا فاصلہ ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب جیسا کہ آنکھ کی سیاہی کو سفیدی سے قرب ہے۔ غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مقام پر پہنچے جسے قاب قوسین کہتے ہیں جہاں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے جمال وجلال خداوندی کا نظارہ کیا۔

آواز آئی۔ خدا نے اپنے محبوب سے کہا۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعظیم سے جھکتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ

جب فرشتوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مرتبہ دیکھا تو سب نے یکبارگی یک زبان ہو کر عالم ملکوت وجبروت میں دھوم مچا دی۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سلام میں اپنی امت کو بھی شریک کر لیا۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اے حبیب! جب تم نے اپنی امت کو ہمارے سلام سے بہرہ مند اور معزز کیا تو ہم بھی تم کو ایک خاص انعام سے معزز فرماتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ تمہاری دنیا کی زندگی میں اور تمہارے وصال کے بعد ہم تمہاری اُمت کے لیے ایک رات بالکل اسی شب معراج کے مشابہ کرتے ہیں اور وہ شب، شب قدر ہے اور وہ شب بہتر ہے ہزار مہینوں سے اور اس شب میں ہم آپؐ کی امت کا پاس کرتے ہوئے اُس کے ہر فرد پر سلامتی نازل فرماتے ہیں۔"

اس کے بعد خدا اور اس کے حبیب کے درمیان جو باتیں ہوئیں ان میں سے بہت سی باتوں کو تو پوشیدہ رکھا گیا ہے اور جو باتیں پوشیدہ نہ رکھی گئیں۔ ان کا تذکرہ جمیل یوں ہے کہ بارگاہ خداوندی سے ارشاد ہوا۔

"اے محمدؐ! میں ہوں اور تم ہو اور میرے تمہارے سوا جو کچھ ہے وہ سب تمہارے لیے ہے۔"

اور پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

"اے محمدؐ! ہم نے تمہاری امت کو مال اس واسطے زیادہ نہیں دیا کہ تمہاری امت کا حساب طول نہ پکڑے اور ہم نے ان کی عمروں کو دراز نہیں کیا کہ ان کے دل سخت نہ ہو جائیں اور ہم ان کو مرگ مفاجات میں ہلاک نہیں کریں گے تاکہ بغیر توبہ کیے دنیا سے نہ جائیں اور ان کو سب سے پیچھے آخری زمانہ میں پیدا کیا تاکہ ان کو قبروں میں زیادہ نہ ٹھہرنا پڑے۔"

سیدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے فرمایا۔

"میں نے بارگاہِ ایزدی میں درخواست کی کہ میری تمام امت بخش دی جائے تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا کہ ایک تہائی امت تو ہم نے اب تم کو بخش دی اور باقی دو تہائی قیامت کے روز بخش دی جائے گی۔"

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔

"اے ہمارے حبیب کیا چاہتے ہو"؟

اور حضورؐ نے عرض کیا۔

"اللہ تعالیٰ میں اپنی امت کی بخشش چاہتا ہوں"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اچھا ہم نے تمہاری امت کے ستر ہزار آدمی بخشے۔ اور کیا چاہتے ہو"

حضورؐ نے پھر وہی عرض کیا۔

"امت"

حکم ہوا۔

"ستر ہزار اور بخشے اب اور کیا چاہتے ہو"؟

حضورؐ نے پھر وہی عرض کیا۔

راوی کہتا ہے بارگاہ خداوندی سے سات سو بار یہی خطاب ہوتا رہا کہ اور کیا چاہتے ہو اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہی عرض کرتے رہے کہ امت۔ آخر حکم ہوا کہ اے محمدؐ یہ عرض کب تک پیش کرتے رہو گے اور حضورؐ نے عرض کیا۔

"خداوند! طلب گار اور مانگنے والا میں ہوں اور بخشنے والے آپ ہیں خواہ کچھ ہی مانگوں"

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"ایک حصہ تو ابھی آپ کو بخش دیا باقی دو حصے میں نے وقف رکھ چھوڑے ہیں تاکہ قیامت کے دن آپ مانگیں میں بخشوں گا۔ حتیٰ کہ میری رحمت ظاہر ہو جائے اور آپ کی عزت و عظمت نمایاں ہو۔"

ایک اور روایت ہے کہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"معراج کی رات میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری امت کا قیامت کے دن حساب میرا میرے حوالہ کر دیا جائے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اے محمدؐ! اس سے آپ کو کیا غرض ہے"؟

حضورؐ نے عرض کیا۔

"خداوندا! میری خواہش ہے کہ میری امتی قیامت میں رسوا نہ ہوں۔"

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔

"میرے حبیب! میں تمہاری امت کا حساب ایسے طریقے سے لوں گا کہ تم کو بھی ان کے گناہوں کی خبر نہ ہو گی۔

پس جب میں ان کے گناہوں کو آپؐ کی نظروں سے بھی چھپانا چاہتا ہوں تو دنیا کی نظروں سے کیوں نہ چھپاؤں گا۔"

امیر المومنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں کلمات میں ایک بات دریافت کی تو آپؐ نے فرمایا۔

"اے علی! اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ اے محمدؐ پہلی امتیں گناہ کرتی تھیں تو میں اُن پر عذاب نازل کرتا تھا اور ان کو زمین میں دھنسا دیتا تھا مگر تمہاری قوم گناہ کرتی ہے تو میں اس کی پردہ پوشی کرتا ہوں۔ پہلی امتوں کی شامت اعمال کی وجہ سے میں ان کی صورتیں

Marfat.com

بدل دیتا تھا جیسا کہ حضرت داؤدؑ اور حضرت موسیٰ کی امتوں سے کیا لیکن تمہاری قوم کے معاملے میں میں ایسا نہیں کرتا۔ میں اس کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہوں۔ پہلے اگر کوئی قوم گناہ کرتی تھی تو میں اُن پر پتھر برساتا تھا۔ جیسا کہ حضرت لوط کی قوم کے ساتھ ہوا لیکن تمہاری قوم گناہ کرتی ہے تو میں اس پر رحمت کا مینہ برساتا ہوں۔"

سیدہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ وہ پوشیدہ باتیں کیا تھیں جو آپؐ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوئیں۔

فرمایا ——— "میری امت کی طرف سے شکایت تھی۔ فرمایا اے محمدؐ میں بندوں کے رزق کا ضامن ہوں۔ لیکن تمہاری امت میری ضامنی پر بھروسا نہیں رکھتی۔ میں نے بہشت تمہارے دوستوں کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور تمہاری امت بہشت کی طرف راغب نہیں ہوتی۔ میں نے دوزخ تمہارے دشمنوں کے لیے پیدا کیا ہے، جب کہ تمہاری امت دوزخ میں جانے کی کوشش کرتی ہے۔ میں ان کو روزی دیتا ہوں لیکن وہ میرے شکر گزار نہیں ہوتے۔ میرے فرشتے ہر وقت ان کے برے اور ناپسندیدہ اعمال میرے سامنے پیش کرتے ہیں اور میں ان کی کوئی شکایت نہیں کرتا اور اگر کوئی مصیبت ان پر ڈال دیتا ہوں تو وہ ہر وقت خلقت کے سامنے میری شکایت اور ناشکری کرتے رہتے ہیں۔

رسول اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ اے محمدؐ اپنے قدم نیچے کرو۔ میں نے اپنے پاؤں نیچے کیے تو ایسا معلوم ہوا کہ کوئی چیز میرے قدموں تک پہنچ کر پھر دور ہو گئی ہے میں نے عرض کیا کہ یا الٰہی یہ کیا چیز تھی کہ میرے قدم چھو کر پھر دور ہو گئی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ غم و دوری تھی جو میں نے اپنے اور تمہارے درمیان سے دور کر دی ہے۔ تمہاری ذات عرش مجید سے بھی وس گنا زیادہ بزرگ و برتر ہے۔ عرشِ مجید کو یہ رتبہ تمہاری وجہ سے ہی ملا ہے۔ تمہارے آنے سے اس کے بھاگ جاگ گئے ہیں۔ تمہارے قدموں کی خاک مجھے عرش بریں سے زیادہ عزیز ہے۔ تم نے میرا مہمان بننے ہوئے عرش کو جو عزت بخشی ہے

Marfat.com

اس پر یہ نازاں ہے اور ہمیشہ رہے گا۔"

سیدہ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باندی جناب فضہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا۔

"یارسول اللہؐ! معراج کی باتوں میں سے کوئی بات مجھے بھی بتائیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے فضہؓ! وہ بھید کی باتیں ہیں ان کا پوشیدہ رہنا ہی بہتر ہے۔"

وہ بھید کی باتیں کیا تھیں انہیں کوئی نہیں جانتا۔ بہر حال خدا اور اس کے حبیب کے درمیان جو باتیں ہوئیں اہل اشارات ان کا بیان کچھ اس طرح کرتے ہیں۔

رسولِ مقبولؐ نے اللہ تعالیٰ سے کہا۔

"الٰہی جبریل علیہ السلام کو تو نے چھ ہزار پر بخشے۔ اس کے مقابلہ میں مجھے کیا دیا؟"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"میرے حبیب! تمہارے جسمِ اقدس میں میں نے چھ ہزار تارمو پیدا کیے۔ تمہارا ایک تارمو میرے نزدیک جبریل کے چھ لاکھ تارمو سے بہتر ہے۔ تمہارے ہر بال کے بدلے چھ چھ لاکھ گنہ گار قیامت کے روز دوزخ کی آگ سے آزاد کروں گا۔ جب جبریل اپنے بازو کھولتا ہے قاف سے قاف تک کو گھیر لیتا ہے لیکن قیامت کے دن جب تم شفاعت کے گیسو پھیلاؤ گے تو تمہاری گنہ گار امت تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا۔

"یا الٰہی! حضرت آدم علیہ السلام کو تو نے مسجودِ ملائک بنایا مگر مجھے اس کے مقابلے میں کیا دیا؟"

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔

Marfat.com

"میرے حبیب! وہ سجدہ آدم علیہ السلام کو بھی تمہارے واسطے ہی تھا کیونکہ تمہارا ہی نور حضرت آدمؑ کی پیشانی میں جلوہ گر تھا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا۔

"یا الٰہی! حضرت آدمؑ کو تو نے بہشت میں پیدا کیا۔"

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

"بے شک میں نے آدم علیہ السلام کو بہشت میں پیدا کیا لیکن پھر واپس باہر نکالا لیکن تمہیں اور تمہاری امت کو ایسا بہشت میں داخل کروں گا کہ پھر ہرگز باہر نہ نکالوں گا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے اللہ! تو نے آدم علیہ السلام کو اپنی قدرت سے پیدا کیا اور فرشتوں کو اس کے سجدہ کا حکم دیا۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اے میرے حبیب! میں نے تمہیں اس لیے بنایا کہ تمہارا نام اپنے نام کے ساتھ ملایا۔ اور عرش عظیم پر اس کو ثبت کیا۔ آدم کے پیدا ہونے سے ہزار سال پہلے میں نے تمہاری ذات کو فرشتوں سے شناسا کیا۔ ابھی آدم کا نام و نشان بھی نہ تھا کہ تمہارا نام آسمانوں کے دروازوں پر ثبت کیا۔ اور تمام جنت میں کوئی چیز ایسی نہیں جس پر تمہارا نام نہیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"یا الٰہی تو نے میرے بھائی ادریس کو مکان علیا دیا اور مجھے اس کے مقابلے میں کیا دیا؟"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"میرے حبیب! میں نے تمہارے ساتھ اس سے بہتر سلوک کیا۔ تمہیں عرش مجید پر بلایا۔ مقام قاب قوسین او ادنیٰ تک پہنچایا۔ میں نے تم کو موت و حیات کی قید سے آزاد کر دیا

اور یہ دولت اس معرفت سے جو کہ میں نے ادریس کو دی بہتر ہے۔ اس کو تو میں نے بدن سے ہی اٹھایا اور تمہیں ذکر سے۔ اور پھر ادریس نے جب تک موت کا مزا نہ چکھا بہشت میں نہ آیا۔ اور تم زندہ بہشت میں آئے ہو اور بس اتنے عرصے میں کہ تم آنکھیں بند کرو اور کھولو تم نے ہمارا جمال دیکھا۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"یا الٰہی نوح کو تو نے کشتی دی۔ جس نے اتنے بڑے طوفان میں نوح اور جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے ان کی حفاظت کی۔ اور اس کے مقابلے میں مجھے کیا دیا؟"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"میرے حبیب! میں نے تمہیں براق دیا جس پر مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر زمین سے لوح و قلم تک تم کو سیر کرائی اور تمہاری امت کو میں نے مسجدیں دیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا۔ نیکوں اور بدکاروں کو پل صراط پر سے گزرنے کا حکم ہوگا اور آگ کا دریا جوش میں آئے گا تو مسجدیں تمہاری امت کے لوگوں کو اپنے میں سوار کر کے آگ کے دریا کے پار اتاریں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے خدا! تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود کی آگ سے سلامت بچا لیا۔ آگ کو ان پر گلزار بنا دیا۔ اس کے مقابلے میں مجھے کیا دیا؟"

اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا۔

"میں نے دوزخ کی آگ کو نہ صرف تم پر بلکہ تمہاری امت پر بھی حرام کیا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"خداوند! حضرت اسماعیلؑ کے واسطے تو نے قربانی بھیجی مگر اس کے مقابلے میں میرے واسطے کیا کیا؟"

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"یہود و نصاریٰ کو تمہاری امت کے فدیہ میں دوزخ میں ڈالوں گا"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"اللہ تعالیٰ! حضرت صالح کو تو نے ناقہ دی مجھے کیا عنایت کیا؟"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"میں نے تمہیں مدینہ دیا۔ قرآن دیا تمہارے امتیوں کے دل میں تمہاری محبت ڈالی کہ تمہیں صالح کی اونٹنی سے بہتر جانیں"

حضورؐ نے فرمایا۔

"اے باری تعالیٰ! حضرت لوط کو اس اندھیری رات میں امت کی مشقت سے نجات دی مگر مجھے کیا عطا کیا؟"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"تمہیں اس اندھیری رات میں غار کے اندھیرے میں نابکار قوم کے شر سے محفوظ کیا اور اس سے بہتر نجات کرامت دی"

حضورؐ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ! تو نے میرے بھائی ہود علیہ السلام کو ایسی ہوا عطا کی جو کافروں کو ہلاک کرتی تھی اور مومنوں کے واسطے رحمت کا باعث تھی۔ مجھے اس کے مقابلے میں کیا عطا کیا؟"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"تمہاری امت کے واسطے اس سے بہتر ہوگا۔ جب خلقت پل صراط سے گزرے گی تو ایسی ہوا دوزخ کے قعر سے چلاؤں گا جو اوروں کو قعر میں گراتے گی اور تمہاری اُمت کو پیچھے سے دھکیل کر دوزخ پر سے اتنی جلدی گزار کرے جائے گی کہ تمہاری امت کا

Marfat.com

بال بیکا نہ ہوگا۔"

حضور نے فرمایا۔

"یا الٰہی! تو نے میرے بھائی موسیٰ کو اپنا کلیم کیا۔"

اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا۔

"موسیٰ کے ساتھ تو میں نے کوہ طور پر باتیں کیں اور تمہارے ساتھ نور کی فراخ چادر پر۔"

حضور نے فرمایا۔

"یا الٰہی۔ میرے بھائی موسیٰ کو تو نے توریت دی مجھے کیا دیا۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"میں نے تمہیں آیۃ الکرسی بخشی۔"

حضورؐ نے فرمایا۔

"یا الٰہی۔ تو نے حضرت موسیٰ کو ید بیضا دیا۔ دریا پر سے گزارا کہ ان کے پاؤں تک نہ گیلے ہوئے۔ مجھے کیا دیا؟"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"تمہیں اور تمہاری امت کو اس سے بہتر عطا کروں گا۔ روز قیامت کو تمہاری امت کو دوزخ کے آتشیں پر ہول سمندر پر سے اس طرح گزار دوں گا کہ ان کو آنچ تک نہ آئے گی۔"

حضورؐ نے فرمایا۔

"یا الٰہی! تو نے حضرت موسیٰ کو عصا عطا کیا جس نے تمام ساحروں کے سحروں کو باطل کر دیا اور اس میں تو نے ایک ہزار معجزہ رکھا۔ مجھے اس کے مقابلے میں کیا دیا؟"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

Marfat.com

"اے محمدؐ! کل جب تمام گنہ گار خاک سے سر اٹھائیں گے تو اپنے اعمال سے حیران و نادم روتے ہوئے آئیں گے۔ تب تمہارے ہاتھ میں عصائے شفاعت دوں گا جو کہ ایک دم گنہ گار امت کے گناہوں کو مٹا دے گا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ۔ تو نے موسیٰ کو ایسا پتھر دیا کہ اس سے ضرورت کے وقت پانی کے بارہ چشمے جاری ہوتے تھے اور ہر قبیلہ اپنا اپنا علیحدہ چشمہ مقرر کر لیتا تھا۔ اس کے مقابلے میں تو نے مجھے کیا دیا؟"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"تم پر اس نے زیادہ بخشش کی۔ روز قیامت کو جبکہ دربار عدل لگا ہوگا اور کل مخلوق خوف سے پسینے پسینے ہو رہی ہوگی۔ اور پیاس سے اس کا برا حال ہوگا تو میں تمہاری امت کے لیے کوثر، سلسبیل اور شراب طہور کے چشمے جاری کروں گا اور بہشت میں حور و غلمان پیالے بھر بھر کے تمہاری امت کے پاس لائیں گے۔ یہ موسیٰ کے عطیہ سے ہزار درجہ بہتر ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا۔

"یا الٰہی! تو نے حضرت داؤدؑ کو زبور دی مجھے کیا دیا؟"

ارشاد ہوا۔

"میں نے تم پر سورۃ انعام اتاری جس کو زبور سے زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ اگر کوئی ایک دفعہ سورۂ انعام کو پڑھے گا تو گویا اس نے دس بار زبور پڑھی۔"

حضورؐ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ! تو نے داؤد کے ہاتھ میں پتھر موم کیا۔"

ارشاد ہوا۔

"تمہارے دل کو میں نے خلقت کی شفقت و رحمت کے واسطے نرم کیا۔ میں نے داؤدؑ کو

Marfat.com

خلیفہ زمین کہہ کر پکارا اور تم کو بھی اسی خلعت سے مشرف کیا۔"

حضورؐ نے فرمایا۔

"اے اللہ! تو نے سلیمان کو ملک عظیم دیا مجھے کیا دیا؟"

ارشاد ہوا۔

"میں نے تمہیں جنت کی بادشاہی دی۔ صاحب لولاک بنایا۔"

حضورؐ نے فرمایا۔

"تو نے سلیمان کو ایسا تخت عطا کیا جو اڑتا تھا۔ رات دن میں ایک سال کا راستہ طے کر لیتا تھا۔ مجھے اس کے مقابلے میں کیا دیا؟"

ارشاد ہوا۔

"میں نے تمہیں براق، رفرف، میکائیل اور اسرافیل ایسی سواری دی جس نے آنکھ جھپکنے میں تم کو عرشِ اعظم پر پہنچایا۔"

حضورؐ نے فرمایا

"یا اللہ! تو نے خضر کو آبِ حیات کا چشمہ بخشا۔"

ارشاد ہوا۔

"بہشت میں کوثر و سلسبیل میرے حبیب تمہارے ہی لیے ہیں۔"

حضورؐ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ! تو نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دی مجھے کیا دیا؟"

ارشاد ہوا۔

"میں نے تمہیں سورۂ اخلاص سے نوازا جو انجیل سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا۔

"باری تعالیٰ۔ تو نے موسیٰؑ پر من و سلوا اتارا۔"

Marfat.com

ارشاد ہوا۔

"تیری امت کے لیے دین و دنیا کی نعمتیں اتاریں اور بہشت میں اطلس و کم خواب کے خیمے بنائے۔ باغات و قصور بنائے۔ بنی اسرائیل میں سے بہت سوں کی شکل کو ریچھ، سوئر اور بندر کی شکل میں مسخ کر دیا۔ لیکن تمہاری امت کی شکل مسخ نہیں کروں گا۔ میرے حبیب میں نے تمہیں معزز بنا دیا۔ سورۂ فاتحہ سے نوازا۔ جو شخص یہ سورہ پڑھے گا اس پر میں نے دوزخ کی آگ حرام کر دی۔"

حضورؐ نے فرمایا۔

"اے مالک الملک جس طرح تجھے اپنی خدائی پر ناز ہے ویسے ہی مجھے تیرا بندہ ہونے پر ناز ہے۔"

ارشاد ہوا۔

"کیا تمہیں اپنی بندگی پر ناز ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا۔

"بے شک مجھے یہ مقام و مرتبہ بندگی سے حاصل ہوا تو پھر اس پر ناز کیوں نہ کروں تو جس جگہ سے مجھے لایا ہے وہیں فرمایا تھا اسریٰ بعبدہٖ۔ تو نے جس نام سے مجھے پکارا میں اس کو بدل نہیں سکتا۔ تیری ذات پاک اور جلال والی ہے۔ میں بندگی کی وجہ سے باعزت ہوں۔"

اللہ تبارک تعالیٰ نے خوش ہو کر فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان ہاتھ رکھا تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں جہاں کی پوشیدہ اشیاء کی آگاہی ہو گئی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرشتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے فرشتو! اب تم کو ایک شخص مشکلیں حل کرنے والا مل گیا ہے۔ ہر ایک اپنی اپنی

مشکل اس سے بیان کرو۔"

اس پر اسرافیل علیہ السلام آگے آئے اور پوچھا

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کفارات کیا ہیں؟"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"سردی گرمی اور تکلیف میں وضو کامل کرنا۔ جماعت نماز میں پیدل چل کر شریک ہونا اور ہر نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اے میرے بندے تم نے سچ کہا ہے۔"

اس کے بعد حضرت عزرائیل علیہ السلام نے سامنے آکر پوچھا "یا رسول اللہ! بندوں کو ہلاک کرنے والے اعمال کون سے ہیں"؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"نفسی خواہشوں کی پیروی کرنا۔ بخل کرنا۔ تکبر کرنا۔ جھوٹ بولنا۔ گمراہ ہو جانا۔ ظلم کرنا۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اے میرے حبیب تم نے سچ کہا۔"

روایت ہے کہ چار مسئلے تھے کہ جن کے متعلق یہ چاروں فرشتے چار ہزار سال سے بحث کر رہے تھے اور ان کا جواب نہیں جانتے تھے۔ یہاں تک کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں وہاں تشریف لے جا کر اور اللہ تعالیٰ سے اُن کا جواب معلوم کر کے فرشتوں کو ان کی حقیقت حال سے آگاہ کیا۔

جب یہ فرشتے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ پوچھنا تھا پوچھ چکے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اے میرے حبیبؐ! جب آپ نماز پڑھ چکیں تو یہ دعا پڑھا کریں۔

Marfat.com

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الطَّیِّبَاتِ وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاکِیْنَ وَاَنْ تَغْفِرَ لِیْ خَطِیْئَتِیْ وَتَرْحَمَنِیْ وَتَتُوْبَ عَلَیَّ وَاِذَا اَرَدْتَّ فِتْنَۃَ قَوْمٍ فَتَنَّہٗ فَتَوَفَّنِیْ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ۔

خداوندا تحقیق میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اچھے کاموں اور نیک اعمال کا اور برے کاموں کے چھوڑنے اور مسکینوں کی محبت کا اس بات کا کہ تو بخشے میرے گناہ اور مجھ پر رحم کرے اور میری توبہ قبول فرمائے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔

"اے میرے حبیب تم نے میری عبادت تنہائی میں چھپ کر کی ہے۔ اب اپنی امت کی شفاعت کھل کر کرو"

اللہ تعالیٰ کی رحمت و محبت اس وقت جوش میں آ رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔

"اے میرے حبیب! میں نے تمہاری امت کو مال اس لیے نہیں دیا کہ تمہاری امت کا حساب طول نہ پکڑے۔ اے میرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یاد کرنے والے میری مہمانی میں ہیں۔ اور میرا شکر کرنے والے کو زیادتی ہے نعمتوں کی اور میری عبادت کرنے والے میری بخشش میں ہیں۔ میں شکر کرنے والوں کو اپنی رحمت سے ناامید نہیں کروں گا جو توبہ کر کے میری بارگاہ میں جھکتے ہیں تو میں ان کا دوست بن جاتا ہوں۔ ان کے گناہ ان کو بخش دیتا ہوں"

جب حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اے میرے حبیبؐ! اپنے دوستوں کے واسطے ہماری طرف سے تحفہ لیتے جاؤ تاکہ وہ ہر نماز میں اس کو پڑھ کر دولت دستبوسی ابدی سے مشرف ہوں"

Marfat.com

ارشاد ہوا۔

"جب بندہ نماز میں کہتا ہے اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ تو میں کہتا ہوں اے بندے تو نے میری تعریف کی۔ قیامت کے روز تمہاری تعریف کروں گا۔ اور جب بندہ کہتا ہے وَالصَّلَوٰتُ تو میں کہتا ہوں اے بندے میں بھی تم پر درود بھیجتا ہوں۔ اور جب بندہ کہتا ہے وَالطَّیِّبَاتُ تو میں کہتا ہوں۔ میں تم کو پاک کروں گا اور تم کو پاک ہی گھر بھی دوں گا اور جب بندہ کہتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ تو میں کہتا ہوں، میں بھی تم پر سلام بھیجتا ہوں۔ اور جب بندہ کہتا ہے وَبَرَکَاتُہٗ تو میں کہتا ہوں میں تجھ کو برکت دوں گا۔"

جب حضورؐ عرش سے زمین کی طرف چلے تو آپؐ نے سنا کہ تمام فرشتے آپ پر درود و سلام بھیج رہے تھے۔

Marfat.com

معراج سے واپسی

مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک کے سفر کو علمائے دین اسرا اور وہاں سے اوپر
درۃ المنتہیٰ تک کی سیاحت کو معراج کہتے ہیں جو حضرت احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ
یہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت کی وجہ سے ہوئی۔ اور اسلام بھی اللہ اور اُس کے
ول کی اطاعت کا نام ہے۔ آدمی اس وقت تک مسلمان بن ہی نہیں سکتا جب تک کہ اللہ
اُس کے رسول کی اطاعت نہ کرے اور اللہ تبارک و تعالیٰ انسان سے اطاعت کا مطالبہ
سان ہی کی فلاح و بہبود کے لیے کرتا ہے۔ وہ دنیا کے حاکموں کی طرح نہیں ہے۔ دنیا کے
م اپنے فائدے کے لیے لوگوں کو اپنی مرضی کا غلام بنانا چاہتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ تمام فائدوں
ے بے نیاز ہے۔ زمینوں اور آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے اسی کا ہے۔ کل کائنات کے خزانوں
ہی مالک ہے۔ وہ اپنے بندوں سے صرف اس لیے اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے کہ اسے
نے بندوں کی بھلائی منظور ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ جس مخلوق کو اُس نے اشرف المخلوقات
یا ہے وہ شیطان کی غلام بن کر رہے یا کسی انسان کی غلام ہو یا ذلیل ہستیوں کے
منے سر جھکائے۔ وہ نہیں چاہتا کہ جس مخلوق کو اُس نے زمین پر اپنی خلافت دی ہے وہ
الت کی تاریکیوں میں بھٹکتی پھرے۔ اس لیے وہ فرماتا ہے کہ تم ہماری اطاعت کرو۔ ہم نے
نے رسولوں کے ذریعہ سے جو روشنی بھیجی ہے اس کو لے کر چلو۔ پھر تم کو سیدھا راستہ
ا جائے گا۔ اور تم اس راستہ پر چل کر دنیا میں بھی عزت اور آخرت میں بھی عزت
صل کر سکو گے۔

معراج بھی عزت ہی تو تھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔ دین کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت کا سیدھا راستہ جہالت کے ٹیڑھے راستوں سے الگ کر کے صاف صاف دکھا دیا گیا ہے۔ اب تم میں سے جو کوئی جھوٹے خداؤں گمراہ کرنے والے انسانوں کو چھوڑ کر ایک اللہ پر ایمان لے آیا تو اُس نے ایسی مضبو کو تھام لیا جو ٹوٹنے والی نہیں ہے اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ جو ایمان لائے ان کا نگہبان اللہ ہے۔ وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں جاتا ہے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں آپ کی زندگی بے شمار تعلقات سے جکڑی ہو سب سے پہلا تعلق تو آپ کا اپنے جسم کے ساتھ ہے۔ یہ ہاتھ، یہ پاؤں، یہ آنکھیں یہ زبان، یہ دل و دماغ، یہ پیٹ سب آپ کی خدمت کے لیے اللہ نے آپ کو د آپ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ان سے کس طرح کام لیں۔ پیٹ کو کیا کھلائیں؟ ہاتھوں کریں کیا نہ کریں۔ پاؤں کس راستے پر چلائیں اور کس راستے پر نہ چلائیں۔ آنکھ اور کان قسم کا کام لیں اور کس قسم کا نہ لیں۔ زبان کو کن باتوں کے لیے استعمال کریں۔ دل میں خیالات رکھیں۔ دماغ سے کیسی باتیں سوچیں۔ ان سب خادموں سے آپ اچھے لے سکتے ہیں اور برے بھی۔

یہ آپ کو بلند درجے کا انسان بھی بنا لیتے ہیں اور جانوروں سے بھی بدتر د پہنچا سکتے ہیں۔ پھر آپ کے تعلقات اپنے گھر کے لوگوں سے بھی ہیں۔ باپ، ما بھائی اور دوسرے رشتہ دار ہیں جن سے آپ کا رات دن کا تعلق ہے۔ یہاں آ یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ان سے آپ کس طرح برتاؤ کریں۔ ان پر آپ کے حقوق پر ان کے کیا حقوق؟

ان کے ساتھ ٹھیک ٹھیک برتاؤ کرنے پر ہی دنیا اور آخرت میں آپ

Marfat.com

کامیابی کا انحصار ہے۔ اگر آپ غلط ۔۔۔ کریں گے تو دنیا کو اپنے لیے جہنم بنالیں گے اور ہی میں نہیں بلکہ آخرت میں خدا کے سامنے بھی سخت جوابدہی آپ کو کرنا ہو گی۔

پھر آپ کے تعلقات دنیا کے بے شمار لوگوں سے ہیں۔ کچھ لوگ آپ کے ہمسائے ۔ کچھ آپ کے دوست ہیں اور کچھ آپ کے دشمن ہیں۔ بہت سے وہ لوگ بھی ہیں جن پ خدمت کرتے ہیں۔ کسی سے آپ کو کچھ لینا ہے۔ کسی کو کچھ دینا ہے۔ کوئی آپ پر وسا کر کے اپنے کام آپ کے سپرد کر دیتا ہے۔ کوئی آپ کا حاکم ہے اور کسی کے حاکم ہیں۔ غرضیکہ اتنے آدمیوں کے ساتھ آپ کو دن رات کسی نہ کسی قسم کا معاملہ پیش ہے۔ جن کا آپ شمار نہیں کر سکتے۔ دنیا میں آپ کی مسرت، آپ کی کامیابی، آپ کی عزت یک نامی کا انحصار اس پر ہے کہ یہ سارے تعلقات جو میں نے آپ کے سامنے ۔کیے ہیں صحیح اور درست ہوں۔ اسی طرح آخرت میں خدا کے ہاں بھی آپ صرف اسی ت سرخرو ہو سکتے ہیں کہ جب اپنے مالک کے سامنے حاضر ہوں تو اس حال میں نہ ہوں ی کا حق آپ نے مار رکھا ہو۔ کوئی آپ کے خلاف وہاں نالش کرے۔ کسی کی زندگی ب کرنے کا وبال آپ کے سر پر ہو۔ کسی کی عزت یا جان و مال کو آپ نے ناجائز طور پر مان پہنچایا ہو۔ لہٰذا آپ کو یہ فیصلہ کرنے کی بھی ضرورت ہے کہ ان بے شمار تعلقات رست کس طرح رکھا جائے اور ان کو خراب کرنے والے طریقے کونسے ہیں جن سے یز کیا جائے۔

اب آپ غور کریں کہ اپنے جسم سے، اپنے گھر والوں سے اور دوسرے تمام لوگوں صحیح تعلق رکھنے کے لیے آپ کو ہر ہر قدم پر علم کی روشنی درکار ہے۔ قدم قدم پر آپ کو لوم کرنے کی ضرورت ہے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا۔ حق کیا ہے اور باطل کیا؟ انصاف ہے اور ظلم کیا، کس کا حق آپ پر کتنا ہے اور کس پر آپ کا حق کتنا ہے۔ کس چیز میں حقیقی دہ ہے اور کس چیز میں حقیقی نقصان؟ یہ علم اگر آپ خود اپنے دل کے پاس تلاش کریں

Marfat.com

تو وہاں یہ نہ ملے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آپ دل کے بجائے اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں پر
بھروسا کریں اور اپنی باگ ان کے ہاتھ میں دے دیں کہ جدھر وہ چاہے لے جائے۔ اس
صورت میں یہ خطرہ ہے کہ ایک خود غرض آدمی کہیں آپ کو اپنی خواہشات کا غلام نہ بنا لے
یا ایک جاہل آدمی خود بھی گمراہ ہو اور آپ کو بھی گمراہ ہو اور آپ کو بھی گمراہ کر دے یا ایک
ظالم آپ کو اپنا ہتھیار بنائے اور دوسروں پر ظلم کرنے کے لیے آپ سے کام لے۔ غرض
یہ کہ یہاں بھی آپ کو علم کی روشنی نہیں مل سکتی جو آپ کو صحیح اور غلط کی تمیز بتا سکتی اور دنیا کی
اس زندگی میں ٹھیک ٹھیک راستے پر چلا سکے۔

اس کے بعد صرف ایک خدائے پاک کی وہ ذات رہ جاتی ہے جہاں سے یہ روشنی
آپ کو مل سکتی ہے۔ خدا علیم و بصیر ہے۔ وہ ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے۔ وہی ٹھیک
ٹھیک بتا سکتا ہے آپ کا حقیقی فائدہ کس چیز میں ہے اور حقیقی نقصان کس چیز میں آ
کے لیے کونسا کام حقیقت میں صحیح ہے اور کونسا غلط۔

پھر خداوند تعالیٰ بے نیاز بھی ہے۔ اس کی اپنی کوئی غرض ہے ہی نہیں۔ اس کی ضر
ہی نہیں ہے کہ معاذ اللہ آپ کو دھوکا دے کر کچھ نفع حاصل کرے یا آپ سے کسی قسم
کوئی غرض وابستہ ہو۔ اس لیے وہ پاک بے نیاز جو کچھ بھی ہدایت دے گا بے غرض
اور صرف آپ کے فائدے کے لیے دے گا۔ بے غرض دے گا۔ اور صرف آپ
فائدے کے لیے دے گا۔

پھر خداوند تعالیٰ عادل بھی ہے۔ ظلم کا اس کی ذات پاک میں ذرا شائبہ بھی نہ
اس لیے وہ سراسر حق کی بنا پر حکم دے گا۔ اس کے حکم پر چلنے میں اس بات کا کوئی
نہیں ہے کہ آپ خود اپنے اوپر یا دوسرے لوگوں پر کسی قسم کا ظلم کر جائیں۔ یہ روشنی
تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے دو باتوں کی ضرورت ہے

Marfat.com

یہ کہ اللہ پر اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سچے دل سے ایمان لائیں جس کے واسطہ سے یہ روشنی آرہی ہے یعنی آپ کو پورا ایمان ہو کہ خدا کی طرف سے اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایت دی ہے وہ بالکل برحق ہے۔ خواہ اس کی مصلحت آپ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

دوسرے یہ کہ ایمان لانے کے بعد آپ کی اطاعت کریں۔ اس لیے کہ اطاعت کے بغیر کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ فرض کیجیے کہ ایک شخص آپ سے کہتا ہے کہ فلاں چیز زہر مار ڈالنے والی چیز ہے اسے نہ کھاؤ۔ آپ کہتے ہیں بے شک تم نے سچ کہا۔ یہ زہر ہی ہے مار ڈالنے والی چیز ہے مگر یہ ماننے اور جاننے کے باوجود آپ اس چیز کو کھا جاتے ہیں ظاہر ہے اس کا نتیجہ وہی ہوگا جو یہ جانتے ہوئے زہر کھانے کا ہوتا۔ ایسے جاننے اور ماننے سے کیا حاصل۔ اصل فائدہ تو اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب آپ ایمان لانے کے ساتھ اطاعت بھی کریں۔ جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس پر فقط زبان ہی سے اقرار نہ کریں بلکہ اس پر عمل بھی کریں۔ اور جس بات سے روکا گیا ہے اس سے پرہیز کرنے کا زبانی اقرار نہ کریں بلکہ اپنے عمل میں اس سے پرہیز بھی کریں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"میری اطاعت کرو اور میرے رسولؐ کی"

اگر میرے رسول کی اطاعت کرو گے تب ہی تم کو ہدایت ملے گی۔ وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ان کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ کسی آفت میں نہ پڑ جائیں۔ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے ہی سے ہم اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔ اس دنیا میں بھی اور دوسری دنیا میں بھی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج ہمیں یہی سبق دیتی ہے اور اس سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ اگر انسان اجرام فلکی اور زماں و مکاں کو تسخیر کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ زمین و آسمان کی یہ بیکرانیاں اس کی یک جست سے طے ہو سکتی ہیں۔

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج سے واپس تشریف لائے حضورؐ کا بستر بدستور گرم تھا۔ دروازے کی کنڈی بدستور ہل رہی تھی اور جہاں آپؐ نے وضو کیا تھا وہاں پانی ابھی سوکھا نہ تھا۔ حضورؐ پلک جھپکنے میں مکاں سے لامکاں تک سیاحت کر آئے۔ معراج کے لامتناہی سلسلوں اور الوہی حجابوں کو پلک جھپکنے میں حضورؐ نے طے کیا۔ اور یہ سب کچھ قدرت خدا سے ہوا۔

صبح کی نماز سے فارغ ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معجزانہ واقعہ کا صحابہ رضی اللہ علیہم سے ذکر فرمایا۔ مشرکین مکہ کو بھی اس واقعہ کا حال معلوم ہوا تو ابوجہل جیسے متمرد ناحق کوش بہت سے مسجد میں جمع ہو گئے اور اس واقعہ پر پھبتیاں کسنے لگے۔ بعض مشرکین نے امتحان کے طور پر اپنے ان قافلوں کا حال پوچھا جو شام سے مدینہ واپس آ رہے تھے آپ نے دو قافلوں کا حال بیان فرمایا کہ فلاں قافلہ اس مقام میں فروکش ہے اور دوسرے قافلے کا ایک اونٹ گم ہو گیا۔ فلاں فلاں شخص اس کی تلاش میں مصروف تھے اور وہ اونٹ فلاں مقام پر موجود ہے۔

بعض نے بیت المقدس کے حالات دریافت کیے اور وہاں کے مخصوص مقامات کے پتے معلوم کیے۔ آپؐ نے سب باتوں کے جواب چشم دید واقعات کی طرح دیے۔

جب مشرکین اس میں ناکام رہے تو مسجد اقصیٰ کی بعض ایسی چیزیں دریافت کرنے لگے جن کو آنکھوں سے دیکھنے والا بھی عموماً یاد نہیں رکھتا۔ مثلاً مسجد اقصیٰ کی کتنی کڑیاں ہیں۔ دیواروں میں طاق کس قدر ہیں۔ مگر دشمنان حق کی تذلیل اور پیغمبر اسلام کے احقاقِ حق کے لیے رب قدیر نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے کر دیا۔ اور آپ نے ہر چیز دیکھ دیکھ کر صحیح صحیح بتا دیا۔

یہ سوالات اس لیے کیے گئے کہ مشرکین مکہ خوب واقف تھے کہ پیغمبر اسلام نہ کبھی بیت المقدس کو دیکھا اور نہ اس سرزمین کے راستوں اور مقامات کی تفصیل سے واقف

مشرکین نے جب آپؐ کی زبان مبارک سے یہ معجزانہ جوابات سنے تو جوش حسد و عداوت نے بجائے قبول و اقرار کے اس پر آمادہ کیا کہ آزمائش کی تصدیق کی جائے۔ آنے والے قافلوں کا انتظار کیا جاتے۔

آخر قافلے بھی آگئے اور مشرکین مکہ نے ان سے معاملات کی تصدیق بھی کر لی۔ جب انکار کے لیے کوئی گنجائش باقی نہ رہی تو اب اس کے سوا کوئی راہ باقی نہ آئی کہ آپؐ پر ساحر ہونے کا الزام لگا دیا۔

معراج کی پُرعظمت خصوصیات میں سے ایک عظیم الشان خصوصیت یہ ہے کہ بارگاہِ الٰہی سے مسلمانوں کو نور یعنی نماز کا تحفہ عطا ہوا اسی لیے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان نے نماز کو معراج المومنین کا لقب دیا۔

خدا کا محبوبؐ جب قرب الٰہی کے تمام مراتب طے کر کے غایۃ قصویٰ کی اس بلندی پر پہنچا جس کو قرآن حکیم نے " ما کذب الفواد ما رائی " سے تعبیر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

" محمد میرے حبیب! تمہاری امت پر شب و روز پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں "

محبوب الٰہی صلی اللہ علیہ وسلم عرش سے واپس ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی حضرت موسیٰ نے دریافت فرمایا۔

" یا محمدؐ! امت کے لیے کیا تحفہ ملا؟"

آپ نے فرمایا

" پچاس نمازیں "

حضرت موسیٰ نے فرمایا۔

" مجھے اپنی امت کا کافی تجربہ ہے۔ انہوں نے خدا کی مقرر کردہ عبادت کو پورا نہ کیا۔

Marfat.com

آپ کی امت بنی اسرائیل کے مقابلہ میں کمزور ہے وہ اس کو برداشت نہ کر سکے گی۔ آپؐ واپس جائیں اور بارگاہِ الٰہی میں کمی کی درخواست کریں۔"

آپؐ واپس تشریف لے گئے۔ عرض و معروض کی۔ حکم ملا پانچ نمازیں کم کر دی گئیں۔ آپؐ حضرت موسیٰ کے پاس واپس آئے۔ انہوں نے فرمایا ابھی زیادہ ہیں اور کم کرائیں۔ اسی طرح متعدد مرتبہ پانچ پانچ نمازیں کم ہوتی رہیں حتیٰ کہ پانچ نمازیں باقی رہیں لیکن ان کا ثواب پچاس نمازوں کے برابر ہے۔

Marfat.com

مجملات معراج

علم اسماء اعتبارِ آدم است
حکمت اشیا حصارِ آدم است
جستجو را محکم از تدبیر کُن
انفس و آفاق را تسخیر کُن

(حکیم مشرق اقبال)

معراج رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ ابن سعد نے محمد الواقدی کی روایت نقل کی ہے کہ یہ واقعہ ۱۷، رمضان سنہ ۱۲ بعد بعثت کو یعنی ہجرت سے ۱۸ مہینے پہلے پیش آیا۔ دوسری سند سے ابن سعد ہی نے اسے ۱۷ ربیع الاول سنہ ۱۳ بعد بعثت یعنی ہجرت سے ایک سال قبل کا واقعہ بیان کیا ہے۔ بیہقی نے موسیٰ بن عقبہ کے حوالہ سے اور انہوں نے امام زہری کے حوالہ سے بھی معراج کی یہی تاریخ بیان کی ہے اور یہی عروہ بن زبیر کی روایت ہے جسے ابن طیعہ نے ابو الاسود کے حوالہ سے نقل کیا ہے اسی بنا پر امام نووی نے اسی کو معراج کی صحیح تاریخ کہا ہے۔ جب کہ ابن عبدالبر اور ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ یہ ہجرت سے ایک سال آٹھ مہینے پہلے کا واقعہ ہے۔ ابن فارس نے اسے ہجرت سے ایک سال تین مہینے قبل کا۔ ابن الجوزی نے آٹھ مہینے پہلے کا۔ اور ابو الربیع ابن سالم نے چھ مہینے قبل کا واقعہ بیان کیا ہے۔ علامہ زرقانی کی رائے یہ ہے

Marfat.com

کہ جب کسی قول کو دوسرے قول پر ترجیح دینے کے لیے کافی دلائل موجود نہ ہوں تو مشہور قول ہی کو اختیار کر لینا چاہیے۔

السید مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سیرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں تحریر کرتے ہیں کہ یہ واقعہ تحریک اسلامی کے اُس مرحلے میں پیش جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو توحید کی آواز بلند کرتے ہوئے بارہ سال گزر چکے تھے۔ کفار و مشرکین آپؐ کا راستہ روکنے کے لیے جو رکاوٹیں پیش کر سکتے تھے کر چکے تھے لیکن آوازِ توحید کو دبایا نہ جا سکا تھا۔ مدینہ منورہ میں اوس اور خزرج ایسے طاقتور قبیلوں کی بڑی تعداد آپؐ کی حامی بن چکی تھی اور وقت قریب آ لگا تھا۔ جب آپؐ کو مکے سے مدینے کی طرف منتقل ہو جانے اور منتشر مسلمانوں کو ایک جگہ سمیٹ کر اسلام کے اصولوں پر ایک ریاست قائم کر دینے کا موقع ملنے والا تھا ان حالات میں معراج پیش آئی۔ اور واپسی پر وہ پیغام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سنایا جو سورۂ بنی اسرائیل میں درج ہے۔

حدیث اور سیرت کی کتابوں میں اس واقعہ کی تفصیلات بکثرت صحابہ سے مروی ہیں۔ ان میں سے مفصل ترین روایات حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوسعید خدری، حضرت مالک بن صعصعہؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت شداد بن اوس حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت اُمّ ہانی سے مروی ہیں۔

حدیث میں واقعہ معراج کی جو تفصیلات آئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ رات کے وقت حضرت جبریل علیہ السلام چھت پھاڑ کر کاشانۂ نبوت میں وارد ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا کر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک براق پر لے گئے۔ وہاں آپؐ نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نماز پڑھی پھر وہ آپؐ کو اٹھا کر عالم بالا کی طرف لے چلے اور وہاں مختلف طبقات سماوی میں مختلف جلیل القدر انبیاء سے آپؐ کی ملاقات ہوئی۔

آخر کار آپ افلاک وسماوات کی بیکرانیوں اور انتہائی رفعتوں پر پہنچ کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوئے۔ اور اس حضوری کے موقع پر دوسری اہم ہدایات کے علاوہ پنجگانہ نماز کی فرضیت کا آپؐ کو حکم دیا گیا۔

اس کے بعد آپ بیت مقدس کی طرف پلٹے اور وہاں سے مسجد حرام واپس تشریف لے آئے۔ اس سلسلہ میں بکثرت روایات سے معلوم ہوتا ہے آپؐ کو جنت و دوزخ کا مشاہدہ بھی کرایا گیا۔

معراج جسمانی تھی یا منامی وروحانی۔

اس سوال کا جواب قرآنِ مجید کے الفاظ خود دے رہے ہیں۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی سے بیان کی ابتدا کرنا خود بتا رہا ہے کہ یہ کوئی عظیم تر خارق عادت واقعہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی غیر محدود اور ماورائے فہم وادراک قدرت سے رونما ہوا جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو ایک رات لے گیا وہاں تک جہاں اب تک کوئی انسان نہیں گیا۔ اور یہ سب کچھ حضورؐ کے جسمانی سفر پر دلالت کرتا ہے۔ خواب کے سفر یا کشفی سفر کے لیے یہ الفاظ کس طرح موزوں نہیں ہو سکتے اور نہ عقل سلیم یہ ماننے سے انحراف کر سکتی ہے کہ یہ محض ایک روحانی تجربہ نہ تھا بلکہ ایک جسمانی سفر اور عینی مشاہدہ تھا۔

اور پھر یہ بحث اس صورت میں پیدا ہوتی ہے جب کہ کسی مخلوق کے باختیار خود کوئی کام کرنے کا معاملہ ہو۔ لیکن جب معاملہ یہ ہو کہ خدا نے خود یہ کام کیا تو امکان و احتمال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ابہام و اغلاق کی الجھنوں میں وہ پڑے جسے خدا کے قادر مطلق ہونے کا یقین نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ایک لمحظہ میں وہاں تک لے جا سکتا ہے جہاں عالم مادی کی سب سے زیادہ تیز رفتار چیز روشنی کو پہنچنے میں اربوں وری سال درکار ہوتے ہیں۔ زمان و مکاں کی قیود مخلوقات کے لیے ہیں خالق کائنات کے لیے نہیں۔

Marfat.com

بایں ہمہ منکرین حدیث کی طرف سے متعدد اعتراضات کیے جاتے ہیں جن میں سے صرف دو ہی ایسے جو کچھ وزن رکھتے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ لامکاں ہے کسی خاص مقام پر مقیم ہونا اس پر لازم نہیں آتا۔ فرش سے لے کر عرش تک، زمین کے ذروں سے لے کر کائنات میں بکھری پڑی کھربوں کہکشاؤں تک بلکہ ان سے بھی ماورا۔ نہ جانے کہاں سے کہاں تک وہ ہر جگہ موجود ہے۔ محیط و بسیط ہے لیکن واقعہ معراج میں اپنے حبیب سے ملاقات پر خدا مقام قاب و قوسین کے دائرے میں محدود کیوں ہو گیا۔

اس کے حضور بندے کی پیشی کے لیے کیا ضرورت تھی کہ سفر کرا کر اسے ایک مخصوص مقام تک لے جایا جاتے؟ اگر خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے تو یہ ملاقات اُم ہانی کے گھر میں ہی کیوں مناسب نہ سمجھی گئی جہاں سے یہ سفر لامکانیت شروع ہوا؟

دوسرے یہ کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دوزخ اور جنت کا مشاہدہ اور بعض لوگوں کے مبتلائے عذاب ہونے کا معائنہ کیسے کرا دیا گیا جب کہ ابھی بندوں کے مقدمات کا فیصلہ ہی نہیں ہوا؟ یہ کیا بات ہوئی کہ سزا و جزا کا فیصلہ تو ہونا ہے قیامت کے بعد مگر کچھ لوگوں کو سزا ابھی سے کیوں دے ڈالی گئی؟ دراصل یہ اور ایسے ہی دیگر اعتراضات و استفسارات بھی قلتِ فکر اور انطفاءِ ادراک کا نتیجہ ہیں۔ پہلا اعتراض بقول حضرت مولانا مودودی اس لیے غلط ہے کہ خالق اپنی اطلاقی شان کے ساتھ محدود نہیں مخلوق ہی محدود ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اطلاقی شان رکھتا ہے مگر مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنے میں وہ اپنی کمزوری کی بنا پر نہیں بلکہ مخلوق کی کمزوری کی بنا پر محدود سائط اختیار کرتا ہے۔ مثلاً جب وہ مخلوق سے کلام کرتا ہے تو کلام کا وہ محدود طریقہ استعمال کرتا ہے جسے ایک انسان سن اور سمجھ سکے۔ حالانکہ بجائے خود اللہ کا کلام ایک اطلاقی شان رکھتا ہے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ انسان اس کے کلام کی ہیبت و جلال کا متحمل نہ ہو سکے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ہوا۔ کلیم اللہ طور سینا پر اللہ سے ہم کلام ہوتے

تو اللہ کے کلام کی گھن گرج ہی سے بیہوش ہو گئے اور پھر ہوش میں آئے تو خدا کے جمال و جلال کو شعلے میں دیکھا جو لاکھوں بجلیوں کی طرح کوندتے ہوتے طور سینا کو جلا کر سرمہ کر رہا تھا۔

خدا سے ہم کلامی میں جناب موسیٰؑ نے جو کچھ دیکھا خواب نہ تھا۔ کوئی کشفی کیفیت بھی نہ تھی وہ روحانی و منامی جسم کے ساتھ نہیں خاکی جسم کے ساتھ خدا سے ہم کلام ہوتے اور اپنے بستر میں نہیں تھے وادی طویٰ میں طور سینا پر تھے جہاں جناب موسیٰ کو اپنے جوتے اتارنے کا حکم ہوا۔ شاید یہ خالق سے مخلوق کی ہم کلامی کے آداب کے منافی تھا۔ موسیٰ جوتے اتار کر آگے بڑھے اور یہ خدا کی مرضی ہے جسے چاہے طور سینا پر ملے جسے چاہے قاب قوسین میں بلا لے۔ جسے چاہے اپنے حضور دربار گاہ میں جوتے اتارنے کا حکم دے اور جسے چاہے جوتوں سمیت اپنے محل میں اسرار میں لے آئے۔ یہ اس کی مرضی پر موقوف ہے جو چاہے کرے۔ وہ کسی کی صوابدید کا پابند نہیں اور نہ اُس کی ذات زماں و مکاں کی پابند ہے زماں بھی اس کا مکاں بھی اس کا ہے۔ وہ ہر جگہ ہے اور وہ کہیں بھی نہیں۔ وہ بے نام بھی ہے باتام بھی ہے۔ وہ لامحدود بھی ہے اور لامحدود بھی ہے۔ اپنی اس (MINIFICATION) اور (MAGNIFICATION) کے راز کو بس وہی جانتا ہے اور کوئی کیا جانے۔

معراج تو ایک منفرد مقتدر بندے کو زمین سے آسمان تک لے جانے کی بات ہے خدا چاہے تو اس پوری کائنات اور اس سے بھی ماورا نہ جانے کتنی کائناتوں کو جہاں سے جہاں تک چاہے لے جائے۔ وہ جب کہتا ہے "ہو جا" تو فوراً ہو جاتا ہے "کن فیکون" اس کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔ اس میں حیرت کی کونسی بات ہے۔ الجھنے اور الجھانے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ و عم نوالہ اپنی قدرت کاملہ سے اپنے محبوب بندے کو جسدِ خاکی اور اُس کے جملہ عناصر بشریہ کے ساتھ عالم بیداری میں جہاں تک لے جانا تھا اپنے قریب لے گیا۔ اس سے انکار کرنا بشریتِ انبیاء سے انکار کرنا ہے

جب کہ بشر اور رسول دونوں حیثیتوں کو ماننا ہی اسلام ہے اور بشر اور رسول میں سے ایک حیثیت کو ماننا جرم عظیم۔

حضورؐ نے فرمایا۔

"اے لوگو! میں بھی ایک بشر رسول ہوں۔ جب میں تم کو تمہارے دین کے متعلق کوئی حکم دوں تو اسے ضرور مانو اور جب میں اپنی رائے سے کچھ کہوں تو بس میں بھی ایک بشر ہوں۔"

کھجوروں کو پیوند لگانے والی حدیث میں حضورؐ نے فرمایا۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ (مسلم)

اے مسلمانو! میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں۔

ایک مقدمہ کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاِنَّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَیَّ (بخاری و مسلم)

تم میرے پاس اپنے مقدمات لے کر آتے ہو، میں بھی آخر بشر رسول ہوں۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسیٰ کَمَا تَنْسَوْنَ (بخاری، مشکوٰۃ)

سجدہ سہو کی حدیث میں فرمایا گیا۔ میں بھی ایک بشر رسول ہوں۔ میں بھی کبھی بھول جاتا ہوں جس طرح تم بھول جاتے ہو۔ ایک حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے۔

وَکَانَ بَشَرٌ مِنَ الْبَشَرِ (شمائل)

(رسول اللہ) بھی بشروں میں سے ایک بشر تھے۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی سیرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں رقمطراز ہیں کہ معراج کے موقع پر بہت سے مشاہدات جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کرائے گئے تھے ان میں بعض حقیقتوں کو ممثل کر کے دکھایا گیا تھا۔ مثلاً ایک فتنہ انگیز بات کی یہ تمثیل کہ ایک ذرا سے شگاف سے ایک موٹا سا بیل نکلا اور پھر اس میں واپس نہ جا سکا۔ یا زنا کا ر...

کی یہ تمثیل کہ ان کے پاس تازہ نفیس گوشت موجود ہے مگر وہ اسے چھوڑ کر سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں، اسی طرح بدے اعمال کی جو سزائیں آپ کو دکھائی گئیں وہ بھی تمثیلی رنگ میں عالم آخرت کی سزاؤں کا قبل از وقت مشاہدہ تھا۔

اصل بات جو معراج کے سلسلے میں سمجھ لینی چاہیے وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے منصب کی مناسبت سے ملکوت السمٰوات والارض کا مشاہدہ کرایا ہے اور مادی حجابات بیچ میں سے ہٹا کر آنکھوں سے وہ حقیقتیں دکھائی ہیں جن پر ایمان بالغیب لانے کی دعوت دینے پر وہ مامور کیے گئے تھے۔

اس واقعہ کو خواب قرار دینے کے لیے بالعموم دو دلیلیں دی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۶۰ میں اس کے لیے "رُویا" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے دوسرے یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ سے یہ قول حدیث میں منقول ہوا ہے کہ حضورؐ کا جسم مفقود نہیں ہوا تھا بلکہ آپؐ کی روح کو لے جایا گیا تھا۔

ان میں سے پہلی دلیل کو خود قرآن حکیم ہی رد کر رہا ہے۔ ذرا وہ پورا فقرہ دیکھیے جس میں معراج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لفظ "رویا" استعمال ہوا ہے۔

"اور جو رُویا ہم نے تمہیں دکھایا ہے اسے ہم نے لوگوں کے لیے بس فتنہ بنا کر رکھ دیا"

اس فقرے میں اگر لفظ رُویا کو خواب کے معنیٰ میں لیا جائے تو لوگوں کے لیے آخر اُس کے فتنہ بن جانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

خواب میں آدمی ہر طرح کی چیزیں دیکھ سکتا ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے یہ بیان فرماتے کہ آج رات میں نے خواب میں یہ دیکھا کہ میں مکہ سے بیت المقدس گیا ہوں۔ تو نہ کوئی مسلمان فتنے میں پڑ کر مرتد ہوتا نہ کوئی کافر اس کا مذاق اڑاتا۔ اور نہ کسی کو یہ کہنے کی ضرورت ہوتی کہ آپ اپنے اس سفر کے صحیح ہونے کا ثبوت پیش کریں۔ یہ بات

Marfat.com

فتنہ تو اسی صورت میں بن سکتی تھی جب آپؐ نے اسے بیداری میں پیش آنے والے واقعہ کے طور پر بیان کیا ہو اور لوگوں سے یہ فرمایا ہو۔

"میرا یہ سفر روحانی نہیں بلکہ جسمانی تھا۔

علاوہ بریں یہ دعویٰ کرنا بھی صحیح نہیں ہے کہ عربی زبان میں رؤیا صرف خواب کے معنیٰ میں بولا جاتا ہے۔

دراصل عربی لغت میں رویا اور رُویت دونوں ایک دوسرے کے ہم معنیٰ ہیں۔ اور ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے قربیٰ اور قربت !

(سیرت سرور عالم)

حضرت عبداللہ بن عباس جو عربی زبان کے اماموں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"یہ چشم دید رُویا تھا جو اُس رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا جب آپؐ بیت المقدس لے جائے گئے تھے۔" (بخاری، ترمذی، نسائی)

سعید بن منصور نے ابن عباسؓ کے اس قول کی جو روایت نقل کی ہے اُس میں اضافہ یہ کیا ہے

"یہ خواب والا رُویا نہ تھا۔"

ایک دوسری سند سے ابن منصور نے ابن عباسؓ کا یہ قول بھی روایت کیا ہے کہ یہ وہ مشاہدات ہیں جو بیت المقدس کے راستے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کرائے گئے تھے۔

رہا حضرت عائشہؓ کا قول تو وہ سند کے اعتبار سے بہت ہی کمزور ہے۔ محمد اسحاق نے اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ مجھ سے آل ابی بکرؓ کے بعض لوگوں نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں "رسول اللہ نے منامی معراج کی۔"

Marfat.com

ایسی مجہول سند سے یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ جو قول حضرت عائشہ رضؓ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ وہ فی الواقع انہی کا ہے۔

پھر اس کمزور روایت کے مقابلے میں بکثرت صحیح سندوں سے حدیث کی معتبر کتابوں میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ روداد اسرا و معراج جو حضرت انس رضؓ، حضرت مالک رضؓ بن صعصعہ، حضرت ابوہریرہ رضؓ، حضرت ابوسعید رضؓ خدری، حضرت ابوذر رضؓ غفاری حضرت شداد رضؓ بن اوس اور دوسرے بہت سے صحابہ سے منقول ہوئی ہے، اُسے آخر کیسے رد کیا جا سکتا ہے؟

اور خود حضرت عائشہ رضؓ کے اس بیان کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے۔ جسے بیہقی نے پوری متصل سند سے نقل کیا ہے کہ اسرا کی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو رات کی سرگزشت سنا رہے تھے کہ اس پر متعدد لوگ جو ایمان لا کر آپؐ کی تصدیق کر چکے تھے مرتد ہو گئے۔

پھر وہ یہ خبر لے کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"ذرا اپنے دوست کی خبر لیجیے۔ وہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ رات وہ بیت المقدس لے جائے گئے تھے"

حضرت ابوبکر رضؓ نے کہا۔

"کیا وہ ایسا فرماتے ہیں"؟

مرتدوں نے کہا۔

"ہاں وہ یہی کہتے ہیں"

حضرت ابوبکر رضؓ نے کہا۔

"اگر وہ ایسا فرماتے ہیں تو ضرور سچ فرماتے ہیں"

ان لوگوں نے کہا۔

"کیا آپ بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ ایک ہی رات میں بیت المقدس گئے بھی اور صبح سے پہلے واپس بھی آگئے"؟

حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔

"میں تو صبح و شام ان سے آسمان کی خبریں سن کر تصدیق کرتا ہوں"۔

معراج کا یہ واقعہ دراصل تاریخ انسانی کے اُن عظیم واقعات میں سے ہے جنہوں نے ذہنوں کے ارتقائی عمل میں ہلچل مچادی اور تاریخ پر اپنا نقش دوام ثبت کر دیا۔ اس کی حقیقی اہمیت کیفیت معراج میں نہیں بلکہ مقصدیت اور حقیقت معراج میں ہے۔

عشق کی ایک جست نے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسمان کو بیکراں سمجھا تھا میں

(اقبال)

اصل بات یہ ہے کہ خالقِ مخلوقات اور عقل انسانی کے درمیان ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک لاعلمیت اور عدم واقفیت کے پردے پڑے ہوتے ہیں۔ عقل انسانی یہ سمجھنے سے قاصر رہی ہے کہ اللہ کیا ہے۔ کتنا بڑا ہے۔ اس کی قوت و قدرت کتنی ہے۔ کیا سے کیا کچھ کر سکتی ہے؟

یہی وہ عقدہ لاینحل اور پراسرار معمہ ہے جو ابھی تک حل نہیں ہو سکا اور ہر زمانے میں اس سے متعلق مختلف نظریات و قیاسات قائم ہوتے رہے ہیں۔ کسی نے اُس کو انسانوں کے مماثل قرار دیا اور کسی نے دیوی دیوتاؤں کے روپ میں پیش کیا۔ کسی نے اُس کی عظمت و جبروت کو اجرام فلکی میں محدود کر دیا اور کسی نے آسمان کو اُس کا مسکن قرار دیا۔

زمین پر زندگی کے ابتدائی دور میں انسان کو زندہ رہنے کے لیے دن رات بڑے ہولناک مرحلوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ وہ اپنے ماحول اپنے گردوپیش سے بڑا خائف تھا

Marfat.com

سمندر کو جوار بھاٹوں کی شکل میں سانس لیتے دیکھا تو سمجھا یہی میرا خدا ہے۔ کبھی اس نے گرجتے بادلوں کو پوجا کبھی کوندتی بجلیوں کو۔ کبھی آگ کو ماتھا ٹیکا کبھی پانی کو سا اللہ کے متعلق عام خیال آج تک یہ رہا ہے کہ اللہ آسمان پر رہتا ہے۔

ابتدائی دور میں لوگ اللہ کے وجود اور تخلیقِ کائنات کے سلسلے میں مختلف خیالات و نظریات رکھتے تھے۔ سومیری اور بابلی لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اُن کے دیوتاؤں میں سے ایک دیوتا مردک نے کافی طاقت حاصل کر لی تھی۔ اس نے سمندر کے خدا قیامت (PIAMAT) کو مار ڈالا۔ اور خود عظیم قوت کا مالک بن گیا۔ اُس نے قیامت کے مردہ جسم کے اوپری حصہ کو آسمان اور نچلے حصے کو زمین بنا دیا۔ آدھا حصہ آسمان آدھا حصہ زمین۔

قدیم مصریوں کا خیال یہ تھا کہ ابتدائے آفرینش میں سوائے پانی اور تاریکی کے کرۂ ارض پر اور کچھ نہ تھا جس میں مذکر خداؤں کے سر مینڈک کے اور مونث خداؤں کے سر سانپ کے تھے۔ نٹ (NAT) مصریوں کی آسمان کی ربہ تھی۔ اور را (RA) رب آسمان و زمین۔ مصریوں کے نزدیک ان کے آٹھ خدا پانی اور تاریکی میں تیرتے رہتے تھے اور دریائے نیل بھی ان کا دیوتا تھا۔ جس کی طغیانی سے بچنے کے لیے وہ ہر سال ایک خوبصورت کنواری کنیا کو نیل کی بھینٹ چڑھایا کرتے تھے۔ میسوپوٹیمیا کے قدیم باشندوں کا خیال تھا کہ خدا نے آگ اور برف ملا کر دنیا بنائی۔

قدیم چینی آسمان اور زمین کو انڈے کے مماثل سمجھتے تھے۔ اُس کے اوپری آدھے حصے کو آسمان اور نچلے آدھے حصے کو زمین کہتے تھے۔ اُن کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ زمین کے نیچے صرف پانی تھا اور زمین اُس پر کائی کی طرح تیرتی تھی۔ جیسے انڈے کی سفیدی میں انڈے کی زردی تیرتی ہے۔ بعض چینیوں کا خیال تھا کہ آسمان بھاپ پر ٹکا ہوا ہے۔

اہلِ ہنود کا یہ عقیدہ تھا اور اب بھی ہے کہ برہما دیوتا مہاراج برسوں کنول کے پھول پر کھڑے تپسیا کرتے رہے۔ بعد ازاں انہوں نے اپنے چمتکار سے ایک انڈا بنایا جس کا

Marfat.com

اوپری آدھا حصہ آسمان اور نچلا آدھا حصہ زمین بن گیا۔

قدیم یونانیوں کے عقیدہ کے مطابق اگر دنیا میں کوئی شے موجود تھی تو وہ مادہ تھا ج
وہ دیوتا سمجھتے ہوئے خاؤس کے نام سے پکارتے تھے۔ خاؤس دیوتا اور اس کی بیو
تاریکی نے سب سے پہلے زمین کو جنم دیا۔ یونانی دیومالا (GREEK MYTHOLOGY)
میں زمین کو "دیوی گیا" کہا گیا ہے۔ جس نے شوہر کے بغیر آسمان، پہاڑ اور سمندر کو جنم د
جب یہ سب کچھ پیدا ہو گیا تو "دیوی گیا"، نے سمندر سے مواصلت کر کے سمندری مخلوق
پیدا کیا۔ پھر اُس نے اپنی گولائی کے مطابق تاروں بھرا آسمان پیدا کیا تاکہ اُس کی بے پرد
نہ ہو۔

کائنات پر شب کی دیوی حکمران تھی۔ ساری کائنات پر اسی کا سکہ چلتا تھا ج
اس کا عصائے شاہی اورے نس یعنی آسمان کو منتقل ہو گیا۔ اورے نس کے ہاں تین
پیدا ہوئے جن کے نام یہ تھے۔

۱۔ گرمس
۲۔ بریارئیس
۳۔ گیگس

یہ تینوں خوفناک بچے سو سو ہاتھوں اور پچاس پچاس سروں کے مالک تھے
تینوں کی پیدائش کے بعد تین اور بچے پیدا ہوئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ برونٹس یعنی رعد
۲۔ سٹروپس یعنی برق
۳۔ ارگس یعنی نور۔

یہ تینوں بچے سائیکلوپس کہلاتے تھے کہ وہ ایک چشمے تھے اور ہر ایک کی پیش
وسط میں پہیے کی طرح گول اور اتنی ہی بڑی ایک آنکھ تھی۔ قدو قامت میں کافی طو

Marfat.com

طاقتور تھے اور چٹانوں کی طرح اوپر کو اٹھتے چلے گئے تھے۔

یونانی دیومالا کی رُو سے یہ مخلوق نامعلوم زمانوں سے کائنات میں برتر چلی آ رہی تھی۔ قد و قامت میں پہاڑوں کی مانند اور ناقابلِ تسخیر۔ گو ان کی تعداد بہت کافی ہے لیکن یونانی صنمیات میں جن کا ذکر آیا ہے ان میں سب سے اہم کرونس تھا۔ جس کے علاوہ چھ اور بھی اہم ٹائی ٹنز (Titans) اور ان کی بیویوں کے نام ملتے ہیں۔ یہ ممتاز جوڑے سات سیاروں کے نگران بھی تھے۔ سب سے پہلے دیوی یوری نام نے انہیں سیارے درج ذیل ترتیب سے سونپے

۱۔ کرونس اور اس کی بیوی رہیا کو زحل سیارہ دیا گیا۔

۲۔ اوشینس اور تیتھیس کو زہرہ

۳۔ اٹلس اور فوبی کو چاند

۴۔ کریئس اور دائیونی کو مریخ

۵۔ کوئیس اور متیس کو عطارد۔

۶۔ ہیپریون اور تھیا کو سورج

۷۔ یوری سیڈون اور تھیمس کو مشتری۔

دھرتی ماتا کی یہ خوفناک مخلوق اس وقت پیدا ہوئی تھی جب دنیا ابھی جوان تھی۔ یہ بھی ٹائی ٹنز دہشت ناک اور خوفناک نہیں تھے بلکہ ان میں سے کئی بے حد اعلیٰ صفات کے حامل اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے والے تھے

قدیم یونانیوں کے عقیدہ کے مطابق تخلیق انسانی کے بعد ایک ٹائی ٹن پرومی تھیوس نے ہی بنی آدم کو مکمل تباہی سے بچایا تھا۔ یونانیوں کے نزدیک اوشینس وہ سمندر تھا جس نے زمین کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔

سورج، چاند اور سویرے کا باپ ٹائی ٹن ہیپریون تھا۔ جس کے بیٹے اٹلس نے

Marfat.com

بڑا نام پایا۔ اٹلس کے کندھوں پر دنیا دھری ہوئی تھی اور جب وہ دنیا کو ایک کندھے سے دوسرے کندھے پر رکھتا تھا تو زلزلہ آتا تھا۔ رومنوں کے نزدیک خالق دیوتا یعنی خدا زیوس (ZEUS) تھا جو کوہ اولمپس (OLYMPUS) پر رہتا تھا یہ مقدس پہاڑ رومنوں اور یونانیوں کے نزدیک دیوی دیوتاؤں اور خداوند زیوس کا مسکن تھا۔

خدائے زیوس کی بہت سی بیویاں تھیں۔ ان میں سے ایک کا نام نیموسیتی بھی تھا۔ اس دیوی کے بطن سے زیوس کی نو بیٹیاں پیدا ہوئیں جو علوم وفنون کی دیویاں کہلاتی تھیں۔ ایک عرصہ کے بعد ان میں سے ہر ایک کے ساتھ الگ الگ خصوصیات مخصوص کر دی گئیں جو حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ کلیو (CLIO.) تاریخ کی دیوی

۲۔ یورینیا (URANIA) علم ہیئت اور مناجات کی دیوی

۳۔ ملپومینی (MELPOMENE) المیہ اور مصیبت کے سوانگ اور تمثیل کی دیوی۔

۴۔ تھالیا (THALIA) طربیہ کی دیوی

۵۔ ترسی کوری رقص کی دیوی

۶۔ کلیوپی (CALLIOPI) رزمیات کی دیوی

۷۔ اراتو (ERATO) بربط نواز اور عشقیہ غزلیات کی دیوی۔

۸۔ پولی ہمنیا (POLYHEMNIA) نغمات قدسیہ اور علم الکلام کی دیوی

۹۔ پوتر پی (EUTERPI) نے نواز اور علم موسیقی کی دیوی۔

یونانی شعرا ان دیویوں سے الہام والقا کی التجا کرتے تھے۔ ان دیویوں کا استھان (مسکن) کوہ پارناسس، کوہ پنڈس اور کوہ ہیلکن تھا۔ ان دیویوں کا سردار اپالو تھا۔

Marfat.com

یونانی دیومالا میں تین بڑی ہی ہیبت ناک اور مکروہ دیویوں کا ذکر آتا ہے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ ایلو ((AELLO))

۲۔ اوکیپٹی (OCYPETE)

۳۔ کولینو (COLOENO)

یہ دیویاں پوسائیڈن دیوتا کی اولاد تھیں۔ ان کے سر عورتوں جیسے، دھڑ عقاب جیسا اور پنجے اور پاؤں اژدھے جیسے تھے۔ ان کی سانس سے متعدی امراض نکلتے تھے۔ ایسی ہی تین دیویاں اور تھیں جو فورکیس دیوتا کی بیٹیاں تھیں۔ ان کے نام ہیں۔

۱۔ سیتھنو (STHENO)

۲۔ یوریالی (EURYALE)

۳۔ میڈوا (MEDUOA)

یہ دیویاں بڑی حسین و جمیل تھیں مگر ان کے سروں پر بالوں کے بجائے سانپ تھے ان کی نگاہ جس کسی پر پڑی تھی وہ پتھر بن جاتا تھا۔ ان کے ہاتھ پیتل کے اور بازو سنہری رنگ کے تھے۔ کائنات اور تخلیقات کائنات کے بارے میں یہ تھے قدیم اور ابتدائی مفکرین کے نظریات لیکن جب زمانے نے کچھ ترقی کی تو سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں میں اضافہ ہوا۔ مفکرین نے اپنی عقل اور معلومات کے لحاظ سے مختلف نظریے بنائے۔ بعض لوگوں نے کائنات کی تخلیق کو دیوتاؤں سے منسوب کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس کے برعکس مادی نظریات پیش کرنے لگے۔

چنانچہ طالیس (۶۴۰ تا ۵۴۶ ق م) نے کہا کہ دنیا کی تخلیق میں دیوتاؤں کا کوئی دخل نہیں اس کا خیال تھا کہ دنیا کی تخلیق پانی سے ہوئی۔ زمین پانی سے بنی۔ اور ہر چیز پانی سے پیدا ہوئی۔

Marfat.com

افلاطون بن ارسطون (۴۲۷ ق م سے ۳۴۷ قبل مسیح) یونان کے پانچ مشہور اساطین الحکمۃ میں سے ایک تھا۔ جس پہلو پر نظر ڈالو وہ ایک کامیاب انسان تھا۔ سقراط کا ہم درس اور فیثا غورس کا شاگرد تھا۔ علمائے یونان میں موت کے بعد مشہور ہوا۔ تمام فنون طبعی میں ماہر اور کثیر التعداد کتب کا مصنف تھا۔ اس کے شاگردوں کی ایک جماعت نے استاد کے علم سے بڑا فیض حاصل کیا۔

اس حکیم کی یہ عادت تھی کہ طلبا کو فلسفہ پڑھانے کے دوران ٹہلتا رہتا تھا۔ اور تلامذہ ساتھ ساتھ چلتے رہتے تھے۔ چنانچہ اس جماعت کا نام ہی مشائیں (چلنے والے) پڑ گیا۔

اس مفکر نے نظریہ کائنات کے سلسلہ میں کوئی خاص نظریہ پیش نہیں کیا گیا اتنا کہہ دیا کہ تخلیق کائنات حادثہ ہے۔ اور یہ حادثہ قدیم ہے۔ اس نے تخلیق کائنات کو دیوتاؤں سے وابستہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے نزدیک اس کائنات کا دیوی دیوتاؤں کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ مذہب کا بھی قائل نہ تھا۔ فیثا غورث کے بتائے ہوئے عمل تناسخ پر کامل یقین رکھتا تھا۔ افلاطون ( ) کا ذکر قرآن حکیم میں بھی ہے۔

فیثا غورث یونان میں پیدا ہوا۔ وہ علم فلکیات، نجوم، موسیقی، علم ہندسہ اور جیومیٹری میں مہارت رکھتا تھا۔ بت پرستی سے روکتا تھا۔ صرف ایک خدا یعنی اپالو (سورج) کی پرستش کرتا تھا۔ روح اور خدا کی الگ الگ حیثیت قرار دے کر دونوں کو مساوی درجہ دیتا تھا۔ تناسخ کا قائل تھا۔ اس کا خیال تھا کہ تمام روحیں منجملہ انسانوں اور حیوانوں کے ہوا میں پھرتی رہتی ہیں اور جب کوئی نیا جسم پیدا ہوتا ہے تو اس میں داخل ہو جاتی ہیں۔ خواہ وہ جسم گھوڑے، گدھے پرندے، مکھی، مچھر یا مچھلی کا ہی کیوں نہ ہو۔

فیثا غورث جانوروں کو قتل کرنے سے منع کرتا تھا اور کہتا تھا کہ شاید ان میں کسی آدمی کی روح ہو وہ خود اپنی روح کے بارے میں کہتا تھا کہ وہ کئی سابقہ انسانوں میں رہ چکی تھی

Marfat.com

جن کے نام وہ بتلاتا تھا۔ کہتے ہیں اُس نے زمین کے اندر ایک حجرہ بنوایا تھا جس میں وہ ایک سال تک رہا اور جب باہر آیا تو لوگوں کو بتایا کہ وہ ایک سال تک جہنم کی سیر کر آیا

قدیم یونانی دوزخ کو ہاڈس (HADES) اور بہشت کو الی شیئم (ELYSIUM) کہتے تھے۔

زینوہامس (XENOEHAMES) سمجھتا تھا کہ آسمان پر چمکتے ہوئے تارے روشن بادل ہیں جو ایک ہی سمت میں حرکت کرتے ہیں اور اس کا یہ بھی خیال تھا کہ ہر چیز مٹی اور پانی سے بنی ہے اور فنا ہونے کے بعد مٹی میں تبدیل ہو جائے گی۔

ہیراقلیطس (HERACLITUS) جو ۵۰۰ ا قبل مسیح میں ہوا یہ کہتا تھا کہ دنیا کو کسی خدا نے نہیں بنایا۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اس کا خیال تھا کہ ہر چیز آگ سے پیدا ہوئی ہے۔ آگ سے پانی بنا۔ پانی سے مٹی اور مٹی سے پھر پانی۔

اناکساگورس (RNAXAGORU) کا نظریہ یہ تھا کہ سورج خدا نہیں ہے بلکہ وہ ایک آگ کا پتھر ہے۔ اس نے اس قدیم نظریہ کو کہ سورج اپالو دیوتا ہے اور کائنات کے بنانے میں دیوی دیوتاؤں کا ہاتھ ہے غلط قرار دیا۔ جس کی وجہ سے اس پر کفر کا الزام لگایا گیا اور اس کو مختلف سزائیں دے کر قید کر دیا گیا۔

یہی حال پروتوغورس (PROTOGORAS) کا تھا۔ اس نے دیوی دیوتاؤں کی برتری ماننے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ کائنات کی تخلیق میں دیوی دیوتاؤں کا کوئی دخل نہیں۔ جس کی وجہ سے اس کی کتابوں کا مطالعہ ممنوع قرار دیا گیا اور ان کو جلا دیا گیا۔

فلولاوس سمجھتا تھا کہ زمین کے اندر دہکتی ہوئی آگ ہے، جس کو مٹی سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔

پرمینڈس (PARMENDES) جو ۴۷۰ قبل مسیح میں ہوا۔ اس کا خیال تھا

Marfat.com

کہ کائنات ٹھوس مادہ سے پیدا ہوئی۔

انکسفوراس ایک مشہور مفکر تھا۔ ایک مرتبہ اس کے سامنے آسمان سے کوئی چیز گرتی ہوئی نظر آئی۔ قریب جاکر دیکھا تو پتھر کے مماثل ایک شے تھی جو سحاب ثاقب تھا۔ وہ سحاب ثاقب سے ناواقف تھا اس لیے اُس نے یہ نظریہ قائم کر لیا کہ آسمان پتھر کا بنا ہوا ہے، وہ سورج کو گرم لوہے کا ٹکڑا سمجھتا تھا اور کہتا تھا کہ وہ قابلِ پرستش نہیں۔ اس کا خیال تھا کہ چاند جسم تاریک ہے۔ دمدار ستاروں کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ وہ چاند سے نکلتے ہیں۔ تاروں کی گردش ظاہری کے بارے میں وہ کہتا تھا کہ ہواؤں کے چلنے سے ہوتی ہے۔

ابیذقلیس یونان کا بہت بڑا فلسفی تھا۔ اور پانچ مشہور حکماء جنہیں اساطین الحکمۃ کہا جاتا ہے میں سے بلحاظ زمانہ پہلا تھا۔ وہ پانچ حکماء یہ ہیں۔

۱۔ ابیذقلیس

۲۔ فیثاغورث

۳۔ سقراط

۴۔ افلاطون

۵۔ ارسطو

ابیذقلیس کے متعلق علماء نے تواریخ امم میں یوں بیان کیا ہے کہ یہ فلسفی حضرت داؤد علیہ السلام کا ہم عصر تھا۔ اسلام میں اس فلسفی حکیم کا مشہور پیرو محمد بن عبداللہ الجبلی الباطنی القرطبی ہے جو قلیس کے فلسفۂ طب کا بڑا قائل تھا۔

ابیذقلیس پہلا حکیم ہے جس نے صفات الٰہیہ کے معانی میں اتحاد پیدا کیا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ قدرت علم و معرفت کے معانی میں مکمل اتحاد ہے اور کسی طرح اختلاف موجود نہیں معتزلوں کا ایک امام ابوالہذیل محمد بن العلاف البصری بھی صفات باری کے متعلق یہی

Marfat.com

عقیدہ رکھتا تھا۔

اقطمن حکیم بطلیموس سے ۱۷۵ برس پہلے گزرا تھا لیکن اس کے مشاہدات ملکی بطلیموس کے عہد تک قابلِ اعتماد ہے۔ اسی زمانے میں کالڈیہ کا ایک حکیم ابرخس اس پائے کا منجم تھا کہ جب بطلیموس نے اس کی کتاب "اسرار النجوم" پڑھی تو تعظیم سے سجدے میں گر پڑا۔ اس کی کتاب "الجبر" اور "قسمۃ الاعداد" سے صدیوں تک دنیا مستفید ہوتی رہی۔ یونان کا مشہور فلسفی ارسطو (ARISTOTLE) ۳۸۴ قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ افلاطون سے آٹھ سال تک اس نے باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ سکندر اعظم کا اتالین بنا۔

سائنس میں ارسطو کی تحقیقات کا اصل میدان حیاتیات (BIOLOGY) تھا۔ اس نے ہزاروں پودوں اور جانوروں کی گروہ بندی کی۔ ان کی جنسیں اور نوعیں مقرر کیں۔ ان کی پیدائش اور نشوونما کی تشریحات معلوم کیں۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر رحم کے اندر حیوانات کے جنین کے بڑھنے اور پرورش پانے کے بارے میں ایسی دریافتیں کیں جو بعد میں حیرت انگیز طور پر صحیح ثابت ہوئیں۔ مگر اس نے انسانی لاش پر یہ عمل نہیں کیا کیونکہ ایسا کرنا اس زمانے میں خلاف مذہب و انسانیت سمجھا جاتا تھا۔ ارسطو دنیا کا پہلا سائنس دان ہے جس نے علم الحیاتیات کی بنا رکھی۔ ایسے وقت میں جب کہ ارسطو کے پاس خوردبین تو کجا ایک سادہ عدسہ بھی نہ تھا۔ اس کے لیے بائی آلوجی کے متعلق بعض بنیادی قوانین کا صحیح طور پر استخراج کر لینا اس کو عظیم سائنس دانوں کی صف میں جگہ دینے کے لیے کافی ہے۔ ارسطو کی تصانیف منطقی مع اسمائے مترجمین، شارحین اور مختصر نویسین یہ ہیں۔

۱۔ سوفسطیقا

۲۔ ریطوریقا

۳۔ بوطیقا

۴۔ سمع الکیان

Marfat.com

ارسطو کے تین قول مشہور زمانہ ہیں۔ جو یہ ہیں۔

۱۔ حشر اجساد نہیں ہوگا۔

۲۔ اللہ صرف کلیات کا عالم ہے اور جزئیات سے بے خبر ہے۔

۳۔ آخرت میں ثواب و عذاب محض روحانی ہوگا نہ کہ جسمانی۔

علمائے عرب میں سے اگر کوئی شخص عقائد ارسطو کے زیادہ قریب ہے تو وہ بوعلی سینا اور فارابی ہے۔

بقراط (HYPOGRATU) اٹلی کے جزیرے کوس میں ۴۶۰ قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے علم العلاج کی طرح ڈالی۔ اس نے طب کو فلسفے سے الگ کیا۔ اسے ایک باقاعدہ سائنس بنا دیا۔

بخاروں کے علاج میں بقراط نے قدیم غیر سائنسی طریقوں کو یکسر بدل دیا۔ اس سے پہلے کے معالج ٹونے ٹوٹکے اور جھاڑ پھونک کے ساتھ بخار کے مریض کو بعض قسم کی ورزشیں کرایا کرتے تھے جنہیں وہ مذہبی رسوم کا حصہ سمجھتے تھے۔

اس زمانے کے نظریات کے مطابق بقراط انسانی زندگی پر صحت اور مرض دونوں حالتوں میں ستاروں کی گردش کے اثرات کو بھی درست سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس کا خیال تھا کہ جب آسمان پر سیرئیس ستارہ (CIRIUS) نکلا ہوا ہو تو مرض کی شدت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر مریض کے سر پر ثریا ستاروں کا جھرمٹ چمک رہا ہو تو اس کے خیال کے مطابق اس سے مرض کی شدت میں کمی آجاتی ہے۔

اگرچہ علم طب میں بقراط کے تمام نظریات درست نہیں تھے یا اس کے بعض اقوال ایسے تھے جو بعد کی تحقیقات سے غلط ثابت ہوئے۔ جب کہ ایسا کسی زمانے اور کسی سائنس دان کے ساتھ نہیں ہوا۔ سائنس کی ترقی کا انحصار ہی اس امر پر ہے کہ جدید تحقیقات سے پرانی غلطیوں کی اصلاح کی جائے۔ بقراط کی حقیقی عظمت اس بات پر مبنی ہے کہ اس نے

Marfat.com

علم العلاج کو طرح طرح کے اوہام میں سے نکال کر سائنس کی درست شاہراہ پر ڈال دیا۔

بطلیموس ((PTOLEMY)) ہیئت دان اور ماہر ریاضی تھا۔ ہیئت میں دائروں کے مقابلے میں دائرچوں ( ) کی اختراع خاص بطلیموس کی ہے۔ اس نے سیاروں کی حرکت کی تشریح کرنے کے لیے وضع کیا تھا کہ ہر سیارہ فی الحقیقت کج رفتار ہے۔ اور ایک بڑے دائرے کے محیط پر چلنے کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے دائرچوں میں بھی گھومتا ہے۔

بطلیموس نے ہیئت کے تمام علم کو جو اس زمانے تک جمع ہو چکا تھا اور جس میں اس کی تحقیقات کا بھی حصہ تھا ایک ضخیم کتاب کی صورت میں مرتب کیا۔ بطلیموس کی یہ کتاب جس کا نام "المجسطی" ((ALMAGEST)) تھا، صدیوں تک ہیئت کی ایک مستند کتاب مانی جاتی رہی۔ بطلیموس کے نظریۂ گردش افلاک کو پورے اسلامی دور میں صحیح سمجھا جاتا رہا۔

جالینوس یونانی دور کا طبیب اعظم تھا۔ اس کی جوارش جالینوس آج بھی طبِ یونانی میں بیشتر امراض میں استعمال کی جاتی ہے۔ جالینوس کو اس امر کا شدید احساس تھا کہ وہ جسم انسانی کے اندرونی اعضا کا علم حاصل کیے بغیر ایک کامل طبیب نہیں بن سکتا۔ چنانچہ اس نے بندروں کی لاشوں کو چیرنا پھاڑنا شروع کیا۔ اور ان کے جسم کے اندرونی اعضا کا مطالعہ کر کے بالواسطہ طور پر انسانی بدن کی اندرونی ساخت کا علم حاصل کیا۔ اس طرح اس نے تشریح الابدن اور منافع الاعضاء ((PHYSIOLOGY)) کی بنیاد رکھی۔ جالینوس سے پہلے طب کی ان دو اہم شاخوں کے متعلق اطباء کا علم بہت ناقص تھا۔

ارشمیدس سسلی کے اڑھائی ہزار سال پرانے شہر سیراکوس میں ۲۸۷ سال پہلے ولادت حضرت مسیح پیدا ہوا۔ وہ یونانی دور کا سب سے بڑا سائنس دان تھا۔ اس نے اپنا

Marfat.com

مشہور "اصول ارشمیدس"، وضع کیا۔ جس کے قوانین طبیعات کی اس شاخ سے متعلق ہیں جو ماسکونیات کہلاتا ہے۔

ارشمیدس نے اس موضوع پر ایک مکمل کتاب لکھی جس کا نام تھا "تیرنے والے اجسام"، یہ دنیا میں ماسکونیات پر پہلی کتاب تھی۔ ارشمیدس کی قوت ایجاد اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ ایک بار محض فرصت کے مشغلے کے طور پر اس نے ایک ایسا کرہ بنایا جس کے اندر زمین سورج، چاند اور پانچ سیاروں یعنی مریخ، زہرہ، عطارد، مشتری اور زحل کے ماڈل بالکل قدرتی طریقوں سے حرکت کرتے تھے۔ جیومیٹری ارشمیدس کا ایک محبوب مضمون تھا اس کے تحقیق کردہ مسائل جیومیٹری کی تمام شاخوں مثلاً اثباتی ہندسہ، مجسماتی ہندسہ اور منتظم ہندسے پر پھیلے ہوتے تھے۔ اعداد کی دنیا کا تو ارشمیدس گویا ایک بادشاہ تھا جس کی ہمسری کا کوئی شخص دعویٰ نہ کر سکتا تھا۔ یوسف القفطی نے عربی میں اس کی تصانیف کے نام یہ بتاتے ہیں۔

۱۔ کتاب المسبع فی الدائرۃ

۲۔ کتاب الکرۃ والاسطوانیہ

۳۔ کتاب الخطوط المتوازیہ

۴۔ کتاب الدوائر المتماسہ

۵۔ کتاب مساحۃ الدائرۃ

اناکسی ماندریز (ANAXIMANDER) ارسطو کے بعد ہوا۔ اس سائنس دان کا خیال تھا کہ زمین ایک سلنڈر کی مانند ہے۔ جو چاروں طرف ہوا کے یکساں دباؤ کے پڑنے سے فضا میں معلق ہے۔ اس ساکن سلنڈر کے گرد چاند، سورج اور ستارے گرداں ہیں۔

دمقراط ایک اور یونانی سائنس دان کا نظریہ یہ تھا کہ دنیا کی ہر شے نہایت چھوٹے

Marfat.com

چھوٹے ناقابلِ تقسیم ذروں یعنی ایٹموں سے بنی ہے۔ دمقراط کے خیال میں ہر ایٹم کا ایک سائز ہے لیکن وہ اتنا کم ہے کہ ایٹم آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا۔ اس کا خیال تھا کہ انسان اور دوسرے جانداروں کی روح بھی ایٹموں کی بنی ہوتی ہے اور روح کے ایٹم باقی تمام اشیاء کے ایٹموں سے چھوٹے اور ہلکے ہوتے ہیں۔ کائنات میں صرف ایٹم ہی ایٹم ہیں۔ ایٹم کے اردگرد جو جگہ رہ جاتی ہے وہاں کوئی شے نہیں ہے۔ اس لیے وہ ایک مکمل خلاء ہے۔ اسی خلاء میں ایٹم گھومتے پھرتے ہیں دمقراط کے یہ خیالات جدید تحقیقات سے اتنے قریب ہیں کہ ان سے اس کی عظیم قوتِ فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔

عقل انسانی نے علم و معراجِ فن کی کچھ اور ارتقائی منزلیں طے کیں تو کچھ اور سائنس دان فلسفی اور مفکر سامنے آتے تو انہوں نے اپنے سے پہلے کے سائنس دانوں، فلسفیوں اور مفکروں کے نظریوں کو غلط ثابت کر کے رکھ دیا۔ کوپرنیکس نے سب سے پہلے بطلیموس کے نظریے کو غلط ثابت کیا۔ اس نے بتایا کہ زمین متحرک ہونی چاہیے کیونکہ صرف اسی طرح تمام ستاروں کے بدلتے ہوئے مقامات سال کے مختلف موسم، اور دن رات کی تبدیلیاں ایک ساتھ واقع ہو سکتی ہیں۔ اُس نے ثابت کیا کہ زمین بھی ایک سیارہ ہے تمام سیارے سورج کے گرد چکر لگاتے ہیں جو مرکز ہے۔

گلیلیو بھی اپنے وقت کا ایک نامور سائنس دان تھا۔ اُس نے دوربین ایجاد کی جس سے دیکھنے پر ہر شے ایک ہزار گنا بڑی نظر آتی تھی۔ اور تیس گنا نزدیک تر معلوم ہوتی تھی۔ اپنی ٹیلسکوپ سے اس نے آسمان کا مطالعہ کیا تو عجیب چیزیں جگمگ کرتی نظر آئیں۔ اس نے دیکھا کہ کہکشاں بہت سے ستاروں سے مل کر بنتی ہے۔ مشتری ستارے کے گرد گھومتے ہوئے چاند اسی سائنس دان نے دریافت کیے تھے۔ عام لوگوں کو تو گلیلیو نے آسمان کی دستیں دکھائی تھیں۔ لاکھوں ستاروں کا نظارہ کرایا تھا۔ سورج پر دھبے اور چاند پر پہاڑ دکھاتے تھے لیکن سائنس دانوں کے لیے اس کی دریافتیں کہیں زیادہ

Marfat.com

پر معنی اور قابل قدر تھیں۔

گلیلیو کی موت کے تیس سال بعد تک سائنس دان یہ کوشش کرتے رہے کہ ا
کے معلوم کردہ قوانین حرکت کی رو سے سیاروں کی گردش کا سبب سمجھیں۔ انہیں اس با
پر تو اتفاق تھا کہ ایک متحرک سیارہ کیوں بدستور متحرک رہتا ہے۔ لیکن یہ بات ان کی سم
میں نہ آتی تھی کہ سیارے سورج کے گرد خط مستقیم کے بجائے دائرے میں کیوں چ
لگاتے ہیں۔ آئزک نیوٹن اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہماری ناواقفیت کی وجہ یہ ہے کہ ہم ا
مقصد کے لیے ریاضی کا مناسب قاعدہ نہیں جانتے اور یہی چیز آخر علم الاحصا
(CALCULUS) کی ایجاد کا باعث ہوئی۔

نیوٹن نے جب کشش ثقل کے یہ اصول مرتب کیے تو انہیں آزمایا۔ اپنے تجربوں کی
کتاب "پرنسی پیا" (PRINCIPIA) میں بیان کیا۔ نیوٹن نے روشنی پر بھی
تجربات کیے۔ اس نے بتایا کہ سورج کی روشنی منشور کے سات رنگوں کا مجموعہ ہے
نیوٹن نے ایک نئی قسم کی دوربین ایجاد کی جو العکاسی دوربین کہلاتی ہے۔ وہ بھی ا
عظیم سائنس دان تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے کائناتی اسرار کے بارے میں اس
کہا کہ میری مثال اس بچے کی سی ہے جو سمندر کے کنارے سیپیوں سے کھیل رہا ہو۔

فلسفہ اور سائنس کے معنی ہیں کسی شے کی حقیقت کو جاننا۔ اس کو دریافت
سائنس دان اور فلسفی وہ ہے جو کسی شے کے ظاہری مطالعے سے زیادہ اس کی اص
اور حقیقت کا پتہ چلاتا ہے۔ یہ نظریات علم عقل و فکر کی استطاعت کے مطابق ہو
ایک نظریہ دوسرے نظریہ سے میل نہیں رکھتا اسی لیے فلسفہ کوئی باقاعدہ یا سائنٹیفک علم
یہ نظریات زیادہ تر قیاس آرائیوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ جب علم کامل ہو جاتا ہے تو
نظریات خود بخود بدل جاتے ہیں اور تجسس و تلاش کرنے والا حقیقت کو پالیتا ہے
یہی علم کی معراج ہے۔

Marfat.com

آیئے اب ہم ان تحقیقات کا مختصر سا جائزہ لیں جو مسلمان فلسفیوں اور سائنس دانوں نے لم کی معراج کی خاطر کیں۔ جابر بن حیان کو بانی کیمیا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اُس نے کیمیا مختلف ایجادات کیں۔ سو سے زائد کتابیں لکھیں۔ بائیس کتابیں اب بھی موجود ہیں جن میں اسرار الکیمیا" اور المیزان بہت مشہور ہیں۔ الخوارزمی نے علم فلکیات اور علم ریاضی پر گہری تحقیقات کیں۔ اس کی کتاب "صورت الارض" اسٹارس برگ کے کتب خانہ میں اب بھی جود ہے۔ اس نے اس زمانہ میں جب کہ ساری دنیا زمین کو چپٹی سمجھتی تھی۔ گول قرار دیا۔ راس کا محیط و قطر نکالا۔ اس کی فلکیات پر تحقیق سے بعد میں کوپرنکس اور کیپلر بھی متاثر ہوئے۔ بری کی تصنیف "فردوس الحکمت" سے رازی اور ابن سینا نے فائدہ اٹھایا۔ اس کی یہ تصنیف ب یونانی کے انسائیکلو پیڈیا کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کتاب میں اُس نے طبی مباحث کے اوہ فلسفۂ علم تفسیر المواسم، علم الحیوانات، علم توحید، نفسیات اور فلکیات کا احاطہ کیا ہے سانے اپنی مذکورہ کتاب کی تدوین و ترتیب میں بقراط، ارسطو، جالینوس اور یوحنا بن موسویہ الکتب سے استفادہ کیا۔

طرسوسی آغاز اسلام میں یحییٰ نحوی کے بعد گزرا ہے۔ لوگ اسے الہلال بھی کہتے تھے نیف و مطالعے میں اس قدر محو رہتا تھا کہ باہر تک نکلنے کی فرصت نہ ملتی تھی۔ اس خلوت نشینی کی وجہ سے ہلال کہلانے لگا۔ یہ اپنے وقت کا عظیم طبیب تھا۔ جڑی بوٹیوں کے ص کے علم کا ماہر تھا۔

الجنداب علم الفلکیات کا ماہر تھا۔ سائنس کی ایک اہم شاخ ہیئت یعنی اسٹرانومی ہے اجرام فلکی مثلاً سورج چاند ستاروں سے متعلق ہے۔ جنداب کا سب سے بڑا کارنامہ ب ترقی یافتہ اضطراب کی ایجاد ہے۔ جنداب نے اس کے چکر پر بہتر طریق سے زاویوں لے درجے لگائے اور ہر درجے کو آگے دو حصوں میں تقسیم کیا جس کے باعث اس اضطراب سے نہ صرف درجوں تک بلکہ نصف درجے تک کی پیمائش کی جا سکتی تھی۔

الجرجانی ایک مشہور ریاضی دان اور ماہر ہیئت تھا۔ اس نے نصف النہار
((MERIDION)) معلوم کرنے کے لیے ایک ترقی یافتہ طریقہ معلوم کیا تھا۔ اس
یہ بھی کہا کہ سطح زمین پر شمال کی طرف جاتے ہوئے قریباً تیس میل کی مسافت طے کرنے
بعد قطب ستارے کے زاویے میں محض نصف ڈگری کا فرق پڑتا ہے۔

الفرغانی کا شمار عہد مامونی کے نامور ماہرین ہیئت و ریاضی میں ہوتا ہے۔ اس
اپنے مشاہدات کو اپنی کتاب "جوامع علم النجوم" میں پیش کیا۔ اس سائنس دان نے کرۂ ارض
محیط کی پیمائش میں بڑا کمال دکھایا۔ اس کی پیمائش کے مطابق زمین کا گھیر پچیس ہزار
بنتا ہے۔ یہ پیمائش موجودہ زمانے کی پیمائش سے جو ۲۴۸۵۸ میل مانی گئی ہے
صرف ۱۵۱ میل زیادہ ہے۔

السنان بھی ایک اعلیٰ پائے کا ریاضی دان ماہر فلکیات تھا۔ ہیئت میں اس
بطلیموس کی مشہور کتاب "مجسطی" کی شرح لکھی۔ مگر اس کا قابل قدر کام قطع مکافی یعنی پیرا
((PARADOLA)) پر ہے۔ جس کے بارے میں اس نے ایسے مسائل حل کیے
موجودہ زمانے میں صرف تکملی احصاء ((INTEGRAL CALCUS)) کی مدد سے
حل کیے جاتے ہیں۔ اس نے دھوپ گھڑی پر بھی ایک رسالہ قلم بند کیا۔

الفارابی ارسطو کا سب سے بڑا شارح تھا۔ اس کی تمام تر شہرت اس کی فلسفہ
کی وجہ سے ہے۔ اس کی کتاب "احصا العلوم" کا ترجمہ لاطینی میں ((ENTUS)
کے نام سے ہوا۔

اصطرلابی ریاضی دان اور ماہر فلکیات تو تھا ہی اسے آلات ہیئت بنانے میں بھی
کمال حاصل تھا۔

الزرقانی نے اوج شمسی ((SOLAR APOGEE)) کی دریافت کے لیے
چار سو سے زائد مشاہدات کیے۔ ہیئت دانوں میں وہ پہلا شخص تھا جس نے واضح طور

Marfat.com

یا تھا کہ اوج شمس کے مقابلے میں تغیر پذیر ہوتا ہے۔

دائرۃ البروج کے انحراف ((OBLIGUIT OF ELLIPTIC)) کے متعلق
ں نے جو مشاہدات کیے ان سے اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ اس کی قیمت ۱۳ درجے ۱۳ منٹ
ر ۱۳ درجے ۵۲ کے درمیان بدلتی رہتی ہے۔

الہشیم مغرب میں ((ALHEZEN)) کے نام سے مشہور ہے۔ اُس نے ایک
ت سائنسی تحقیقات میں صرف کر دی۔ جس کے نتیجہ میں سائنس کی ایک اعلیٰ کتاب
کتاب المناظر" کی صورت میں دنیا کے سامنے آئی۔ یہ طبیعات کی ایک مشہور شاخ روشنی
دنیا کی پہلی جامع کتاب ہے۔ اس کتاب میں روشنی کی ماہیئت بیان کرنے کے بعد
نورافشاں اجسام اور بے نور اجسام کے فرق کی وضاحت کرتا ہے۔ نورافشاں
(LUMINOUS) وہ اجسام ہیں جو خود روشنی دیتے ہیں۔ ایسے اجسام کی مثال
سورج، چاند، ستاروں اور چراغ کا نام لیتا ہے۔

البیرونی ایک ماہر ہیئت دان تھا۔ ہیئت پر اس کی پہلی تصنیف کا نام "تفہیم" ہے
اس کی دوسری تصنیف جو فنی نوعیت کی ہے "قانون مسعودی" ہے۔ اس کتاب
تیسری جلد علم المثلث یعنی ٹرگنومیٹری پر ہے ریاضی میں ہندسوی سلسلے یعنی کہ
(GEOMETRICAL PROGRESSION) کو جمع کرنے کا قاعدہ البیرونی
ایجاد ہے۔

الرازی مسلمانوں میں پہلا اور اجل مجددِ طب تھا۔ جس نے اس علم کو از سر نو مرتب کیا
یونانی تراجم سے عرب اطبا کو بے نیاز کر دیا۔

بوعلی سینا نے نائلی سے منطق، فلسفہ اور اقلیدس کی تعلیم حاصل کی۔ اس کی ذہانت
یہ عالم تھا کہ ایک معمولی سا اشارہ پا کر کئی مشکل مسائل اپنی دماغی کاوش ہی سے حل
لیتا تھا۔ وہ اپنے زمانے کا ایک عظیم ترین طبی سائنس دان تھا۔

Marfat.com

ابتدائے آفرینش سے لوگ حقیقتِ ابدی کی تلاش میں سرگرداں رہے ہیں۔ ہر ملک میں
قوم میں فلسفی و سائنس دان اپنے نظریات کی بنا پر مختلف فلسفے بناتے رہے۔ تمام فلاسفہ
کائنات اور اس کے مشتملات کی تخلیق پر غور کرتے رہے۔ کسی نے کائنات کی تخلیق کو دیو
دیوتاؤں سے منسوب کیا تو کسی نے کائنات کو پانی، پتھر یا آگ سے بنا ہوا سمجھا۔ کسی نے
اس کو حادثہ قرار دیا تو کسی نے تغیرِ زمانہ کا سبب جانا۔ بعض فلاسفہ کائنات کو از خود وجو
میں آنے والا عمل سمجھ کر خدا کے وجود ہی سے انکار کر بیٹھے۔ اور یوں فکری و فنی سرج سے
محروم ہو گئے اور بعض فلاسفہ و سائنس دان خدا اور خدا کے لاشریک و واحد ہونے کو ت
کرتے ہوئے حقیقت کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ جب کہ حقیقت کی تلاش کے لیے علم و عقل
کی ضرورت ہوتی ہے۔ علم جتنا وسیع اور کامل ہوگا اتنا ہی وہ حقیقت کے جاننے میں مد
دے گا۔ علم وسیع اور کامل نہ ہوگا تو حقیقت کو پانا ناممکن ہوگا۔ نتیجہً نظریات غلط اور گم
کن بنیں گے۔ یہی عمل مصر و یونان اور دوسرے مشرقی ممالک میں ہی نہیں بلکہ علم و سائنس
ترقی سے پہلے ہر ملک میں رہا۔ عقل جتنی مستحکم اور سلیم ہوگی اتنا ہی حقیقت شناسی میں
دے گی۔ حقیقت صرف ایک ہے۔ حقیقت وحدانیت ہے اور یہی علم و عقل کی معراج۔ یہ
معراج کسی مذہب، کسی ملت، کسی ملک سے مخصوص نہیں۔ ہر مذہب، ہر ملت، ہر ملک
ایسے لوگ ہوئے ہیں جنہیں اپنے فن کی معراج ہوئی ہے۔ اگرچہ ان کی فہرست خاصی طو
لیکن یہ اس ہم فنی بلندیوں پر اٹھائے گئے۔ ان لوگوں کے نام اور کام اختصاراً پیش
جنہوں نے اپنی مفید ترین ایجادات سے ایک طرف تو بنی نوع انسان کو بڑے فائدے
پہنچائے اور دوسری طرف اپنے تجسس و تحقیق سے پوری کائنات کو کھوند ڈالا۔

ہیئت دان اور ریاضی دان اولاس رومر نے پیرس کی شاہی رصدگاہ میں مشتری
سیارے کے قمروں کا مشاہدہ کیا۔ جس طرح ہماری زمین کے گرد ایک چاند گردش کرتا ہے
اسی طرح مشتری سیارے کے گرد ۹ چاند گھومتے ہیں۔ جن میں سے چار زیادہ روشن

جس طرح ہمارا چاند جب اپنی گردش کے دوران زمین کے سائے میں آجاتا ہے تو اس کو گرہن لگ جاتا ہے۔ اسی طرح مشتری کا کوئی قمر بھی جب مشتری کے سائے کے اندر جاتا ہے تو اسے گرہن لگ جاتا ہے۔ اولاس رومر نے ان قمروں میں سے سب سے اندرونی قمر کے گہن لگنے کا وقت ناپا۔ جب زمین مشتری کے سب سے زیادہ قریب تھی پھر اُس نے ریاضی اور ہیئت کے علم سے حساب لگایا کہ کچھ ماہ کے بعد جب مشتری سے زمین سب سے زیادہ فاصلے پر ہوگی تو یہ قمر دوبارہ کس وقت گہن میں آئے گا جب اس نے فی الواقع اس گہن کا مشاہدہ کیا تو اسے پتہ چلا کہ اس کے گہن لگنے کا جو وقت حساب لگا کر معلوم کیا تھا۔ اصل گہن اس سے سولہ منٹ اور چھ سیکنڈ پر لگا ہے۔ اس نے اس سبب پر غور کرنا شروع کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ ۱۶ منٹ اور چھ سیکنڈ کا یہ فرق اس وجہ سے پڑا کہ جب زمین اپنے مدار کے دوسرے سرے پر آگئی اور مشتری سے اس کا فاصلہ بڑھ گیا تو مشتری کے قمر کی روشنی کو زمین تک پہنچنے میں یہ زائد فاصلہ طے کرنا پڑا جس میں اس کو ۱۶ منٹ چھ سیکنڈ لگ گئے۔ چونکہ زمین سے سورج کا فاصلہ نو کروڑ میل ہے۔ اس لیے اگر ہم زمین کے مدار کو گول شکل کا مان لیں تو اس کا قطر ۱۸ کروڑ میل ہو جاتا ہے۔ اولاس رومر کی یہ رائے تھی کہ مدار سے چلنے والی روشنی کو ۱۸ کروڑ میل کا یہ فاصلہ طے کرنے میں ۱۶ منٹ ۶ سیکنڈ یعنی ۹۶۶ سیکنڈ لگے۔ اس دور کے عظیم ترین سائنس دان البرٹ آئن سٹائن کا یہ قول ہے کہ تمام کائنات مسلسل حرکت کر رہی ہے۔ آئن سٹائن کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہر حرکت اضافی ہے۔ آپ کسی جرم فلکی کی حرکت سے مقابلہ کیے بغیر زمین کی حرکت معلوم نہیں کر سکتے۔

آئن سٹائن نے ایک اور اہم دریافت کی۔ وہ کہتا ہے کہ ہم ہمیشہ ایک غلطی کرتے آئے ہیں۔ ہمارا خیال یہی رہا ہے کہ اشیا کی ایجاد صرف تین ہوتی ہیں یعنی طول، عرض اور بلند لیکن چوتھی بعد بھی ہے۔ جسے ہم نے نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ ہے وقت جب کہ وقت کے بغیر کوئی چیز جنم نہیں لیتی۔ اس چیز کی درخشاں مثال ستاروں سے دی

جاسکتی ہے کہ وقت کس طرح الجادار لعبہ میں سے ایک ہے۔ آسمان میں ستارہ اس مقام پر نہیں ہوتا جہاں ہمیں اس کی چمک نظر آتی ہے ہم ستارے کو اس کی صرف روشنی سے دیکھتے ہیں لیکن بعض ستارے اتنے فاصلے پر ہیں کہ ان کی روشنی ہزاروں سال میں ہم تک پہنچتی ہے۔ جب ہم ان کی روشنی دیکھتے ہیں تو وہ اس مقام پر نہیں ہوتے جہاں سے ان کی روشنی چلی تھی۔ لہٰذا وقت کائنات سے آئن سٹائن نے نہ صرف نظریہ اضافیت اور جوہر اور برقپاروں کے متعلق اہم انکشافات کیے بلکہ دنیا میں پائیدار امن کی جد وجہد کی بدولت بھی البرٹ آئن سٹائن کا نام لافانی رہے گا۔

ٹائیکو براہے کا مشاہدات افلاک میں کوئی ہمسر نہ تھا۔ یہ اس کے مشاہدات اور اس کی مرتب کردہ جدولیں ہی تھیں جن کی مدد سے اس کے بعد کے ہیئت دانوں نے شہرۂ آفاق قوانین دریافت کیے۔

میکس پلانک ریاضیاتی سائنس دان تھا۔ اس نے نظریہ کوانٹم کو جوہری ذرات کی جدید طبیعات کی اساس قرار دیا۔ میکس نے میکانیات میں کوانٹم میکانیات کا اضافہ کیا۔

نیل جوہر کو جدید ایٹمی نظریے کے باپ کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس نے جوہری بم کی تیاری میں لیزے مائٹنر۔ آٹو فرش، آئن سٹائن اور انریکو فرمی جیسے بلند پایہ سائنس دانوں سے مباحثہ کیا تھا۔

ایک ماہر طبیعیات سے گفتگو کے دوران دنیا کے عظیم ترین سائنس دان البرٹ آئن سٹائن نے ایک بات کہی تھی جو بہت مشہور ہوئی اور پرنسٹن یونیورسٹی میں شعبہ ریاضی کے کامن روم کے آتش دان پر پتھر میں کندہ کر کے محفوظ کر لی گئی۔ آئن سٹائن نے کہا

"خدا عظیم ہے۔ ذہین ہے۔ اُس کی عظمت کو سمجھنے کے لیے ذہانت چاہیے"

اللہ کی عظمت کو سمجھنا کوئی مشکل کام نہیں۔ اُس کی ذات اعلیٰ صفات تو ذرہ ذرہ سے عیاں ہے۔ جب ہم کسی مادی چیز کو دیکھتے ہیں تو فوراً اس کو بنانے والے کا خیال آجاتا ہے

کون نہیں جانتا کہ کسی مادی چیز کا وجود نہیں ہوتا جب تک کہ اُس کو بنانے والا نہ ہو۔ اسی طرح جب ہم مظاہرِ کائنات کو دیکھتے ہیں تو ہم کو یقین کرنا پڑتا ہے کہ ان کا وجود بھی کسی خالق کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ کہنا کہ یہ کائنات ازلی و ابدی یا قدیم ہے، یا پھر یہ سمجھ لینا کہ یہ کسی حادثہ یا از خود عمل سے وقوع پذیر ہوئی نہ صرف جہالت بلکہ کفر عظیم ہے۔ کائنات کی ہر چیز اُس کے ہونے کا ثبوت دیتی ہے۔ اس محیط و بسیط کائنات کی ہر شے پکار پکار کر اپنے خالق کے وجود کی گواہی دیتی ہے کہ وہ خدائے بزرگ و برتر ہی تو ہے جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا، وہی قادر جزو و کل اور فاطر السموات والارض ہے۔ اُس کا وجود مسلمہ ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَھُمْ کَیْفَ بَنَیْنٰھَا وَ زَیَّنّٰھَا وَ مَا لَھَا مِنْ فُرُوْجٍ ہ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰھَا وَاَلْقَیْنَا فِیْھَا رَوَاسِیَ وَاَنْبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍۢ بَھِیْجٍ ہ تَبْصِرَۃً وَّذِکْرٰی لِکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ہ

(ق ۷-۸)

ترجمہ۔ کیا ان لوگوں نے آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسے بنایا اور آراستہ کیا۔ اور اس میں کوئی خامی تک نہیں ہے۔ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جمایا اور اس میں ہر قسم کے خوشنما چیزیں اگائیں جو ذریعہ ہے بینائی اور دانائی کا ہر رجوع ہونے والے بندے کے لیے۔

قرآن حکیم ہی میں ایک اور جگہ فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً وَاَخْرَجْنَا بِہٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُھَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُھَا وَغَرَابِیْبُ سُوْدٌ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ

وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر ۲۸)

ترجمہ۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا اور پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے اور پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں بعض سفید اور بعض سرخ ان کے بھی رنگ مختلف ہیں اور بعض بہت گہرے، اسی طرح آدمی اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی بعض ایسے ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں اور خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔

علم کی بڑی بات ہے علم ہی معرفت کا پہلا اور آخری زینہ ہے۔ علم کے فضائل کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

علم کا سیکھنا ہر مرد اور عورت پر فرض ہے۔

علم کی تلاش ہر مسلمان پر فرض ہے۔

بہترین عطیہ اور بہترین ہدیہ وہ کلمات ہیں جس کو تو سُنے اور یاد کرے اور پھر اسے مسلمان بھائی پاس سیکھانے کے لیے لے جائے۔ تو یہ عمل ایک برس کی عبادت کے برابر ہوگا۔

(طبرانی)

آدمی کے لیے علم کا کوئی باب سیکھنا اس کے حق میں دنیا و مافیہا سے بہتر ہے

(ابن حبان۔ ابن عبدالبر۔ طبرانی)

تو جا کر علم کا کوئی باب سیکھے تو یہ ایک سو رکعت نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

(ابن ماجہ)

فرشتے طالب علم کے کام سے خوش ہو کر اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔ (حاکم)

علم کو مہد سے لحد تک تلاش کرو۔

ایک عالم کی موت کے مقابلہ میں ایک قبیلہ کا مرجانا زیادہ آسان ہے۔

(بخاری و مسلم)

عالم زمین پر اللہ تعالیٰ کا امین ہے۔

عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت ایک صحابی پر۔

(ترمذی)

عالم اور عابد کے درمیان سو درجوں کا فرق ہے۔ ایک ایک درجہ کے درمیان اتنی مسافت ہے جتنی ایک تیز رفتار گھوڑا ستر برس میں طے کرے۔

(دیلمی فی مسند الفردوس)

قیامت کے روز علما کی روشنی شہیدوں کے خون سے تولی جائے گی۔

(احیاء العلوم)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک دن آنحضرتؐ باہر تشریف لائے تو دو مجلسیں دیکھیں۔ ایک مجلس میں لوگ اللہ سے دعائیں مانگ رہے تھے۔ دوسری مجلس میں لوگ پڑھ رہے تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ تو دعائیں کر رہے ہیں۔ اگر وہ چاہے ان کو دے اور چاہے تو نہ دے۔ اور یہ لوگ تعلیم دے رہے ہیں اور مجھ کو اللہ تعالیٰ نے معلم بنا کر بھیجا ہے اور پھر ان کی طرف پلٹے اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔

(ابن ماجہ۔ احیاء العلوم)

اور سائنس بھی علم ہی کی ایک شاخ ہے۔ اس ضمن میں آئن سٹائن کے مذکورہ مقولہ کی تفسیر کرتے ہوئے تاریخ و سائنس کے پروفیسر اور فرانسیسی کے جریدے "لا ریشرش" کے ادارتی عملے کے رکن پروفیسر پیئے تھویبے نے کہا۔

"سائنس کے معنی ہیں وہ ذاتی واقفیت جو براہ راست مشاہدہ اور تجربے حاصل ہوتی ہو۔"

"سائنس کا مقصد اس کائنات کی تشریح کرنا ہے جس میں ہم آباد ہیں۔"

سرورِ کائنات سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حصولِ علم کا شوق بچپن ہی سے تھا مگر اس زمانے میں حصولِ علم کے کوئی ذرائع نہیں تھے لہٰذا آپ کو اپنے ہی مشاہدہ پر اکتفا کرنا پڑا۔ آپؐ اکثر مکہ سے دو تین میل کے فاصلے پر غارِ حرا میں تنہا بیٹھ جاتے اور اپنا بہت سا وقت کائنات کی نوعیت و ماہیت اور خالق کائنات کی کبریائی پر غور و فکر میں مشغول رہتے آپؐ اکثر سوچا کرتے اور دعائیں مانگتے کہ میرے رب تو اپنے آپ کو میرے اوپر ظاہر کر دے سچائی کیا ہے۔ مجھ کو بتا دے۔"

(پیغمبرِ انقلاب۔ از مولانا وحید الزمان خاں ص۲۳)

اور جس نے یہ خواہش کی اور اس کے ساتھ عمل کیا خدا نے اسے بتایا۔ اس زمرے میں نہ صرف انبیاء کرام بلکہ دنیا کے دانشور، فلسفی، مفکر اور سائنس دان بھی شامل ہیں۔ اس نقطے کو حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی تالیف "سیرت سرورِ عالم" میں نہایت فصاحت و بلاغت سے تحریر کیا ہے۔ مولانا موصوف خلد آشیانی فرماتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ کرۂ زمین جس پر ہم رہتے ہیں خدا کی عظیم الشان سلطنت کا ایک چھوٹا سا صوبہ ہے۔ جس میں خدا کی طرف سے جو پیغمبر بھیجے گئے ہیں ان کی حیثیت کچھ اس طرح کی سمجھ لیجیے جیسے دنیا کی حکومتیں اپنے ماتحت ملکوں میں گورنر یا وائسرائے بھیجا کرتی ہیں۔ ایک لحاظ سے دونوں میں بڑا بھاری فرق ہے۔ دنیوی حکومتوں کے گورنر اور وائسرائے محض ملکی انتظام کے لیے مقرر کیے جاتے ہیں اور سلطان کائنات کے گورنر اور وائسرائے اس لیے مقرر ہوتے ہیں کہ انسان کو صحیح تہذیب، پاکیزہ اخلاق اور سچے علم و عمل کے وہ اصول بتائیں جو روشنی کے مینار کی طرح انسانی زندگی کی شاہراہ پر کھڑے ہوئے صدیوں تک سیدھا راستہ دکھلاتے رہیں۔ مگر اس کے باوجود دونوں میں ایک طرح کی مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔ دنیا کی حکومتیں گورنری جیسے ذمہ داری کے منصب انہی لوگوں کو دیتی ہیں

Marfat.com

جوان کے معتمد علیہ ہوتے ہیں۔ اور جب وہ انہیں اس منصب پر مقرر کرتی ہیں تو ان کو بتاتی ہیں کہ حکومت کا اندرونی نظام کس پالیسی پر کس طرح چل رہا ہے اور ان کے سامنے اپنے وہ راز بے نقاب کر دیتی ہیں جو عام رعایا پر ظاہر نہیں کیے جاتے۔ ایسا ہی حال خدا کی سلطنت کا بھی ہے۔ وہاں بھی پیغمبری جیسے ذمہ داری کے منصب پر وہی لوگ مقرر ہوتے ہیں جو سب سے زیادہ قابلِ اعتماد تھے۔ اور جب انہیں اس منصب پر مقرر کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے خود ان کو اپنی سلطنت کے اندرونی نظام کا مشاہدہ کرایا۔ اور ان پر کائنات کے وہ اسرار ظاہر کیے جو عام انسانوں پر ظاہر نہیں کیے جاتے۔ مثال کے طور پر حضرت ابراہیمؑ کو آسمان اور زمین کے اندرونی انتظام کا مشاہدہ کرایا۔

(الانعام۔ آیت ۷۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعلق سے ارشاد ہوتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ (الانعام ۷۵)

ترجمہ۔ ہم نے ابراہیمؑ کو زمین و آسمان کی مخلوقات دکھلا دیں تاکہ وہ مکمل یقین کرنے والوں میں سے یعنی عارف ہو جاتے۔ اور حضرت ابراہیم کو یہ بھی آنکھوں سے دکھایا گیا کہ خدا کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔

(البقرہ۔ آیت ۲۶۰)

حضرت موسیٰ کو طور پر جلوہ ربانی دکھایا گیا۔ (الاعراف۔ ۱۴۳)

ایک خاص مدت تک حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ پھرایا گیا تاکہ اللہ کی مشیت کے تحت دنیا کا انتظام جس طرح ہوتا ہے اُس کو دیکھیں اور سمجھیں۔

(الکہف۔ آیات ۶۰ تا ۸۲)

حضرت ادریس علیہ السلام پیغمبر ہونے کے علاوہ ایک عظیم حکیم و ہیئت دان بھی تھے

Marfat.com

آپ حکمت وہئیت کے بانی تھے۔ آپ پر اللہ نے آسمانوں کے تمام راز کھول دیے تھے مثلاً آسمان کی ساخت کس مادے سے ہوئی۔ ستارے کہاں سے آئے۔ سال وماہ کا تعین کیونکر کیا جائے۔ یہ علوم اگر حضرت ادریسؑ کو الہاماً نہ سکھائے جاتے تو دنیا محض اپنی کوششوں سے انہیں حاصل نہ کر سکتی تھی۔ ایسے ہی کچھ تجربات ومشاہدات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی تھے۔ کبھی آپؐ خدا کے مقرب فرشتے کو افق پر علانیہ دیکھتے ہیں۔

(التکویر۔ ۲۳)

کبھی وہ فرشتہ آپؐ سے قریب ہوتے ہوتے اس قدر قریب آجاتا ہے کہ آپؐ کے اور اس کے درمیان دو کمانوں کے بقدر بلکہ اس سے بھی کچھ کم فاصلہ رہ جاتا ہے۔

(النجم۔ ۶ تا ۹)

کبھی وہی فرشتہ آپؐ کو سدرۃ المنتہیٰ یعنی عالم مادی کی آخری سرحد پر ملتا ہے۔ اور وہاں آپ خدا کی عظیم الشان نشانیاں دیکھتے ہیں۔ (النجم ۱۳ تا ۱۸)

لیکن معراج محض مشاہدہ ومعائنہ تک محدود نہ تھی بلکہ اُس سے بھی اونچے درجے کی چیز تھی۔ اس کی مثال کچھ اس طرح کی ہے جیسے اقتدارِ اعلیٰ اپنے مقرر کردہ حاکم کو کسی اہم موقع پر براہ راست دارالسلطنت میں بلا کر کسی کارِ خاص پر مامور کرتا ہے اور اس کے لیے ضروری ہدایت دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس طرح بارگاہ خداوندی میں طلب کیا گیا تھا کیونکہ عنقریب تحریک اسلامی ایک اہم موڑ مڑنے والی تھی۔ اور اس موقع کی مناسبت سے آپؐ کو خاص ہدایات دینا مطلوب تھا۔ جس کا ذکر آگے چل کر تجلیات معراج میں آئے گا

بخاری، مسلم، مسند احمد، ابن جریر، حاکم، ابوہریرہ کی روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ اسراء کا آغاز حضورؐ کی چچازاد بہن اُم ہانی کے گھر سے ہوا۔

آپؐ کی سواری کے لیے ایک جانور پیش کیا گیا جس کا رنگ سفید تھا اور قد گدھے سے بڑا اور خچر سے کچھ چھوٹا تھا برق رفتار تھا۔ حضورؐ ام ہانی کے گھر جو کہ شعب ابی طالب میں

Marfat.com

تھلے سے نکلے۔ آپؐ کو مسجد حرام میں لے جایا گیا۔ براق اس قدر برق رفتار تھا کہ اُس کا ہر قدم حدِ نظر پر پڑتا تھا۔ آپؐ کی پہلی منزل مدینہ منورہ تھی۔ وہاں سے بیت المقدس پہنچے۔ اس کے بعد ایک سیڑھی آپؐ کے سامنے پیش کی گئی اور جبریلؑ اس کے ذریعے سے آپؐ کو آسمان کی طرف لے چلے۔ عربی زبان میں سیڑھی کو معراج کہتے ہیں اور اسی مناسبت سے یہ سارا واقعہ معراج کے نام سے مشہور ہوا۔ انہی مشاہدات کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ایک ایسے فرشتے سے ہوئی جو نہایت ترشروئی سے ملا۔ آپ نے جبریلؑ سے پوچھا۔ اب تک جتنے فرشتے ملے سب خندہ پیشانی اور بشاش چہروں کے ساتھ ملے۔ ان حضرت کی خشک مزاجی کا کیا سبب ہے؟ جبریلؑ نے کہا۔ اس کے پاس ہنسی کا کیا کام یہ تو دوزخ کا داروغہ ہے۔ یہ سُن کر آپ نے دوزخ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اُس نے یکایک آپؐ کی نظر کے سامنے سے پردہ اٹھا دیا۔ اور دوزخ اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ نمودار ہو گئی۔

پھر مزید ارتقا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ گئے جو پیش گاہ رب العزت اور عالم خلق کے درمیان حد فاصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پر تمام خلائق کا علم ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے ماورا جو کچھ ہے وہ غیب ہے جس کا علم نہ کسی نبی کو ہے نہ کسی مقرب فرشتے کو۔ سوائے اُس کے جسے اللہ اس میں سے کوئی علم دے دے۔ نیچے سے جو کچھ دیا جاتا ہے وہ یہاں لے لیا جاتا ہے۔ اور اوپر سے جو کچھ آتا ہے اُسے یہاں وصول کر لیا جاتا ہے۔ اسی مقام کے قریب آپؐ کو جنت کا مشاہدہ کرایا گیا اور آپ نے دیکھا کہ اللہ نے اپنے صالح بندوں کے لیے وہ کچھ مہیا کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی ذہن میں اس کا تصور تک گزر سکا۔

سدرۃ المنتہیٰ پر جبریلؑ ٹھہر گئے اور آپؐ تنہا آگے بڑھے۔ قسطلانی نے مواہب میں حوالہ دیے بغیر یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جبریلؑ جب اپنے مقام پر پہنچے

تو انہوں نے کہا کہ اب آگے آپؐ کا اور آپؐ کے رب کا معاملہ ہے۔ میرا مقام یہ ہے جس سے آگے میں نہیں جا سکتا۔ جس کی تشریح منجم وجوتشی یہ کرتے ہیں کہ فلک اول قمر کا ہے۔ موکل اس کا اسمائیل ہے۔ فلک دوم عطارد کا ہے اور موکل اس کا یوحائیل ہے۔ فلک سوم زہرہ کا ہے اور موکل اس کا صورائیل ہے۔ فلک چہارم شمس کا ہے اور موکل اس کا اسرافیل ہے۔ فلک پنجم مریخ کا ہے۔ اور موکل اس کا عزرائیل ہے۔ فلک ششم مشتری کا ہے اور موکل اس کا میکائیل ہے۔ فلک ہفتم زحل کا ہے اور موکل اس کا جبرائیل ہے۔

یہ ترتیب جو بیان کی گئی ہے فرضی نہیں۔ ہر فلک کے ساتھ ستارہ کا تعلق ہے۔ ستارہ کسی خاص فرشتے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور پھر اس ستارہ سے دن کا خاص تعلق نام نہاد نہیں۔ قدرت اتنے بڑے نظام کے تعلقات کو فرضی پیمانوں پر قائم نہیں کرتی۔ اگر ایسا ہوتا تو قدرت کی اکملیت میں فرق ہوتا۔

اس علم کو جاننے کے لیے جو تحقیق کی گئی ہے وہ حیران کن ہے۔ اس تحقیق نے علم جفر کو وضع کیا اور عالمانِ جفر نے ایک قاعدہ میزان الہیاکل والحروف کو وضع کیا۔ جس سے دنیا کی ہر چیز کا اس کے اسم سے تجزیہ کیا جاتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ ملائکہ کیا ہیں۔ ان کے لیے خاص کام کیوں مقرر ہیں۔ ان کے نام کیوں ہیں؟

ان سوالات کے جواب میں عالمان علم الجفر جو کچھ کہتے ہیں اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

فلک ہفتم زحل کا ہے۔ یہ مقام جبریلؑ ہے۔ اس سے اگلا مقام یعنی آٹھواں آسمان لوح محفوظ کا ہے۔ یہی عرش ہے۔ علم النجوم کی اصطلاح میں یہی مقام دائرۃ البروج ہے جب پیغمبر خدا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، شب معراج آسمان پر لامکان کی طرف تشریف لے گئے تو جبریلؑ اپنے مقررہ مقام سے آگے نہ جا سکے۔ اس لیے کہ ان کی پہنچ یہیں تک تھی۔ یہی ان کا مقام تھا۔ اور جہاں تک حضرت جبریل کی پہنچ ہے وہاں تک دوسرے

ملائک کی نہیں۔ چونکہ مقام جبریلؑ مقام الوہیت سے قریب ترین ہے اس لیے انہیں سلسلہ وحی کا وسیلہ ذات حق نے بنایا۔ یہ خاکی مقام ہے۔ اس کا تعلق خاک سے ہے۔ اس سے زمین کی متعلقہ تمام چیزوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔

مشتری فلک ششم پر ہے جو مقام میکائیل ہے۔ اور مذہبی نقطہ نظر سے میکائیل کا کام یہ ہے کہ وہ ہواؤں اور فضاؤں کا منتظم ہے۔ سائنس دان یہ بتاتے ہیں کہ یہ زمین کی فضا سے کئی گنا بڑا ہے۔ یہ دنیا کی فضا کو انتہائی گرم یا انتہائی سرد کرنے میں مدد دیتا ہے۔ علم ہیئت کے ماہرین یہ بتلاتے ہیں کہ اس کے اثرات انسانوں اور حیوانوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

مریخ فلک پنجم پر ہے جس کا فرشتہ عزرائیل ہے۔ مذہبی کتب کی رو سے عزرائیل ملک الموت ہے اور لوگوں کی روحیں قبض کرنے کا کام قدرت نے اس کے سپرد کیا ہوا ہے۔ علم نجوم کی رو سے مریخ خونی ستارہ کہلاتا ہے۔ ہندو اسے بدھ دیوتا کہتے ہیں مغرب کے ستارہ شناسوں کے نزدیک مریخ سیارۂ جنگ وجدل ہے۔

سائنس یہ کہتی ہے کہ مریخ سے جو شعائیں زمین پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ وہ نارنجی سرخ ہوتی ہیں۔ اور تخریب سے متعلق امور کو لاتی ہیں۔ سائنس دان مریخ میں بڑی دلچسپی رکھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ مریخ سے ریڈیائی پیغام اہل زمین کو موصول ہو رہے ہیں۔ وہاں کے لوگ ہم سے زیادہ علم اور سائنس میں ترقی کر چکے ہیں۔ سائنس دان مریخی لوگوں سے تعلقات قائم کرنے اور وہاں تک پہنچنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔

شمس فلک چہارم پر ہے۔ یہ عین درمیان میں واقع ہے۔ اس سے دو فلک اوپر آتشی (مریخ و مشتری) کے ہیں۔ اس سے دو نیچے فلک (زہرہ و عطارد) بادی ہیں۔ اور یہ چاروں فلک ایسے لطیف کرّے ہیں کہ اسے زندگی اور توانائی دیتے ہیں۔ کیونکہ آتش و باد ایک دوسرے کی زندگی کے ضامن ہیں۔ سائنس کہتی ہے کہ ہوا کے بغیر آگ نہیں روشن

Marfat.com

ہوسکتی۔ لہٰذا دونوں کروں کے درمیان سورج جیسی عظیم قوت کا رکھنا قدرت کا کتنا بڑا راز ہے۔

یہ مقام مذہبی نقطۂ نظر سے اسرافیل سے متعلق ہے جو منہ میں صور لیے اس امر کا منتظر بیٹھا ہے کہ اسے پھونکے اور اس کی آواز قیامت برپا کردے۔ دنیا کی ہر چیز ریزہ ریزہ ہوجائے موجودہ سائنس یہ کہتی ہے کہ سورج زمین پر زندگی کا منبع ہے۔ سورج کی حرارت کی کمی بیشی زمین پر تباہی کا باعث ہوگی۔ مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنے والوں نے پڑھا ہوگا کہ قیامت کے دن سورج سوا نیزے پر آجائے گا۔

چونکہ سورج نظام شمسی کا بادشاہ ہے اور تمام سیارگان اس کے گرد گھومتے ہیں یہ ہمیں روشنی اور گرمی دیتا ہے۔ اس کی مقناطیسی قوت ہی حرکت کا باعث ہے اس لیے سورج کے جو اثرات زمین پر پڑتے ہیں اس سے حیوانات، جمادات اور نباتات متاثر ہوتے ہیں۔

چاروں مشہور ملائکہ جو مذکورہ بالا آسمانوں پر متعین ہیں۔ ان کے ذمہ کچھ کام ہیں۔ انہیں کو علمائے علم ہیئت نے مقام سیارگان کے نام اور اثرات سے بیان کیا ہے۔ صرف طرز بیان اور تحقیق الگ الگ ہے نتیجہ ایک ہی برآمد ہوتا ہے۔

زہرہ فلک سوم پر ہے۔ یہ سورج اور زمین کے درمیان ہے۔ یہ ایک چمکدار ستارہ ہے جسے صبح اور شام بآسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کو صبح کا ستارہ بھی کہتے ہیں۔

عطارد فلک دوم پر ہے۔ یہ سورج سے بہت زیادہ نزدیک ہے۔ نجومی کہتے ہیں کہ عطاردی ساعات میں تحریری معاہدات زیادہ مفید رہتے ہیں۔

قمر فلک اول پر ہے۔ یہ ہمارے فزیکل معاملات سے متعلق ہے۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر معراج سفر معرفت بھی تھا۔ جس میں حضورؐ نے حیرت انگیز تخلیقی و تکوینی معلومات سے آگاہی پائی۔ اللہ کی عظمتوں کو پہچانا۔ اور یہی معرفت الٰہیہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے خدا سے پوچھا۔

Marfat.com

"اے رب تو نے مخلوق کو کیوں پیدا کیا"؟

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا

"تاکہ میں پہچانا جاؤں"۔

اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ:

صحابہؓ نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ کونسا عمل افضل ہے"؟

آپؐ نے فرمایا۔

"خدائے پاک کا علم"۔

صحابہؓ نے کہا۔

"آپ کونسا علم مراد لے رہے ہیں"؟

فرمایا۔

"خدائے پاک کا علم"۔

صحابہؓ نے کہا۔

"ہم عمل کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں۔ آپؐ علم کے متعلق جواب دے رہے ہیں"۔

آپؐ نے فرمایا

"خدا کے علم کے ساتھ ساتھ تھوڑا عمل بھی نفع دیتا ہے اور جہالت کے ساتھ زیادہ علم بھی فائدہ نہیں دیتا"۔

تجلیاتِ معراج

بارگاہ جلال وجمال سامنے تھی۔ ہم کلامی کا شرف بخشا گیا۔ تجلیاتِ خداوندی کا ایک بیکراں و بے پایاں سلسلہ تھا جس کی کوئی انتہا نہ تھی۔ حضورؐ کی نگاہ اُن تجلیات کو دیکھ کر نہ چندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئیں۔ یعنی ایک طرف آپؐ کے کمال تحمل کا یہ حال تھا کہ ایسی زبردست تجلیات کے سامنے بھی آپؐ کی نگاہ میں کوئی چکاچوند پیدا نہ ہوئی اور آپؐ پورے سکون کے ساتھ ان کو دیکھتے رہے۔ دوسری طرف آپؐ کے ضبط و یکسوئی کا یہ کمال تھا کہ جس مقصد کے لیے آپؐ کو بلایا گیا تھا اسی پر آپؐ اپنے ذہن اور اپنی نگاہ کو مرکوز کیے رہے۔ اور توجہ اُس مقصد پر مرتکز تھی جس کے لیے آپؐ کو دربار بارگاہی میں بلایا گیا تھا۔

کیا حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا؟

حضرت موسیٰؑ کے متعلق قرآنِ مجید میں فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی درخواست کی تھی اور انہیں جواب دیا گیا تھا کہ "لن ترانی"، "تم مجھے نہیں دیکھ سکتے"

(الاعراف ۱۴۳)

اب یہ ظاہر ہے کہ اگر یہ شرف جو حضرت موسیٰؑ کو عطا نہیں کیا گیا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دیا جاتا تو اس کی اہمیت خود ایسی تھی کہ اسے صاف الفاظ میں بیان کر دیا جاتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں کہیں یہ نہیں فرمایا گیا کہ حضورؐ نے اپنے رب کو دیکھا

Marfat.com

بلکہ واقعۂ معراج کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ بنی اسرائیل میں بھی یہ ارشاد ہوا کہ ہم اپنے بندے کو اس لیے لے گئے تھے کہ اس کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔

لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا

اور یہاں سدرۃ المنتہیٰ پر حاضری کے سلسلے میں بھی یہ فرمایا گیا ہے کہ "اُس نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى

بخاری، کتاب التفسیر میں حضرت مسروق کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضؓ سے عرض کیا۔

"اماں جان! کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟"

ام المومنین رضؓ نے جواب دیا۔

"تمہاری اس بات سے میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ تم یہ کیسے بھول گئے کہ تین باتیں ایسی ہیں جن کا اگر کوئی شخص دعویٰ کرے تو جھوٹا دعویٰ کرے گا"

ان میں سے پہلی بات حضرت عائشہ رضؓ نے یہ فرمائی کہ جو شخص تم سے یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا وہ جھوٹ کہتا ہے۔ کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اُس سے کلام کرے مگر یا تو وحی کے طور پر یا پردے کے پیچھے سے، یا یہ کہ ایک فرشتہ بھیجے اور وہ اس پر وحی کرے جو کچھ وہ چاہے۔ طبرانی اور ابن مردویہ نے ابن عباس رضؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔ ایک مرتبہ آنکھوں سے اور دوسری مرتبہ دل سے۔

اب رہیں دوسری روایات جو کتب حدیث میں منقول ہوئی ہیں وہ ایک دوسری سے بالکل مختلف ہیں۔ کسی میں دونوں رویتوں کو عینی کہا گیا ہے اور کسی میں ایک کو عینی اور دوسری کو قلبی۔ جب کہ علمائے اہل تشیع یہ کہتے ہیں کہ مقام اتصال پر چھائی بیکراں

Marfat.com

تجلیوں سے ایک ہاتھ نمودار ہوا جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے مشابہ تھا اور اُس کی درمیانی انگلی میں وہی انگوٹھی تھی جو کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ کی انگلی میں تھی اور پھر ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جنابِ امیر سفرِ معراج میں حضورؐ کے ہمرکاب تھے اور اس کی دلیل حضورؐ کے یہ فرامین پیش کرتے ہیں۔

لحمك لحمی ۔ دمك دمی ۔ روحك روحی نفسك نفسی

انت منی وانا منك ہ علی منی بمنزلة الراس من

جسدی ہ

علمائے اہل تشیع کا استفسار یہ ہے کہ کیا حضورؐ بغیر گوشت، خون، روح اور نفس کے معراج پر تشریف لے گئے تھے ؟ معاذ اللہ ایسا ہرگز نہ تھا تو پھر اگر ان عوارض سمیت معراج ہوئی تو بقول رسولؐ صادق حضرت علیؑ بھی گئے تھے۔ مزید معلومات کے لیے "مناقب مرتضوی"، محمد صالح کشفی چشتی ملاحظہ فرمائیں۔

مقام قاب قوسین میں ہم کلامی کا شرف بخشا گیا اور جو باتیں ارشاد ہوئیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ ہر روز پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔

۲۔ سورۂ بقر کی آخری دو آیتیں تعلیم فرمائی گئیں۔

۳۔ شرک کے سوا دوسرے سب گناہوں کی بخشش کا ارشاد ہوا۔

۴۔ ارشاد ہوا کہ جو شخص نیکی کا ارادہ کرتا ہے اس کے حق میں ایک نیکی لکھ لی جاتی ہے اور جب وہ اس پر عمل کرتا ہے تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ مگر جو برائی کا ارادہ کرتا ہے اس کے خلاف کچھ نہیں لکھا جاتا اور جب وہ اس پر عمل کرتا ہے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔

ابتدائً ۵۰ نمازوں کا فرض کیا جانا تو معراج کے بارے میں تمام احادیث کا متفق علیہ بیان ہے۔ باقی اُمور حسب ذیل روایات میں مذکور ہیں۔

Marfat.com

مسلم، نسائی، ترمذی، بیہقی، مسند احمد، مسلم، بروایت انس بن مالک، ابن جریر ابن ابی حاتم۔ ابن مردویہ۔

پیشیٔ خداوندی سے واپسی پر آنحضورؐ نیچے اترے تو حضرت موسیٰ سے ملاقات ہوئی انہوں نے روداد سن کر کہا۔

"میں بنی اسرائیل کا تلخ تجربہ رکھتا ہوں۔ میرا اندازہ ہے کہ آپؐ کی امت پچاس نمازوں کی پابندی نہیں کر سکتی۔ جائیے اور کمی کے لیے عرض کیجیے"۔

آنحضورؐ گئے اور اللہ جل شانہ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ پلٹے تو حضرت موسیٰؑ نے پھر وہی بات کہی۔ اُن کے کہنے پر آپؐ بار بار اوپر جاتے رہے اور ہر بار دس نمازیں کم کی جاتی رہیں۔ آخر پانچ نمازوں کی فرضیت کا حکم ہوا اور فرمایا گیا کہ یہی پچاس کے برابر ہیں۔

جس رات معراج ہوئی اس کے بعد دو دن تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل علیہ السلام ہر نماز کے وقت حضورؐ کے پاس یہ بتانے کے لیے آتے رہے کہ جو پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں ان کو ادا کرنے کے اوقات کیا ہیں۔

انہوں نے ہر نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امامت میں پہلے دن اول وقت پڑھائی اور دوسرے دن آخر وقت۔ پھر کہا کہ ہر نماز کا وقت ان دونوں اوقات کے درمیان ہے۔

یہ روایت امام احمد، نسائی، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت جابر بن عبداللہ سے نقل کی ہے اور امام بخاری نے اسے اوقاتِ نماز کے معاملہ میں صحیح ترین چیز قرار دیا ہے۔

معراج کے اس سفر سے واپس آکر جو پیغام اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو دیا وہ قرآن مجید کی سترہویں سورۃ بنی اسرائیل (آیت ۲ تا ۳۹) میں لفظ بلفظ محفوظ ہے۔

یہ ہدایات ہجرت سے ایک سال پہلے دی گئی تھیں۔ آپؐ کو ایک اسلامی اصولوں

Marfat.com

پر ایک نئی ریاست کا سنگ بنیاد رکھنا تھا۔ نبیؐ اور اصحاب نبیؐ کو انہی ہدایات پر آگے کام کرنا تھا۔

اس پیغام میں معراج کا ذکر کرنے کے بعد سب سے پہلے بنی اسرائیل کی تاریخ سے عبرت دلائی گئی ہے۔ مصریوں کی غلامی سے نکل کر بنی اسرائیل نے جب آزاد زندگی شروع کی تھی تو خداوندِ عالم نے اُن کی رہنمائی کے لیے کتاب عطا فرمائی تھی اور تاکید کر دی تھی کہ میرے سوا اب اپنے معاملات میں کسی اور کی ہدایت پر اعتماد نہ کرنا۔ مگر بنی اسرائیل نے خدا کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے بجائے کفرانِ نعمت کیا۔ اور وہ زمین پر مصلح بننے کے بجائے مفسد و سرکش بن گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے ایک مرتبہ ان کو بابل والوں سے پامال کرایا اور دوسری مرتبہ رومیوں کو اُن پر مسلط کر دیا۔

اس سبق آموز تاریخ کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبردار کر دیا کہ صرف قرآن ہی وہ چیز ہے جو تمہیں ٹھیک ٹھیک راستہ بتائے گی۔ اس کی پیروی میں کام کرو گے تو تمہارے لیے بڑے انعام کی بشارت ہے۔

دوسری اہم حقیقت جس کی طرف توجہ دلائی گئی وہ یہ ہے کہ ہر انسان خود اپنی ایک مستقل اخلاقی ذمہ داری رکھتا ہے۔ اس کا اپنا عمل اس کے حق میں فیصلہ کُن ہے۔ سیدھا چلے گا تو آپ اپنا بھلا کرے گا۔ غلط راستہ اختیار کرے گا تو خود ہی نقصان اٹھائے گا۔ اس شخصی ذمہ داری میں کوئی کسی کا شریک نہیں۔ نہ کسی کا بار دوسرے پر پڑ سکتا ہے لہٰذا ایک صالح معاشرے کے ہر ہر فرد کو اپنی ذاتی ذمہ داری پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ دوسرے جو کچھ بھی کر رہے ہوں اسے پہلی فکر یہ ہونی چاہیے کہ وہ خود کیا کر رہا ہے۔

تیسری بات جس پر متنبہ کیا گیا وہ یہ ہے کہ ایک معاشرے کو آخر کار جو چیز تباہ کرتی ہے وہ اس کے بڑے لوگوں کا بگاڑ ہے۔ جب کسی قوم کی شامت آنے کو ہوتی ہے تو اس کے خوشحال اور صاحبِ اقتدار لوگ فسق و فجور پر اتر آتے ہیں۔ ظلم و ستم اور بدکاریاں کرنے لگتے ہیں

Marfat.com

آخر یہی فتنہ پوری قوم کو لے ڈوبتا ہے۔ لہٰذا جو معاشرہ آپ اپنا دشمن نہ ہونا سے فکر رکھنی چاہیے کہ اس کے ہاں سیاسی اقتدار کی باگیں اور معاشی دولت کی کنجیاں کم ظرف اور بد اخلاق لوگوں کے ہاتھوں میں نہ جانے پائیں۔

پھر مسلمانوں کو وہ بات یاد دلائی گئی جو قرآن میں بار بار دہرائی جاتی رہی ہے کہ اگر تمہارے پیش نظر صرف یہی دنیا اور اس کی کامیابیاں اور خوشحالیاں ہوں تو یہ سب کچھ تمہیں مل سکتا ہے، مگر اُس کا انجام بہت بُرا ہے۔ مستقل اور پائیدار کامیابی جو اس زندگی سے لے کر دوسری زندگی تک کہیں نامرادی سے داغ دار نہیں ہونے پاتی تمہیں صرف اسی صورت میں مل سکتی ہے جب کہ تم اپنی کوششوں میں آخرت اور اُس کی باز پرس کو پیش نظر رکھو۔ دنیا پرست کی خوشحالی بظاہر تعمیر کی شان رکھتی ہے لیکن اس تعمیر میں ایک بہت بڑی خرابی کی صورت بھی مضمر ہے۔ وہ اخلاق کی اُس فضیلت سے محروم رہتا ہے جو صرف آخرت کی جوابدہی کا احساس رکھنے ہی سے پیدا ہوا کرتی ہے۔

یہ فرق تم دنیا ہی میں دونوں طرح کے آدمیوں کے درمیان دیکھ سکتے ہو۔ یہی فرق بعد کے منازل حیات میں اور زیادہ نمایاں ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ ایک کی زندگی سراسر ناکامی اور دوسرے کی زندگی سراسر کامیابی بن کر رہے گی۔

ان تمہیدی نصیحتوں کے بعد وہ بڑے بڑے اصول بیان کیے گئے ہیں جن پر آئندہ اسلامی ریاست اور معاشرے کی تعمیر ہونی تھی۔ یہ چودہ اصول ہیں اور ہم انہیں اسی ترتیب سے پیش کرتے ہیں جس طرح وہ معراج کے اس پیغام میں بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) خدائے واحد کے سوا کسی کی خداوندی نہ مانی جائے۔ صرف وہی تمہارا معبود ہو۔ اس کی بندگی و اطاعت کرو۔ اسی کے حکم کی پیروی تمہارا شعار ہو۔

اگر اس کے علاوہ کسی اور کا اقتدارِ اعلیٰ تم نے تسلیم کر لیا خواہ وہ کوئی غیر ہو یا تمہارا اپنا نفس۔ تو آخر کار تم قابلِ مذمت بن کر رہو گے۔ اور ان برکتوں سے محروم ہو جاؤ گے

Marfat.com

جو صرف خدا کی تائید سے ہی حاصل ہوا کرتی ہیں۔

(۲) انسانی حقوق میں سب سے اہم اور مقدم حق والدین کا ہے۔ اولاد کو والدین کا مطیع، خدمت گزار اور ادب شناس ہونا چاہیے۔ معاشرے کا اجتماعی اخلاق ایسا ہونا چاہیے جس میں اولاد والدین سے بے نیاز اور سرکش نہ ہو بلکہ ان سے نیک سلوک کرے ان کا احترام ملحوظ رکھے اور بڑھاپے میں ان کی وہی ناز برداری کرے جو کبھی بچپن میں وہ اس کی کر چکے ہیں۔ اس اجتماعی زندگی میں تعاون، ہمدردی اور حق شناسی و حق رسانی کی روح جاری و ساری رہے۔ ہر رشتہ دار اپنے دوسرے رشتہ دار کا مددگار ہو۔

ہر محتاج انسان دوسرے انسانوں سے مدد پانے کا حق دار ہو۔ ایک مسافر جس بستی میں بھی جائے اپنے آپ کو مہمان نواز لوگوں کے درمیان پائے۔

معاشرے میں حق کا تصور اتنا وسیع ہو کہ ہر شخص ان سب انسانوں کے حقوق اپنے اوپر محسوس کرے جس کے درمیان وہ رہتا ہے۔

ان کی کوئی خدمت کرے تو یہ سمجھے کہ وہ ان کا حق ادا کر رہا ہے نہ کہ احسان کا بوجھ ان پر لاد رہا ہے۔

اور اگر کسی خدمت کے قابل نہ ہو تو معذرت کرے اور خدا سے فضل مانگے تاکہ وہ دوسروں کے کام آسکے۔

(۴) لوگ اپنی دولت کو غلط طریقوں سے ضائع نہ کریں۔ فخر اور ریا اور نمائش کے خرچ عیاشی اور فسق و فجور کے خرچ جو انسان کی حقیقی ضروریات اور مفید کاموں میں صرف ہونے کے بجائے دولت کے غلط راستوں میں بہا دیں، دراصل خدا کی نعمت کا کفران ہیں۔

جو لوگ اس طرح اپنی دولت کو خرچ کرتے ہیں وہ حقیقت میں شیطان کے بھائی ہیں

Marfat.com

اور ایک صالح معاشرے کا فرض ہے کہ ایسے بے جا صرفِ مال کو اخلاقی تربیت اور قانونی پابندیوں کے ذریعہ سے روک دے۔

(۵) لوگوں میں اتنا اعتدال ہونا چاہیے کہ وہ نہ تو بخیل بن کر دولت کی گردش کو روکیں اور نہ فضول خرچ بن کر اپنی معاشی طاقت کو ضائع کریں۔

معاشرے کے افراد میں توازن کی ایک ایسی صحیح حس پائی جانی چاہیے کہ وہ بجا خرچ سے باز بھی نہ رہیں اور بے جا خرچ کی خرابیوں میں مبتلا بھی نہ ہوں۔

(۶) خدا نے اپنے رزق کی تقسیم کا جو نظام قائم کیا ہے انسان اپنی مصنوعی تدبیروں سے اس میں دخل انداز نہ ہو۔ اس نے اپنے سب بندوں کو رزق میں مساوی نہیں رکھا ہے بلکہ ان کے درمیان کم و بیش کا فرق رکھا ہے۔

اس کے اندر بہت سی مصلحتیں ہیں جن کو وہ خود ہی بہتر جانتا ہے۔ لہٰذا ایک صحیح معاشی نظام وہی ہے جو خدا کے مقرر کیے ہوئے اس طریقہ سے قریب تر ہو۔ فطری نامساوات کو ایک مصنوعی مساوات میں تبدیل کرنا یا نامساوات کو فطرت کی حدود سے بڑھا کر بے انصافی کی حد تک پہنچا دینا دونوں یکساں غلط ہیں۔

(۷) نسلوں کی افزائش کو اس ڈر سے روک دینا کہ کھانے والے بڑھ جائیں گے تو معاشی ذرائع تنگ ہو جائیں گے۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے جو لوگ اس اندیشے سے آنے والی نسل کو ہلاک کرتے ہیں وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ رزق کا انتظام ان کے ہاتھ میں ہے۔ حالانکہ رازق وہ خدا ہے جس نے انسانوں کو زمین میں بسایا ہے پہلے آنے والوں کے لیے بھی رزق کا سامان اُسی نے کیا تھا اور بعد کے آنے والوں کے لیے بھی وہی سامان کرے گا۔

جتنی آبادی بڑھتی ہے خدا اسی نسبت سے معاشی ذرائع بھی وسیع کر دیتا ہے لہٰذا لوگ خدا کے تخلیقی انتظامات میں بے جا دخل اندازی نہ کریں۔ اور کسی قسم کے

Marfat.com

حالات میں بھی ان کے اندر نسل کشی کا میلان پیدا نہ ہونے پائے۔

(۸) زنا عورت اور مرد کے تعلق کی ایک بالکل غلط صورت ہے۔ اس کو نہ صرف بند ہونا چاہیے بلکہ معاشرے کے اندر ان اسباب کا بھی سدباب کیا جانا چاہیے جو انسان کو اس کے قریب لے جاتے ہیں۔

(۹) انسانی جان کو اللہ تعالیٰ نے قابلِ احترام ٹھہرایا ہے۔ کوئی شخص نہ اپنی جان لینے کا حق رکھتا ہے نہ کسی دوسرے کی جان۔ خدا کی مقرر کی ہوئی یہ حرمت صرف اسی صورت میں ٹوٹ سکتی ہے جب کہ خدا ہی کا مقرر کیا ہوا کوئی حق اس کے خلاف قائم ہو جائے پھر حق قائم ہو جانے کے بعد بھی خونریزی صرف اسی حد تک ہونی چاہیے جہاں تک حق کا تقاضا ہو۔

قتل میں اسراف کی تمام صورتیں بند ہو جانی چاہیں۔ مثلاً جوشِ انتقام میں مجرم کے علاوہ دوسروں کو قتل کرنا جن کے خلاف حق قائم نہیں ہوا ہے، یا مجرم کو عذاب دے دے کر مارنا، یا مار دینے کے بعد اُس کی لاش کی بے حرمتی کرنا یا ایسی ہی دوسری انتقامی زیادتیاں جو دنیا میں رائج رہی ہیں۔

(۱۰) یتیموں کے مفاد کی اس وقت تک حفاظت ہونی چاہیے جب تک وہ خود اپنے بل بوتے پر کھڑے ہونے کے قابل نہ ہو جائیں۔ ان کے مال میں کوئی ایسا تصرف نہ ہونا چاہیے جو خود اُن کے مفاد کے لیے بہتر نہ ہو۔

(۱۱) عہد و پیمان خواہ افراد ایک دوسرے سے کریں یا ایک قوم دوسری قوم سے کرے بہر حال ایمانداری سے پورے کیے جائیں۔ معاہدوں کی خلاف ورزی پر خدا کے ہاں باز پرس ہوگی۔

(۱۲) ناپ اور پیمانے اور اوزان ٹھیک رکھے جائیں اور لین دین میں صحیح تول تولا جائے۔

(۱۳) تم کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کے صحیح ہونے کا تمہیں علم نہ ہو۔ اپنی سماعت اور

Marfat.com

بینائی کا اور اپنے دلوں کی نیتوں، خیالوں اور ارادوں کا تمہیں خدا کو حساب دینا ہوگا۔

(۱۴) زمین میں جباروں اور متکبروں کی چال نہ چلو۔ تم نہ اپنی اکڑ سے زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ اپنے غرور میں پہاڑوں سے سربلند ہو سکتے ہو۔

یہی وہ اصول تھے جن پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے پہنچ کر اسلامی سوسائٹی اور اسلامی ریاست کی تعمیر فرمائی۔

اسی سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے وہ دعا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھائی جسے دعائے ہجرت کہا جاتا ہے۔

ترمذی اور حاکم نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا اذن دیا گیا تھا۔

"اور اے نبی، دعا کرو کہ پروردگار مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔" (بنی اسرائیل۔ آیت ۸۰)

اس دعا کی تلقین سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کا وقت اب بالکل قریب آ لگا تھا۔ اس لیے فرمایا کہ تمہاری دعا یہ ہونی چاہیے کہ صداقت کا دامن کسی حال میں تم سے نہ چھوٹے۔ جہاں سے بھی نکلو صداقت کی خاطر نکلو اور جہاں بھی جاؤ صداقت کے ساتھ جاؤ۔

اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔ تاکہ اس کی طاقت میں سے دنیا کے بگاڑ کو دور کر سکوں۔ فواحش اور معاصی کے اس سیلاب کو روک سکوں۔ اور تیرے قانونِ عدل کو جاری کر سکوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام دنیا میں جو اصلاح چاہتا ہے وہ صرف وعظ و تذکیر سے نہیں ہو سکتی بلکہ اس کو عمل میں لانے کے لیے سیاسی طاقت بھی درکار ہے۔ پھر جب کہ یہ دعا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خود سکھائی ہے۔ اور حدیث میں

یہ الفاظ ملتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت سے اُن چیزوں کا سد باب کر دیتا ہے جن کا سدِ باب قرآن سے نہیں کرتا۔"

تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ اقامت دین اور نفاذِ شریعت اور اجرائے حدود اللہ کے لیے حکومت چاہنا اور اس کے حصول کی کوشش کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مطلوب و مندوب ہے۔ اور وہ لوگ غلطی پر ہیں جو اسے دنیا پرستی یا دنیا طلبی سے تعبیر کرتے ہیں۔ خدا کے دین کے لیے حکومت کا طالب ہونا تو خدا پرستی ہی کا عین تقاضا ہے۔

معراج ہی کے موقعہ پر سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئیں۔ ان آیات کا اختتام اس دعا پر ہوتا ہے۔

"اے ہمارے رب! ہم سے اگر بھول چوک میں کچھ قصور ہو گئے ہوں تو ان پر گرفت نہ کر۔ مالک ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔ پروردگار! جس بار کو اٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے وہ ہم پر نہ رکھ۔ ہمارے ساتھ نرمی کر۔ ہم سے درگزر فرما۔ ہم پر رحم کر۔ تو ہمارا مولیٰ ہے۔ پس کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔"

یہ بات پیشِ نظر رہے کہ یہ دعا ان حالات میں سکھائی گئی تھی۔ جب مکہ میں کفر و اسلام کی کشمکش انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ مسلمانوں پر مصائب و مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے بلکہ سرزمین عرب میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں کسی بندۂ خدا نے دین حق کی پیروی اختیار کی ہو۔ اور اس کے لیے خدا کی زمین پر سانس لینا دشوار نہ کر دیا گیا ہو۔

ان حالات میں مسلمانوں کو تلقین کی گئی کہ اپنے مالک سے اس طرح دعا مانگا کرو۔ ظاہر ہے کہ دینے والا خود ہی جب مانگنے کا ڈھنگ بتائے تو ملنے کا یقین آپ سے آپ پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ دعا اس وقت مسلمانوں کے لیے غیر معمولی تسکین قلب کا

موجب ہوئی۔ علاوہ بریں اس دُعا میں ضمناً مسلمانوں کو یہ بھی تلقین کر دی گئی کہ وہ اپنے جذبات کو کسی نامناسب رُخ پر نہ بہنے دیں بلکہ انہیں اس دعا کے سانچے میں ڈھال لیں۔

ایک طرف ان روح فرسا مظالم کو دیکھیے جو محض حق پرستی کے جرم میں ان لوگوں پر توڑے جا رہے تھے اور دوسری طرف اس دعا کو دیکھیے جس میں دشمنوں کے خلاف کسی تلخی کا شائبہ تک نہیں۔ ایک طرف ان جسمانی تکلیفوں اور مالی نقصانات کو دیکھیے جن میں یہ لوگ مبتلا تھے اور دوسری طرف اس دعا کو دیکھیے جس میں کسی دنیوی مفاد کی طلب کا ادنیٰ نشان تک نہیں۔ ایک طرف ان حق پرستوں کی انتہائی خستہ حالی کو دیکھیے اور دوسری طرف ان بلند و پاکیزہ جذبات کو دیکھیے جن سے یہ دعا لبریز ہے۔ اس تقابل ہی سے صحیح اندازہ ہو سکتا ہے کہ اُس وقت اہل ایمان کو کس طرز کی اخلاقی و روحانی تربیت دی جا رہی تھی۔

معراج کے پیغام میں مسلمانوں کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف بھی توجہ دلائی گئی تھی کہ وہ ذمہ داریاں کیا ہیں۔

وہ صرف یہی نہیں ہیں کہ آپ خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر ایمان لائیں۔ وہ صرف اتنی بھی نہیں ہیں کہ آپ نماز پڑھیں۔ روزہ رکھیں۔ حج کریں اور زکوٰۃ دیں۔ وہ صرف اتنی بھی نہیں ہیں کہ آپ نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ معاملات میں اسلام کے مقرر کیے ہوئے ضابطے پر عمل کریں۔ بلکہ ان سب کے علاوہ ایک بڑی اور بہت بھاری ذمہ داری آپ پر بھی عائد ہوتی ہے کہ آپ تمام دنیا کے سامنے اُس حق کے گواہ بن کر کھڑے ہوں جس پر آپ ایمان لائے ہیں۔

مسلمان کے نام سے آپ کو ایک مستقل امت بنانے کی واحد غرض جو قرآن حکیم میں بیان کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ آپ تمام بندگان خدا پر شہادت حق کی حجت پوری کریں۔

یہ آپ کی امت کا عین مقصد وجود ہے جسے آپ نے پورا نہ کیا تو گویا اپنی زندگی

Marfat.com

ہی اکارت گنوادی۔ یہ آپ پر خدا کا عائد کیا ہوا فرض ہے کیونکہ خدا کا حکم یہ ہے کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو خدا کی خاطر اٹھنے والے اور ٹھیک ٹھیک راستی کی گواہی دینے والے بنو۔ اور یہ نرا حکم ہی نہیں تاکیدی حکم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جس کے پاس اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس فرض کو انجام نہ دینے کا نتیجہ کیا ہے آپ سے پہلے اس گواہی کے کٹہرے میں یہودی کھڑے کیے گئے تھے مگر انہوں نے کچھ تو حق کو چھپایا اور کچھ حق کے خلاف گواہی دی اور فی الجملہ حق کے نہیں بلکہ باطل کے گواہ بن کر رہ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے انہیں دھتکار دیا اور ان پر وہ پھٹکار پڑی کہ ذلت و خواری اور پستی و بدحالی ان پر مسلط ہو گئی اور وہ اللہ کے عذاب میں گھر گئے۔

یہ شہادت جس کی ذمہ داری آپ پر ڈالی گئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو حق آپ کے پاس آیا ہے۔ جو صداقت و حقیقت آپ پر منکشف کی گئی ہے، آپ دنیا کے سامنے اس کے حق اور صداقت ہونے پر اور اس کے راہ راست ہونے پر گواہی دیں۔

ایسی گواہی جو اس کے حق اور راستی ہونے کو مبرہن کر دے اور دنیا کے لوگوں پر دین کی حجت پوری کر دے۔ اسی شہادت پر انبیاء علیہم السلام دنیا میں بھیجے گئے تھے اور اس کا ادا کرنا ان پر فرض تھا۔

پھر یہی شہادت تمام انبیاء کے بعد ان کی امتوں پر فرض ہوتی رہی۔ اور اب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ فرض امت مسلمہ پر بحیثیت مجموعی اسی طرح عائد ہوتا ہے جس طرح حضورؐ پر آپؐ کی زندگی میں شخصی حیثیت سے عائد تھا۔

اس گواہی کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ نوع انسانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے باز پرس اور جزا و سزا کا جو قانون مقرر کیا ہے اس کی ساری بنیاد ہی اس گواہی پر ہے اللہ تعالیٰ حکیم و رحیم اور قائم بالقسط ہے۔ اس کی حکمت و رحمت اور اس کے انصاف

Marfat.com

سے یہ بعید ہے کہ لوگوں کو اس کی مرضی نہ معلوم ہو اور وہ انہیں اس بات پر پکڑے کہ وہ اس کی مرضی کے خلاف چلے۔ لوگ نہ جانتے ہوں کہ راہِ راست کیا ہے اور ان کی کج روی پر ان سے مواخذہ کرے۔ لوگ اس سے بے خبر ہوں کہ ان سے کسی چیز کی باز پرس ہونی ہے اور وہ انجانی چیز کی ان سے باز پرس کرے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آفرینش کی ابتدا ہی ایک پیغمبر سے کی اور پھر وقتاً فوقتاً بے شمار پیغمبر بھیجے تاکہ وہ نوع انسانی کو خبردار کریں کہ تمہارے معاملے میں تمہارے خالق کی مرضی یہ ہے۔ تمہارے لیے دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے یہ رویہ ہے جس سے تم اپنے مالک کی رضا کو پہنچ سکتے ہو۔ یہ کام ہیں جو تم کو کرنے چاہییں۔ یہ کام ہیں جن سے تم کو بچنا چاہیے۔ اور یہ امور ہیں جن کی تم سے باز پرس کی جائے گی۔

یہ شہادت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں سے دلوائی۔ اس کی غرض قرآن مجید میں صاف صاف یہی بتائی گئی ہے کہ لوگوں کو اللہ پر یہ حجت قائم کرنے کا موقع باقی نہ رہے کہ ہم بے خبر تھے اور آپ ہمیں اس چیز پر پکڑتے ہیں جس سے ہم کو خبردار نہ کیا گیا تھا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی حجت اپنے اوپر سے اتار کر پیغمبروں پر ڈال دی اور پیغمبر اس اہم ذمہ داری کے منصب پر کھڑے کر دیے گئے کہ اگر وہ شہادت حق کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کر دیں تو لوگ اپنے اعمال پر خود باز پرس کے مستحق ہوں اور اگر ان کی طرف سے ادائے شہادت میں کوتاہی ہو تو لوگوں کی گمراہی و کجروی کا مواخذہ پیغمبروں سے کیا جائے۔

دوسرے الفاظ میں پیغمبروں کے منصب کی نزاکت یہ تھی کہ یا تو وہ حق کی شہادت ٹھیک ٹھیک ادا کر کے لوگوں پر حجت قائم کریں ورنہ لوگوں کی حجت الٹی ان پر قائم ہو گئی جاتی تھی کہ خدا نے حقیقت کا جو علم آپ حضرات کو دیا تھا وہ آپ نے ہمیں نہ پہنچایا اور جو صحیح طریق زندگی اس نے آپ کو بتایا تھا وہ آپ نے ہمیں نہ بتایا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے اوپر اس ذمہ داری کے بار کو شدت کے ساتھ محسوس کرتے تھے اور اسی بنا پر انہوں نے اپنی طرف سے حق کی شہادت ادا کرنے اور لوگوں پر حجت تمام کر دینے کی جان توڑ کوششیں کیں

Marfat.com

پھر انبیاء کے ذریعہ سے جن لوگوں نے حق کا علم اور ہدایت کا راستہ پایا وہ ایک امت بناتے گئے اور وہی منصبِ شہادت کی ذمہ داری، جس کا بار انبیاء پر ڈالا گیا تھا اب اس امت کے حصہ میں آئی۔

انبیاء کی قائم مقام ہونے کی حیثیت سے اس کا یہ مقام قرار پایا کہ اگر یہ امت شہادت کا حق ادا کرے اور لوگ درست نہ ہوں تو یہ اجر پائے گی اور لوگ پکڑے جائیں اور یہ حق کی شہادت دینے میں کوتاہی کرے، یا حق کے بجائے الٹی باطل کی شہادت دینے لگے تو لوگوں سے پہلے یہ پکڑی جائے گی۔ اس سے خود اس کے اعمال کی باز پرس بھی ہوگی اور ان لوگوں کے اعمال کی بھی جو اس کے صحیح شہادت نہ دینے یا غلط شہادت دینے کی وجہ سے گمراہ اور مفسد اور غلط کار رہے۔

یہ ہے شہادتِ حق کی وہ نازک ذمہ داری جو مجھ پر، آپ پر اور ان سب لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو اپنے کو امتِ مسلمہ کہتے ہیں۔ اور جن کے پاس خدا کی کتاب اور ان کے انبیاء کی ہدایت پہنچ چکی ہے۔ اب دیکھیے کہ اس شہادت کے ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

شہادتیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک قولی شہادت۔ دوسری عملی شہادت۔ قولی شہادت کی صورت یہ ہے کہ ہم زبان اور قلم سے دنیا پر اس حق کو واضح کریں جو انبیاء کے ذریعہ ہمیں پہنچا سمجھانے اور دل نشین کرنے کے جتنے طریقے ممکن ہیں ان سب سے کام لے کر تبلیغ و دعوت اور نشر و اشاعت کے جتنے ذرائع ممکن ہیں ان سب کو استعمال کر کے، علوم و فنون نے جس قدر مواد فراہم کیا ہے وہ سب اپنے ہاتھ میں لے کر، ہم دنیا کو اس دین کی تعلیم سے روشناس کریں جو خدا نے انسان کے لیے مقرر کیا ہے۔ فکر و اعتقاد میں اخلاق و سیرت میں، تمدن و معاشرت میں کسب معاش اور لین دین میں، قانون اور نظم عدالت میں، سیاست اور تدبیر مملکت میں بین الانسانی معاملات کے تمام دوسرے پہلوؤں میں، اس دین نے انسان کی رہنمائی کے جو کچھ پیش کیا ہے اسے ہم خوب کھول کھول کر بیان کریں۔ دلائل اور شواہد سے اس کا حق

Marfat.com

ثابت کردیں۔ اور جو کچھ اس کے خلاف ہے اس پر معقول تنقید کر کے بتائیں کہ اس میں کیا خرابی ہے اس قولی شہادت کا حق ادا نہیں ہو سکتا جب تک کہ امت مجموعی طور پر ہدایت خلق کے لیے اسی طرح فکر مند نہ ہو جس طرح انبیاء علیہم السلام انفرادی طور پر اس لیے فکر مند رہا کرتے تھے۔ یہ حق ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ کام ہماری تمام اجتماعی کوششوں اور قومی سعی و جہد کا مرکزی نقطہ ہو۔ ہم اپنے دل و دماغ کی ساری قوتیں اور اپنے سارے وسائل و ذرائع اس پر لگا دیں۔ ہمارے تمام کاموں میں یہ مقصد لازماً ملحوظ رہے۔ اور اپنے درمیان سے کسی ایسی آواز کے اٹھنے کو تو کسی حال میں ہم برداشت ہی نہ کریں جو حق کے خلاف شہادت دینے والی ہو۔

رہی عملی شہادت تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی زندگی میں اُن اصولوں کا عملاً اظہار کریں جن کو ہم حق کہتے ہیں۔ دنیا صرف ہماری زبان ہی سے ان کی صداقت کا ذکر نہ سنے بلکہ خود اپنی آنکھوں سے خود ہماری زندگی میں ان کی خوبیوں اور برکتوں کا مشاہدہ کر لے۔ وہ ہمارے برتاؤ میں اس شیرینی کا ذائقہ چکھ لے جو ایمان کی حلاوت سے انسان کے اخلاق و معاملات میں پیدا ہوتی ہے وہ خود دیکھ لے کہ اس دین کی راہنمائی میں کیسے اچھے انسان بنتے ہیں کیسی عادل سوسائٹی تیار ہوتی ہے۔ کیسی صالح معاشرت وجود میں آتی ہے۔ کس قدر ستھرا اور پاکیزہ تمدن پیدا ہوتا ہے کیسے صحیح خطوط پر علوم و آداب اور فنون کا نشو و نما ہوتا ہے۔ کیسا منصفانہ، ہمدردانہ اور بے نزاع معاشی تعاون رونما ہوتا ہے۔ انفرادی و اجتماعی زندگی کا ہر پہلو کس طرح سدھر جاتا ہے۔ سنور جاتا ہے۔ اور بھلائیوں سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ اس شہادت کا حق صرف اس طرح ادا ہو سکتا ہے کہ ہم فرداً فرداً بھی اور قومی حیثیت سے بھی اپنے دین کی حقانیت پر مجسم شہادت بن جائیں۔ ہمارے افراد کا کردار اس صداقت کا ثبوت دے۔ ہمارے گھر اس کی خوشبو سے مہکیں۔ ہماری دکانیں اور ہمارے کارخانے اس کی روشنی سے جگمگائیں ہمارے ادارے اور ہمارے مدرسے اس کے نور سے منور ہوں۔

Marfat.com

ہمارا لٹریچر اور ہماری صحافت اس کی خوبیوں کی سند پیش کرے۔ ہماری قومی پالیسی اور اجتماعی سعی و جہد اس کے برحق ہونے کی روشن دلیل ہو۔

غرض ہم سے جہاں اور جس حیثیت میں بھی کسی شخص یا قوم کو سابقہ پیش آئے وہ ہمارے شخصی اور قومی کردار میں اس بات کا ثبوت پالے کہ جن اصولوں کو ہم حق سمجھتے ہیں حق کہتے ہیں وہ واقعی حق ہیں اور ان سے فی الواقع انسانی زندگی اعلیٰ و ارفع ہو جاتی ہے۔

پھر یہ بھی عرض کر دوں کہ اس شہادت کی تکمیل اگر ہو سکتی ہے تو صرف اس وقت جب ایک اسٹیٹ انہی اصولوں پر قائم ہو جائے اور وہ پورے دین کو عمل میں لا کر اپنے عدل و انصاف سے، اپنے اصلاحی پروگرام سے، اپنے حسن انتظام سے، اپنے امن سے، اپنے باشندوں کی فلاح و بہبود سے، اپنے حکمرانوں کی نیک سیرت سے، اپنی صالح داخلی سیاست سے، اپنی راستبازانہ خارجی پالیسی سے، اپنی شریفانہ جنگ سے اور اپنی وفادارانہ صلح سے ساری دنیا کے سامنے اس بات کی شہادت دے کہ جس دین نے اس اسٹیٹ کو جنم دیا وہ درحقیقت انسانی فلاح کا ضامن ہے اور اس کی پیروی میں نوع انسانی کی بھلائی ہے۔ یہ شہادت جب قولی شہادت کے ساتھ مل جائے تب وہ ذمہ داری پوری طرح ادا ہو جو امت مسلمہ پر ڈالی گئی ہے۔ تب نوع انسانی پر بالکل اتمام حجت ہو جاتا ہے۔ تب ہی امت اس قابل ہو سکتی ہے کہ آخرت کی عدالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کھڑی ہو کر شہادت دے سکے کہ جو کچھ حضورؐ نے ہم کو پہنچایا تھا وہ ہم نے لوگوں تک پہنچا دیا۔ اس پر بھی جو لوگ راہ راست پر نہ آئے وہ اپنی کج روی کے خود ذمہ دار ہیں۔

یہ تو وہ شہادت ہے جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں قول و عمل میں دینی چاہیے مگر اب دیکھیے کہ آج ہم فی الواقع شہادت دے کیا رہے ہیں۔

پہلے قولی شہادت کا جائزہ لیجیے۔ ہمارے اندر ایک بہت ہی قلیل گروہ ایسا ہے جو کہیں انفرادی طور پر زبان و قلم سے اسلام کی شہادت دیتا ہے اور اس میں بھی ایسے لوگ

انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جو اس شہادت کو اس طرح ادا کر رہے ہیں جیسا کہ اس کے ادا کرنے کا حق ہے۔ اگر آپ اس قلیل تعداد کو الگ کر لیں تو آپ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کی عام شہادت اسلام کے حق میں نہیں بلکہ اس کے خلاف جا رہی ہے۔

ہمارے زمیندار و کاشتکار یہ شہادت دے رہے ہیں کہ اسلام کا قانون وراثت غلط ہے اور جاہلیت کے رواج صحیح ہیں۔ ہمارے معلم، پروفیسر اور تعلیمی ادارے شہادت دے رہے ہیں کہ فلسفہ و حکومت، تاریخ و اجتماعیات، معاشیات و سیاسیات اور قانون و اخلاق کے متعلق وہی نظریات برحق ہیں جو غیر اسلامی تعلیم سے ماخوذ ہیں۔ ان امور میں اسلام کا نقطہ نظر قابل التفات تک نہیں۔ ہمارے تاجر و اہل صنعت شہادت دے رہے ہیں کہ ان کے پاس بھی قومیت و وطنیت کے وہی نعرے ہیں۔ وہی قومی مقاصد ہیں۔ قومی مسائل کو حل کرنے کے وہی ڈھنگ ہیں، سیاست اور دستور کے وہی اصول ہیں جو اسلامی نہیں ہیں جیسے اسلام نے اس بارے میں کوئی رہنمائی نہیں کی جس کی طرف رجوع کیا جائے۔ ہمارے عوام شہادت دے رہے ہیں کہ ان کے پاس زبان کا کوئی مصرف دنیا اور اس کے معاملات کے سوا نہیں ہے اور وہ کوئی ایسا دین رکھتے ہی نہیں جس کا وہ چرچا کریں یا جس کی باتوں میں وہ اپنا کچھ وقت صرف کریں۔ یہ ہے وہ قومی شہادت جو مجموعی طور پر ہماری امت اس ملک ہی میں نہیں ساری دنیا میں دے رہی ہے۔

اب عملی شہادت کی طرف آئیے۔ اس کا حال قولی شہادت سے بدتر ہے۔ بلاشبہ کہیں کہیں کچھ صالح افراد ہمارے اندر ایسے پائے جاتے ہیں جو اپنی زندگی میں اسلام کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

مگر سواد اعظم کا حال کیا ہے؟

انفرادی طور پر عام مسلمان اپنے عمل میں اسلام کی [illegible] زندگی کر رہے وہ یہ ہے کہ اسلام کے زیر اثر پرورش پانے والے افراد کس حیثیت سے بھی نمو [illegible] بیار کیے ہوئے افراد سے

بلند یا مختلف نہیں ہیں بلکہ بہت سی حیثیتوں سے ان کی بہ نسبت فروتر ہیں۔ وہ جھوٹ بول سکتے ہیں
وہ خیانت کر سکتے ہیں۔ وہ ظلم کر سکتے ہیں۔ وہ دھوکا دے سکتے ہیں۔ وہ قول و قرار سے پھر
سکتے ہیں۔ وہ چوری اور ڈاکہ زنی کر سکتے ہیں۔ وہ دنگا فساد کر سکتے ہیں۔ وہ بے غیرتی اور بے حیا
کے سارے کام کر سکتے ہیں۔ ان سب بداخلاقیوں میں ان کا اوسط کسی کافر قوم سے کم
نہیں ہے۔

پھر ہماری معاشرت، ہمارا رہن سہن، ہمارے رسم و رواج، ہماری تقریبات، ہمارے
میلے اور عرس، ہمارے جلسے اور جلوس، غرض ہماری اجتماعی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس
میں ہم اسلام کی کسی حد تک بھی صحیح نمائندگی کرتے ہوں۔ یہ چیز گویا اس بات کی زندہ شہادت
کہ اسلام کے پیرو خود ہی اپنے لیے اسلام کے بجائے جاہلیت کو زیادہ قابل ترجیح
سمجھتے ہیں۔

ہم مدرسے جاتے ہیں تو علم اور نظام تعلیم اور روح تعلیم سب کچھ دوسروں سے
لیتے ہیں۔ ہم انجمنیں قائم کرتے ہیں تو مقصد، نظام اور طریق کار سب کچھ وہی رکھتے ہیں جو کفر
کی کسی انجمن کا ہو سکتا ہے۔ ہماری پوری قوم بحیثیت مجموعی کوئی جدوجہد کرنے اٹھتی ہے تو اس
کا مطالبہ، اس کی جدوجہد کا طریقہ، اس کی جمعیت کا دستور و نظام، اس کی تجویزیں، تقریریں اور
بیانات، سب کچھ ہو بہو غیر مسلم قوموں کی جدوجہد کا چربہ ہوتا ہے۔ حد یہ ہے کہ جہاں ہمارا
آزاد یا نیم آزاد حکومتیں موجود ہیں وہاں بھی ہم نے اساس حکومت اور مجموعہ قوانین کفار سے
لے لیا ہے۔

یہ کتمان حق اور غلط شہادت جس کا ہم ارتکاب کر رہے ہیں اس کا انجام بھی ہمیں وہ
کچھ دیکھنا پڑا ہے جو ایسے سخت جرم کے لیے قانون الٰہی میں مقرر ہے۔ جب کوئی قوم خدا
نعمت کو ٹھکراتی ہے اور اپنے خالق سے غداری کرتی ہے تو خدا دنیا میں بھی اس کو عذاب دے
اور آخرت میں بھی۔

Marfat.com

یہودیوں کے معاملے میں خدا کی یہ سنت پوری ہو چکی ہے۔ اور اب ہم مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے ہیں۔ خدا کو یہود سے کوئی ذاتی پرخاش نہ تھی کہ وہ صرف انہی کو اس جرم کی سزا دیتا۔ اور ہماری ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں کہ ہم اسی جرم کا ارتکاب کریں اور سزا سے بچ جائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم حق کی شہادت دینے میں جتنی جتنی کوتاہی کرتے گئے ہیں اور باطل کی شہادت ادا کرنے میں ہمارا قدم جس رفتار سے آگے بڑھا ہے ٹھیک اسی رفتار سے ہم گرتے چلے گئے ہیں۔ مشرق سے مغرب تک ملک کے ملک ہمارے ہاتھ سے نکل گئے۔ مسلمان قومیں ایک ایک کر کے مغلوب اور محکوم ہوتی چلی گئیں۔ مسلمان کا نام فخر و عزت کا نام نہ رہا بلکہ ذلت و مسکنت اور پسماندگی کا نشان بن گیا۔ دنیا میں ہماری کوئی آبرو باقی نہ رہی۔ کہیں ہمارا قتل عام ہوا، کہیں ہم گھر سے بے گھر کیے گئے۔ کہیں ہم کو سوء العذاب کا مزہ چکھایا گیا اور کہیں ہم کو چاکری اور خدمت گاری کے لیے زندہ رکھا گیا۔ جہاں مسلمانوں کی اپنی حکومتیں باقی رہ گئیں وہاں بھی انہوں نے شکستوں پر شکستیں کھائیں اور آج ان کا حال یہ ہے کہ بیرونی طاقتوں کے خوف سے لرز رہے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ اسلام کی قولی و عملی شہادت دینے والے ہوتے تو کفر کے علمبردار اُن کے خوف سے کانپ رہے ہوتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو دعوت لے کر اٹھے وہ اپنی نوعیت اور مزاج کے اعتبار سے ایک عالمگیر دعوت تھی جو سارے انسانوں کے لیے تھی۔ اس کے راستے میں کوئی جغرافیائی حدود حائل نہ تھیں۔ وہ کسی خاص علاقے کے لوگوں کو خطاب نہ کرتی تھی بلکہ تمام انسانوں کو خدا کے بندوں کی حیثیت سے دعوت بندگی دیتی تھی۔ ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کا عمومی انداز ادب و لہجہ پوری بنی نوع انسان کو خطاب کرنے کا ہے۔ وہ کسی نسل یا علاقے کو خطاب نہیں کرتا۔

اگرچہ اسلامی دعوت ایک امی انسان کے ذریعے اٹھائی گئی اور اس دعوت نے جس قوم کو سب سے پہلے مخاطب کیا وہ خود بھی بڑی حد تک امی تھی۔ عرب لوگ علم و آگہی، فکر و نظر اور تحقیق و تدبر سے عاری تھے۔ لیکن اس دعوت نے انہیں علمِ حقیقی سے مالا مال کر دیا۔

Marfat.com

ان میں علم کا ذوق پیدا کیا۔ ان میں علم کی تحریک چلائی۔ مالک کائنات نے علم کا سب سے بڑا اور سب سے حقیقی سرچشمہ پوری انسانیت کے لیے ایک امی نبی کے ذریعے ہی منکشف کیا۔ جس کے نتیجے مسلم قوم ہی دنیا میں علم کی سب سے بڑی علمبردار قوم بن کر اٹھی۔ دور جدید کے علوم و فنون کی تمام بلند و بالا عمارت مسلمانوں کی رکھی ہوئی علمی بنیادوں پر ہی اٹھائی گئی۔

پوری انسانی تاریخ میں پہلی بار اسلامی دعوت نے انسانوں کے درمیان رنگ، نسل، خاندان، علاقے اور زبان کی تفریق مٹا کر انہیں بنی آدم کی حیثیت سے برابری کی سطح پر لا کھڑا کیا۔

اس نوعیت کے امتیازات کو جو دنیا کے ہر معاشرے اور قوم میں رائج سکہ سمجھے جاتے تھے سب کو متروک کر دیا۔ اور تمام انسانوں کو انسانی سطح پر یکساں انسانی حقوق، عزت، احترام، تحفظ، ملکیت اور ترقی کا حق دار قرار دیا۔

اس دعوت نے انسانی زندگی میں سادگی اور تفہیم دین اور عمل دین میں آسانی کی روش اختیار کی۔ تمام جاہلی تجاوزات کو پیغمبروں کی زندگی سے خارج کر دیا۔ اور ان کے عقائد کو سادہ اور عام فہم بنا دیا۔

حصولِ علم اور فہم دین میں آسانی اور سہولت کا راستہ پیدا کیا۔ خدا اور بندوں کے درمیان جو رکاوٹیں کھڑی تھیں انہیں ہٹا دیا۔ اپنے اندر کوئی ایسا طبقہ پیدا ہونے کو سختی سے روکا جو بندے اور خدا کے درمیان بعض ناگزیر فرائض سرانجام دیتا ہو بلکہ ہر بندے کو خدا تک پہنچنے کے لیے صراط مستقیم دکھائی۔ اس دعوت نے انسانوں کو ان کے بے معنی رسوم و رواج کے بوجھوں سے ہلکا کیا۔ انہیں جکڑ قیدیوں کے شکنجوں سے نجات دلائی۔ انہیں ہلکا پھلکا طرز زندگی سکھایا۔

یہ دعوت انسان تک خدا کی ساری مرضیات اور مکمل پیغام ہدایت لے کر آئی۔ اس سے پہلے کی نازل شدہ تمام مقدس کتابوں کی تعلیمات کا نچوڑ اپنے اندر سمو کر اپنے آپ کو جامع ہدایت

ثابت کیا اور مزید تعلیمات کو حالات و ضروریات کے مطابق داخل کر کے انسان کی مطلوبہ ہدایت کو کامل و مکمل کر دیا۔

اس دعوت نے انسانیت کی تاریخ میں پہلی بار کامل طور پر خدا کے دین کو پیش کیا۔ اور اسے عملی صورت میں جاری کر کے اس کا تکمیلی اور عملی نمونہ بھی دنیا کے سامنے رکھ دیا تاکہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ اگر دنیا کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں ہو تو انسانوں کے درمیان سے فتنہ و فساد کا نام و نشان مٹ جائے۔

اسلام کی دعوت دین و دنیا کی یکجائی کی دعوت ہے۔ اس میں دین و سیاست علیحدہ نہیں ہیں۔ چنانچہ اس دعوت نے تاریخ انسانی میں پہلی بار حکمرانوں کے لیے صالحیت سے مشروط حکمرانی کا تصور پیش کیا۔ تمام انسانی تاریخ میں اس کے پہلے یہ تصور کہیں موجود نہ تھا کہ جب دنیا کے امور صالح حکمران دین کے مطالبات کے مطابق طے کرتے ہیں تو وہ دور انسانیت کا سنہری دور ہوتا ہے۔

حضورؐ کی دعوت اسلامی تمام تر اخلاقی قدروں کی حامل اور ان کی سختی کے ساتھ پابند دعوت تھی۔ نہ صرف اپنے دور ضعیف میں اس نے ہمیشہ اخلاقی حدود کی پابندی و پاس داری اور حفاظت کی بلکہ اپنے دور قوت و اقتدار میں بھی اس کے ذریعے اخلاقی قدریں ہی بحال اور محفوظ کیں۔ اس کے دور اقتدار میں کبھی کسی فرد یا جماعت نے کسی اخلاقی قدر کو پامال نہیں ہونے دیا بلکہ اپنے بدترین مخالفوں اور دشمنوں کے مقابلے میں بھی شدید اشتعال انگیز حالات کے اندر اخلاقی اقدار کا اہتمام و انصرام کیا۔ پوری تاریخ انسانی میں اخلاقیات کے تحفظ کے معاملے میں اس دعوت کو یہ منفرد مقام حاصل ہے۔

حضورؐ کی یہ اسلامی دعوت ایک نظریاتی اور اصولی دعوت تھی۔ اس میں کسی نوعیت کی عصبیت کا کوئی دخل نہ تھا۔ اس میں طبقاتی، لسانی، علاقائی اور وطنی امتیاز کو فوقیت حاصل نہ تھی۔ صرف نظریے کے معیار پر ہی جانچا تولا اور پرکھا جاتا تھا۔ نظریاتی اعتبار سے جو

Marfat.com

شخص جس درجے میں ہوتا اسی درجے میں وہ دعوت و تحریک کے اندر اپنا مقام رکھتا تھا۔

اس نے اپنے نظام میں سرداریوں کا موروثی حق تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے مال و دولت کا افتخار ماننے سے بھی انکار کر دیا۔ اس نے عربیت اور عجمیت کی تمیز مٹا کر رکھ دی یہ دعوت خالص نظریاتی بنیادوں پر اٹھی اور صنادید عرب کو سب سے زیادہ شکوہ یہی رہا کہ اس میں ان کے پہلے سے بنے ہوئے فخر و افتخار کو مشتعل کرنے کی گنجائش موجود نہ رہی تھی۔ انہیں رنج و غصہ تھا کہ اس دعوت میں بلالؓ و خبابؓ کو ابوسفیان، و عتبہ ایسے سرداروں سے زیادہ درجہ حاصل تھا۔ حضورؐ کی اسلامی دعوت اپنے مزاج کے لحاظ سے ایک عمومی تبلیغی مزاج رکھتی تھی اور اس کا کام مسلسل پھیلنا، بڑھنا اور نفوذ کرنا تھا۔ اسے تسلیم کرنے والوں نے دعوت کو کسی جامد مجموعہ عقائد کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ ایک جامع انقلابی دعوت کی حیثیت سے تسلیم کر کے انہوں نے اسے آگے پھیلانے کی کوشش کی۔

اس دعوت کو تسلیم کرنے والا ہر شخص بیک وقت مبلغ و داعی تھا اور اپنے اپنے دائرے میں اشاعت دین کا کام کرتا تھا۔ چنانچہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی دعوت مسلسل پھیلتی رہی لوگ اس کے لیے گھروں، کاروباروں اور عزیزوں کی محبتوں سے دستبردار ہوتے گئے۔ اور دعوت کی محبت کو سینہ سے لگائے اس راستے پر آگے ہی آگے بڑھتے رہے جس طرف یہ انہیں لے جانا چاہتی تھی۔

اس راستے میں نہ صرف مردوں نے بلکہ عورتوں نے بھی وہ مثالی ایثار و قربانی کا نقشہ پیش کیا جو دعوت و تبلیغ کے میدان میں بالکل انوکھا تجربہ تھا اور مثالی حیثیت رکھتا تھا۔

بنی نوع انسان کے لیے امن و سکون اور فوز و فلاح کا واحد راستہ اللہ کا دیا ہوا نظامِ زندگی ہے۔ جب دنیا میں فلاح انسانیت کا یہ نظام قائم نہ ہو اور ابن آدم صراط مستقیم سے محروم بدنصیبی کی ٹھوکریں کھا رہا ہو تو اللہ تعالیٰ کی مشیت اپنے بندوں کو صراط مستقیم دکھانے کا انتظام کر دیتی ہے اور جب کبھی کوئی ایسی دعوت کسی قوم میں اللہ کے دین کا علم لے کر

اٹھ کھڑی ہوتی ہے تو وہ قوم آزمائش کی میزان میں تلنے کے لیے رکھ دی جاتی ہے۔ پھر اس دعوت کے ساتھ اس کے طرز عمل ہی پر اس قوم کے مستقبل کی درخشائی یا تاریکی کا انحصار ہوتا ہے۔ ایسی دعوت کے برپا ہو جانے کے بعد اس سے بے خبری، محرومی۔ اس سے بے نیازی اس کے مخالف افراد و اقوام کے لیے بدترین بدبختی ہوتی ہے۔ غرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی دعوت تمام انبیاء کی دعوت کا نچوڑ اور خلاصہ تھی۔ اپنے چند نمایاں خدوخال رکھتی تھی۔ ان خدوخال اور نشان ہائے شناخت کو جاننا بڑا ضروری ہے۔ اس لیے کہ یہ دعوت دنیا کی تمام دعوتوں اور تحریکوں کے مقابلے میں اپنا نمایاں اور مخصوص کردار رکھتی ہے۔

اس لیے کہ مرد عورت ایک ریاست کی تشکیل کی طرف بھی اقدام کرتی ہے، ایک منظم اجتماعی معاشرے میں حاکمیت کا تصور اس کی ساری اجتماعی زندگی، اس کی تہذیب و ترقی، تعلیم و تربیت اور انفرادی و اجتماعی کردار کی صورت گری کرتا ہے۔

اسلامی دعوت درحقیقت اپنے خالص اور بے آمیز عقیدے سے اللہ کی حاکمیت کی علمبردار ہے۔ دنیا میں حاکمیت کے تمام تصورات میں یہ ایک انوکھا تصور ہے۔

پھر دنیا کی تمام دوسری تحریکیں حاکمیت کو مختلف خانوں میں تقسیم کرتی ہیں۔ کوئی رنگ، نسل، قبیلہ، افراد، گروہ، زبان، جغرافیہ اور خاندان میں محدود کرتی ہے اور کوئی کسی خاص طبقہ کے ساتھ اسے منسلک کرتی ہے۔ لیکن اسلامی دعوت حاکمیت کو صرف خدا کے لیے وقف کر دینے کا اعلان کرتی ہے۔

سارے اختیارات کا سرچشمہ اللہ ہی کی ذات پاک ہے۔ اس کے قائم کردہ معاشرے میں بندوں کے لیے صرف نیابت کا مقام ہوتا ہے۔ سروری صرف اللہ ہی کی ذات کو زیب دیتی ہے۔ باقی سب دعویداران حاکمیت تہ بان آزادی ہیں۔

دعوت اسلامی میں حاکمیت کا مقام ایک بالاتر ذات اور مالک ہستی کے حوالے

Marfat.com

ہونے کے بعد احکام کے حصول اور اطاعت کے نظام کو مربوط کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ منصب رسالت، بندوں کے حقیقی بادشاہ اور حاکم اعلیٰ کا پیغام ان تک پہنچاتا ہے اور ان کے مالک کی مرضی سے ان کو آگاہ کرتا ہے۔

اس طرح رسول خدا کا نمائندہ ہوتا ہے جو وحی اور الہام کے ذریعے خدا سے پیغام حاصل کرتا ہے۔ اس لیے رسولؐ کی اطاعت ایمان کے لیے شرط اول قرار پاتی ہے۔ اس سے محبت رکھنا اور اس پر جان و مال قربان کر دینا ایمان کی شرائط میں شامل ہے۔

اس لیے رسول کی شخصی غیر موجودگی میں وہی شخص ایسی دعوت کا رہنما اور قائد ہو سکتا ہے جو خدا کے احکام اور رسول کے تعلیمات پر سب سے زیادہ عمل پیرا ہو اور خدا اور رسول کے دیے ہوئے نظامِ زندگی کا سب سے بہتر فہم رکھتا ہو۔

دنیا میں حاکمیت الٰہی کا قیام و نفاذ اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول حضورؐ کی دعوت اسلامی کا نصب العین تھا۔ حضورؐ کی دعوت کے نزدیک انسانی زندگی کا خاتمہ قبر کے کنارے پر ہی نہیں ہو جاتا بلکہ وہاں سے تو انسانی زندگی کا دوسرا مستقل دور شروع ہوتا ہے، اس طرح اسلامی دعوت اپنے مقصد کی وسعت کے اعتبار سے دنیا سے آخرت تک محیط ہے۔

دنیا کی ہر اجماعیت میں عہدہ و منصب کی کشمکش انسانوں میں روز اول سے موجود ہے لیکن دنیا میں ایک اسلامی دعوت ہی ایسا واحد گروہ ہے جو مناصب کی کشمکش سے پاک اجتماعی نظام رکھتی ہے حضورؐ کی جماعت میں منصب کی طلب نااہلی کی علامت اور خدا کی تائید سے محروم کر دینے والی نحوست سمجھی جاتی ہے وہاں کہنی مار کر آگے بڑھنے والوں کے لیے کوئی مقام نہیں۔

وہاں قربانی کرنے والوں اور سابقون الاولون کی قدر و قیمت ہے۔ وہاں مسجد میں خدا کے حضور صف بندی کا ماحول تھا۔ جو پہلے آیا۔ پاکیزگی قلب لے کر آیا وہ آگے کھڑا ہو گیا

Marfat.com

اور جو لبد میں آیا وہ پیچھے کھڑا ہوا۔ پھر اپنی اخلاقی صفات کے روز سے ترقی کر کے چلے وہ تحریک کی سربراہی کے مقام تک جا پہنچے۔

آپؐ کی جماعت میں وہ شخص سب سے زیادہ غیر موزوں اور تحریک کی روح کو برباد کر دینے والا شمار ہوتا تھا جو منصب کی خواہش طلب رکھتا تھا۔ اس جماعت کا اجتماعی ماحول گروہ بندی، جتھہ بندی اور جوڑ توڑ سے بالکل صاف تھا۔

حضورؐ کی دعوت اسلامی کا رہنما کردار خدا ترس، ایثار پیشہ، دیانت دارانہ اور مجاہدانہ کردار تھا۔ آپؐ کی جماعت میں چرب زبانی اور کھوکھلے دعوے سے کام نہیں چلتا تھا بلکہ اللہ کی راہ میں ٹھوس کام مطلوب ہوتا تھا۔ آپؐ کی دعوت اسلامی کا راہنما کردار عزیمت کا پیکر تھا۔ اس کی نگاہ اپنے بلند ترین نصب العین کے حصول پر جمی رہتی تھی۔ درمیانی مراحل کی کوئی مصیبت یا کسی دنیوی منصب کا لالچ نہ اسے اپنے مقام عزیمت سے ہٹا سکتا تھا اور نہ الجھا سکتا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلامی دعوت کا طریق کار پُرامن تبلیغی، غیر خفیہ اور تدریجی تھا۔ آپؐ کی دعوت معاشرے میں فساد پیدا کرنے کے لیے نہیں تھی بلکہ وہ فساد کو اصلاح سے بدلنے کے لیے تھی۔ وہ لوگوں کو تبلیغ و تلقین سے اپنے نصب العین کی طرف بلاتی تھی۔

آپؐ کی دعوت میں جبر و تشدد کا شائبہ بھی نہ تھا۔ آپؐ لوگوں کی طرف سے ایک ایک سوال کا جواب دیتے اور شبے کا ازالہ کرتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ افہام تفہیم اور اپنی سوچ بچار سے خود آتے ہوئے لوگ جب پورے اطمینان سے کرتے تھے تو ان کو واپس لوٹانا ممکن نہ ہوتا تھا۔

یہ اسی طریقہ کار کا نتیجہ تھا کہ آپؐ کی ۲۳ سالہ دعوتی جدوجہد کے نتیجے میں جو اسلامی انقلاب برپا ہوا وہ حیرت انگیز انسانی اور اخلاقی انقلاب تھا۔

Marfat.com

حضورؐ کا کلی دور اس پر گواہ ہے کہ آپ مخالفین کے مقابلے میں کتنا صابرانہ طرزِ عمل اختیار کیا جب کہ مدنی زندگی کی مجاہدانہ کشمکش اس پر گواہ ہے کہ مخالفین کے ساتھ آپؐ کا برتاؤ کتنا فراخدلانہ اور ہمدردانہ تھا۔

آپؐ کی اسلامی تحریک کا اپنے مخالفین کے مقابلے میں طرزِ عمل دنیا بھر سے انوکھا طرزِ عمل تھا۔ اور بالعموم یہ طرزِ عمل ہی لوگوں کے لیے آپؐ کی حقانیت کی شناخت بن گیا تھا۔

آپؐ کے مخالفین آپؐ کو بدنام کرنے کے لیے الزامات، اتہامات، جھوٹ و افترا اور گالی گلوچ کا طوفان کھڑا کرتے تھے لیکن اس سارے گرد و غبار میں اس تحریک کے داعیوں کی شرافت اور ان کا بلند کردار تحریک کے چہرے کی چمک دمک کو اور نکھارتا چلا گیا۔ حضور اکرمؐ کی قائم کردہ تحریک اسلامی جن تنظیمی اصولوں پر قائم تھی وہ اجتماعیت کو منظم کرنے کے لیے بے مثل اصول تھے۔ ان کی موجودگی میں آپؐ کی دعوت ایک فعال اور صحت مند اجتماعی ادارہ بن گئی تھی جو اپنی منزل کی طرف مسلسل اقدام کرتی چلی جا رہی تھی۔ اور جس کا لازمی نتیجہ انقلابی تبدیلی اور فتح و نصرت ہی ہو سکتا تھا۔

آپ کی اسلامی تنظیم کا سب سے پہلا اصول سمع واطاعت تھا۔ آپ کی تحریک سے وابستہ ہر شخص دعوتِ اسلامی کے ہر کام کو خدا کا کام سمجھتا تھا۔ اس کا دوسرا اصول مشورائیت تھا جو سمع واطاعت کے لیے مددگار تھا۔ اس کے ذریعے مشورے، اہتمام و انتظام جماعت کے ہر گوشے میں ہر سطح پر کیا جاتا تھا تاکہ اجتماعی ذمہ داری کا کام اجتماعی رائے سے انجام پائے۔

اس کا تیسرا اصول باہمی خیر خواہی تھا۔ یعنی ایک زندہ، ہمدردانہ اور صحت مند رجحان تعاون جو جماعت کی صحت کو بحال رکھتا اور اس کے تمام ساتھیوں کو خوب سے خوب تر کی طرف کھینچتا رہتا۔ اس کا چوتھا اصول باہمی محبت، اخوت و تعاون تھا جو اسلامی تحریک کی جان تھا

Marfat.com

جس کی مدد سے غیر اپنے اور مخالف دوست بن جاتے تھے اور تھوڑی سی قوت بھی باہمی تعاون ومحبت سے کئی گنا ہو جاتی تھی۔ اس کا پانچواں اصول ایثار و قربانی تھا۔ یعنی مقصد زندگی اور ساتھیوں کے لیے جانثار کرنا۔ اور خدا اور رسول کی رضا کے لیے تن من دھن سے نچھاور ہونا اس ایثار و قربانی کی مقدار ہی ایک کارکن کے خلوص کا پیمانہ بن جاتی تھی۔

پوری قوم ایک طرف تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پوری قوم کے مقابل دوسری طرف تھے جو دعوت آپؐ نے پیش کرنی شروع کی وہ پوری قوم کے سارے ڈھانچے کو ادھیڑ کر اسے از سر نو استوار کرنے والی تھی۔

اس دعوت کے ذریعے پورے معاشرے کی قدریں بدلی جا رہی تھیں۔ خیر و شر کے پیمانے منقلب ہو رہے تھے۔ معیارات قیادت و راہنمائی تبدیل ہو رہے تھے۔ نفع و نقصان کی میزان بدل رہی تھی۔ دعوت اسلامی کا مسئلہ صرف چند مذہبی تصورات میں تھوڑی سی تبدیلی لانے کا ہی معاملہ نہ تھا بلکہ یہ تو ہمہ پہلو، ہمہ جہت اور کلی تبدیلی کا مسئلہ تھا لیکن کلی انقلابی دعوت کو نظامِ باطل کے چوکیدار برداشت نہ کر سکتے تھے۔ وہ لوگ جو سیاسی اور معاشرتی مفادات کے محافظ تھے اور ان کے لیے اس دعوت کو ہضم کرنا سخت مشکل تھا۔ اس دعوت کو برداشت کرنے کے معنی اپنی سابقہ حاصل کردہ سیادتوں، قیادتوں اور محفوظ مفادات سے دستبرداری اور محرومی تھی۔ شدید مخالفانہ یلغار شروع ہو گئی حق و باطل کی چپقلش۔

کفار کی ریشہ دوانیاں آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اپنی موت سے کھیلنے والی بات تھی اس کے باوجود اتنی بڑی مخالفت اور عداوت کے مقابلہ کے لیے حضورؐ کے پاس تین ایسے انقلاب انگیز حربے تھے جن کا مخالفین کے پاس کوئی توڑ نہ تھا۔ یہ تھے معجزۂ کردار، معجزۂ قرآن اور معجزۂ کلام۔ آپؐ کے کلام کی حلاوت، اس کی جامعیت اور اس کا اعجاز عالم احساس میں زبردست ارتعاش پیدا کر دیتا تھا۔ آپؐ کی زبان سے جو بات نکلتی تھی وہ بات کلام حبیب خدا ہوتی تھی۔ گفتگو میں حضورؐ ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے تھے اور اس ٹھہراؤ

میں رعنائی و دلنوازی ہوتی تھی تاکہ لوگ ایک ایک لفظ سُن لیں۔ سمجھ لیں۔ یاد کر لیں۔

آپ کے الفاظ منتخب و موزوں ترین ہوتے تھے۔ نگینوں کی طرح جڑے ہوئے آپ اپنے مخالف کو پورے اطمینان سے بات کرنے کا موقعہ دیتے اور اس کی بات اس وقت تک پوری توجہ و انہماک سے سنتے رہتے جب تک وہ اپنی بات بیان کرنا چاہتا اور پھر جواباً اپنی بات بھی حضورؐ نہایت اطمینان سے کہتے۔

آپؐ کے جامع اقوال زریں جو جوامع الکلم کہلاتے ہیں۔ حیرت انگیز جاذبیت اور معنویت کے حامل ہیں۔ ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کے مسلک زندگی کے بارے میں سوال کیا تو حضورؐ نے فرمایا۔

عرفان میرا سرمایہ ہے۔

عقل میرے دین کی اصل ہے۔

محبت میری بنیاد ہے۔

شوق میری سواری ہے۔

ذکر الٰہی میرا مونس ہے۔

اعتماد میرا خزانہ ہے۔

حزن میرا رفیق ہے۔

علم میرا ہتھیار ہے۔

صبر میرا لباس ہے۔

رضائے الٰہی میری غنیمت ہے۔

عجز میرا فخر ہے۔

زہد میرا روزگار ہے۔

یقین میری قوت ہے۔

Marfat.com

صدق میری سفارش ہے۔
جہاد میرا کردار ہے۔
طاعت میری پناہ ہے۔
نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلامی انقلاب کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ہمیں یہ انقلاب سہ نکاتی فارمولے پر مبنی دکھائی دیتا ہے۔ فرد میں اخلاقی انقلاب اور اسے ایک نئے انسان کے روحانی قالب میں ڈھال دینا۔ ایک ایسے خدا ترس، خدا رسیدہ اور با اخلاق گروہ کی تیاری جو جری، جانباز اور جفاکش ہو۔ جو ایثار و قربانی کا پتلا ہو اور اسے باطل کے مقابلے میں جس مورچے پر بھی کھڑا کر دیا جائے وہ کٹ تو سکتا ہے لیکن اپنے مقام سے ہٹ نہ سکتا ہو۔ جو خدا کی راہ میں اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتا ہو قائد انقلاب نے اپنی ساری ساعی ایسے گروہ کی تعلیم و تربیت پر صرف کر دی۔ جسے جس چیز کا حکم دیا جائے وہ اس کو اختیار کرے اور جس سے منع کر دیا جائے وہ اسے چھوڑ دے جو ہر نوعیت کی عصبیتوں سے بالاتر صرف اصول و نظریات کا علمبردار گروہ ہو۔ جب ایسا گروہ مناسب حد تک تیار ہو جائے تو باطل کے نظام سے جانگسل انقلابی کشمکش برپا کر دے اور اس کے پورے وجود کے خلاف جہاد مسلسل کرے یہاں تک کہ باطل کی قوت کے منبع پر خدا پرستوں کا قبضہ ہو جائے۔ اور دین سارے کا سارا صرف بادشاہ حقیقی، حکمران اعلیٰ یعنی ذات باری تعالیٰ کے لیے وقف ہو جائے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی مدعی حاکمیت و حکومت باقی نہ رہ جائے۔

یہ وہ سیدھا سادا انقلابی فارمولا ہے جو شب معراج خدا نے اپنے حبیب کو دیا وقت آگیا تھا کہ حضورؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جائیں اور وہاں ایک اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آئے۔ خدا نے اپنے حبیب کو خلوت خاص میں بلا کر وہ سیاسی

Marfat.com

نکات حضورؐ کو بتائے جن پر عمل کیے بغیر اسلامی ریاست کا قیام واستحکام ممکن نہ تھا۔ اس سیاحت لامکانی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ خلوت خاص میں راز و نیاز مقصود تھا اور دوسرا پہلو یہ کہ پولیٹکل سائنس کے چند اہم متعلقہ رموز سے آنحضورؐ کو آگاہ کر دیا جائے کہ دین سیاست روحانی سے الگ نہیں ہے۔

Marfat.com

سائنس اور مذہب

سائنس کا مقصد یہ ہے کہ جس دنیا میں ہم آباد ہیں اس کی مجموعی طور پر وضاحت کرے۔ اور اس کے مختلف حصوں کی علیحدہ علیحدہ تشریح بھی کرے لہٰذا ایک سائنس دان کے لیے لازم ہے کہ وہ فطرت کی ہم آہنگی پر ایمان رکھے۔ اسے یقین ہونا چاہیے کہ جو قوانین اُس نے زمین پر دریافت کر لیے ہیں وہ دراصل آفاقی قانون ہیں۔ اسی عقیدے کی بدولت نیوٹن نے سیب کو درخت پر سے گرتے ہوئے دیکھا۔ اس کا تعلق سیاروں کی سورج کے گرد گردش سے پیدا کیا اور ایک عالمی قانون دریافت کر لیا۔ یہ عالمی قانون اصول تجاذب ہے کہ دنیا کی ہر شے دوسری شے کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ نیوٹن نے کہا۔

"ہر وہ قدم جو انسان حقیقت کی تلاش کی جانب اٹھاتا ہے، سائنس ہے۔"

انیسویں صدی میں اوُرسٹیڈ (OERSTEAI) اور فیریڈے (FARADAY) کے تجربوں نے ثابت کر دیا کہ سائنس کا نصب العین مادی کائنات کے گوناگوں مظاہر کو کم سے کم اصولوں اور کلیتوں کی صورت میں پیش کرنا ہے۔ اور اگر ساری کائنات کی تشریح ایک ہی کلیئے کے ذریعے ممکن ہو جاتے۔ گویا کثرت میں وحدت کا سراغ مل جاتے تو یہ سائنس کی ترقی کی معراج ہو گی۔

ارسطو ————— جس کی طبعی سائنس دو ہزار برس مغربی فکر پر مسلط رہی اس بات پر اعتقاد رکھتا تھا کہ امور متعارفہ (AXIOMS) یعنی ایسے واضح

Marfat.com

حقائق جن کے ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی، سے استدلال کا آغاز کر کے انسان حقیقت کی انتہا کو سمجھ سکتا ہے۔

ارسطو کی سائنس کا مقصد واقعات کی وجہ معلوم کرنا تھا یعنی چیزیں کیوں ہوتی ہیں؟ جدید سائنس نے اُس وقت جنم لیا جب گلیلیو نے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ واقعات کیونکر ہوتے ہیں؟

یہیں سے باضابطہ اور خود اختیار تجربوں کے طریق کار کا آغاز ہوا اور یہی طریقہ آج کل سائنسی تحقیق کی بنیاد ہے۔

گلیلیو اور اُس کے ایک قرن بعد نیوٹن کے انکشافات کی بدولت ایک ایسا جہاں منظر پر آیا جس میں قوتوں، لہروں، دباؤ، تناؤ اور ارتعاشات کی کارفرمائی تھی اور یہ گمان ہونے لگا کہ فطرت کا کوئی مظہر ایسا نہیں جس کی تشریح کسی عام تجربے کی روشنی میں، جس کی وضاحت کسی ماڈل سے یا جس کی پیش گوئی نیوٹن کے کسی حیرت انگیز میکانکی کلیے سے نہیں کی جا سکتی۔

آئن سٹائن سے پہلے عام طور پر کائنات کی یہ تصویر پیش کی جاتی تھی کہ یہ مادے کا ایک جزیرہ ہے، جو فضا کے لامتناہی سمندر کے وسط میں تیر رہا ہے۔ اس تصور کو مان لینے کے کئی اسباب تھے۔ اکثر سائنس دان متفق تھے کہ فضا کا لامتناہی ہونا لازمی امر ہے اس لیے کہ جونہی وہ یہ بات تسلیم کر لیں کہ فضا کہیں نہ کہیں ختم ہوتی ہے تو فوراً یہ پریشان کن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے آگے کیا ہے؟

لیکن نیوٹن کا قانون ایسی کائنات کو ماننے کے لیے تیار نہیں جو لامتناہی ہے اور جس میں مادہ یکساں طور پر پھیلا ہوا ہے کیونکہ اس صورت میں لاانتہا تک پھیلے ہوئے تمام مادی اجسام کی کل تجاذبی قوت لامتناہی ہوگی اور افلاک لامتناہی روشنی سے جگمگاتے ہوں گے۔

اس کے علاوہ انسان کی کمزور آنکھوں کو یوں نظر آتا تھا کہ کہکشاں کے کنارے

سے آگے کے فضائی چراغ دور دور ہوتے جاتے ہیں اور گھٹتے گھٹتے ان کی حیثیت روشنی کے تنہا میناروں کی سی رہ جاتی ہے جو فضائے بسیط میں دھیمی دھیمی روشنی سے جل رہے ہوں لیکن کائنات کو جزیرہ تصور کر لینے سے بھی مشکلات درپیش ہوئیں۔

قرآنی اصطلاح میں سائنس کا اصل موضوع بحث و تحقیق صرف عالم شہادت باصطلاح فلسفہ عالم مشاہدات و مظاہر (PHENOMENA) ہے۔ باقی اس عالم شہادت یا مظاہر کے پس پردہ کیا حقیقت چھپی ہوئی کارفرما ہے۔ یہ انسانی علوم میں فلسفہ خصوصاً فلسفہ مابعد الطبیعات کا دائرہ بحث رہا ہے۔ اس دائرہ میں انسانی عقل و منطق کو رہنمائی چار و ناچار سائنس ہی کے مطالعہ و مشاہدہ سے حاصل کرنا پڑتی ہے۔ جو نوعی طور پر دو مختلف بلکہ متضاد صورتوں کے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کو ہم خود اپنی ذات و ذہن سے بظاہر بالکل باہر ایک خارجی مکان و زمان کی لامحدود وسعتوں میں ان گنت گوناگوں رنگ و روپ، ہیئت و صورت اور قد و قامت کی جاندار و بے جان جسمانی صورتوں میں زمین سے آسمان تک پھیلا ہوا پاتے ہیں۔ کچھ ان جسمانی موجودات کا گویا آنکھوں دیکھا خارجی وجود اور بہت کچھ اپنی زندگی کی ہر روز کی حاجتوں کی ان سے وابستگی کی بنا پر یہ خارجی دنیا اور اس کی اہمیت ہماری نظر میں اتنی کھپ جاتی ہے کہ اس مقابلہ میں خود اپنی ذات و ذہن کی داخلی دنیا کی کسی اہمیت و معنویت کی طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ جیسے بچوں کو اپنے وجود کا شعور تک احساس تک نہیں ہوتا۔ بس کھیل تماشے ہی کی دھن سوار رہتی ہے۔ یہی کیفیت مدتوں تک سائنسی فکر و تحقیق والوں کی ایک جماعت کی بھی رہی۔ وہ عظیم و مہیب اجرام سماوی کی انتہاء کائنات ہی میں ٹکٹکوے کھاتے رہے۔ کسی نے اسے ابتدائی ہیولے کا نام دیا۔ کوئی اسے ذرات کا ذراتی طلسم سمجھتا رہا۔ اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ۔

لیکن مادہ کا یہ فلسفہ قدیم و جدید فلسفہ کی سرزمین میں زیادہ نہ پنپ پایا۔ اور انیسویں صدی کے اواخر میں سائنس نے ایسا پلٹا کھایا کہ بڑے سے بڑے رجال سائنس سائنسی

Marfat.com

تحقیقات و اکتشافات کی راہوں پر چلتے ہوئے منکر مادہ ہو گئے۔ برٹرنڈ رسل نے کہا۔

"مادہ بالکل ایک ایسا بھوت بن کر رہ گیا ہے جو ذہن کو ہانکنے کا کوئی ٹھیک ڈنڈا نہیں بن سکتا۔

بیسویں صدی کی سائنس سے پہلے مسلسل دو تین صدیوں تک سائنس پر مادیت ہی کا بھوت سوار رہا لیکن دورِ حاضر کے عین جدید ترین سائنسی انقلابات و مسلمات نے مادیت کی اس منطق کو بالکل الٹ دیا ہے۔ البرٹ آئن سٹائن، ایڈنگٹن، ہسرونگر اور میکس پلانک جیسے عظیم رجال سائنس کے نزدیک کائنات کی اساسی حقیقت مادہ نہیں بلکہ خدا ہے ان سب ہی نے مذہب کے خدا کو سامنے لا کھڑا کیا ہے۔

ان ہی مشاہیر سائنس کے ہمسر سر جیمز جینز کو تو سب سے بڑے مادہ و مادیت شکن فلسفی برکلے کا ہمزبان ہو کر ذہن و شعور کی اس اساسی حقیقت کائنات کو واحد کلی و کائناتی ذہن (UNIVERSAL MIND) کا نام دینا پڑا ہے۔

اس ضمن میں ایڈنگٹن جیسے بہت بڑے سائنس دان نے کہا۔

"اہلِ مغرب کے لیے اطمینان کی سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ میں ان کو کوانٹم نظریہ کی وحی کا عطا کیا ہوا خدا نہیں دے رہا ہوں!"

پرانے متکلمین عموماً یونانی علوم و افکار سے اتنے متاثر و مرعوب رہے کہ گویا ان کو بجائے خود معیاری حقائق تصور کرتے رہے اور وحی کے ایمانی حقائق کو ان کی کسوٹی پر پرکھتے رہے لیکن آج ان کو یہ کہنا پڑا ہے کہ مادی کائنات کے زیادہ گہرے مطالعہ و فہم نے خدا پر ایمان کے نئے نئے دروازے کھول دیے ہیں۔ اب ماہر طبیعات کا مقصد ظواہر (APPEARANCE WORLD) کے پیچھے حقیقی وجود (REAL EXISTENCE) کو معلوم کرنا ہے۔ سائنسی نظریات کی نوعیت اب عقیدہ یا مسلکوں (REEDS) کے بجائے پالیسیوں کی ہو کر رہ گئی ہے جس

معنی ہیں مذہب و سائنس میں مصالحت۔ برنہارڈ نے جدید طبیعات پر اپنی کتاب کا نام ہی رکھ دیا "سائنس مذہب کے راستے پر"

(MODERN SCIENCE ON THE RELIGION)

یہی وہ سب سے بڑا عصر حاضر کا سائنسی انقلاب ہے جس نے سائنس کو چار و ناچار مذہب کے راستہ پر ڈال دیا ہے۔ جو منطقی طور پر وحی و نبوت اور معراج کے ایمان اعتقاد ہی کی طرف لے جا سکتا ہے۔ بڑے بڑے ماہرین سائنس تک کو بے ذہن و زندگی مادہ کے مقابلہ میں ذہن و شعور ہی کو کائنات کی اساسی حقیقت ماننا پڑا ہے۔ البرٹ آئن سٹائن اور میکس پلانک جن کو ان کے نظریہ اضافیت اور کوانٹم نظریہ کی بنا پر سب سے عظیم انقلاب انگیز سائنس دان مانا جاتا ہے۔ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ اس کائنات کا خالق وجود ہمارے جزئی و انفرادی ناقص و فانی ذہن سے بالاتر ہے۔ جب کہ

——— اس کی ذات و صفات اور اس کی پیدا کی ہوئی اس کائنات اور اس میں انسان کے مقصد و مقام کے غیبوں کا قابل اعتماد علم وہی اور اتنا ہی ہوگا جو اور جتنا خود وہ کسی ذریعہ سے دے دے۔ مذہب کی زبان میں اسی ذریعہ و واسطہ کا نام وحی و نبوت اور معراج ہے۔

خود سائنس کے پاس نہ اب نام نہاد مادہ کا کوئی خارجی وجود رہا ہے نہ زمان و مکاں کا۔ حد یہ ہے کہ زمانہ یا وقت کے بے آغاز (BEGININGLESS) ہونے تک کو چیلنج کیا جا چکا ہے۔ یعنی کوئی زمانہ ایسا بھی تھا کہ خود زمانہ ہی سرے سے نہ پایا جاتا تھا۔ بات پتہ کی اور لے دے کر سمجھ میں آنے والی وہی ہے کہ یہ ذہن سے باہر خارجی موجودات بھی بس یا تو سراسر ہمارے ذہن کی تجریدات ہیں یا پھر ان کا مستقل ازلی و ابدی وجود کسی ازلی و ابدی وجود یقول سر جیمز جینز عالمگیر کائناتی ذہن یا بقول برکلے برتر روح یا خدا میں ہے۔

برکلے جیسے تاریخ ساز فلسفی نے اپنے بعد کے فلسفہ کا رُخ مادیت سے بالکلیہ تصوریت (IDLEALISM) کی طرف موڑ دیا حتیٰ کہ اس کے فلسفہ کے منکر بھی اس کو تاریخ فلسفہ سے الگ نہیں کر سکتے۔ وہ بجائے خود ایک مذہبی آدمی ہی نہیں بلکہ بشپ برکلے تھا۔ اسی طرح آج کی سائنس کا صف اول کا نامور جیمز جینز بھی مذہبی تھا جس نے کھل کر اعتراف کیا کہ خود سائنسی راہوں سے مجھ کو کائناتی ذہن کے نتیجہ تک پہنچنا پڑا ہے۔ بڑے بڑے اکابر و مشاہیر سائنس کو اسی پر قناعت کرنا پڑا ہے کہ بس ہمارے پاس کچھ واقعات بلکہ وقوعات یا عام تعبیریں مشاہدات اور ان کے درمیان روابط و علائق اور مساواتوں (EQUATIONS) کے علم کے سوا کچھ نہیں۔

تاریخ فلسفہ خود مادہ کی سرے سے قائل ہی نہ تھی اور سب سے بڑھ کر جدید فلسفہ برکلے کی طرف سے ایسے دافع دلائل پر مبنی تھا کہ فلسفہ کی دنیا میں مادیت (MATERIALISM) کا مسلک بڑی حد تک دھندلا کر فلسفہ کی جدید تاریخ میں زیادہ تر تصوریت (IDEALIS) کی تاریخ بن کر رہ گیا۔ خاص کر موجودہ صدی کے سائنسی خصوصاً طبیعاتی انکشافات مثلاً نظریہ اضافیت کے کوانٹم نظریہ کے انقلابی زلزلے نے سائنس کے پرانے مادی نقشۂ کائنات کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔

ڈیکارٹ اپنی طالب علمی کے زمانے ہی سے اس قدر متوحش و بدگمان تھا کہ اپنی رہنمائی کے لیے علم و یقین کی کوئی ایسی راہ پا لینا چاہتا تھا جو مشکوکات و شبہات کی تاریکی میں مستور نہ ہو۔ اور جس کو وہ نقطہ آغاز بنا کر اپنی منزل کی طرف گامزن رہے۔ اس نے اپنا اصول ہی ہی یہ قرار دے لیا کہ کسی بات کو اس وقت تک قبول نہ کروں گا جب تک وہ میرے ذہن کے لیے اس درجہ واضح اور غیر مشتبہ نہ ہو کہ اس میں کسی طرح شک کرنا ممکن ہی نہ ہو۔ اس کی شک پسندی نے اتنے مبالغہ سے کام لیا کہ محسوسات و مشاہدات سے گزر کر ریاضیاتی براہین کو مشکوک و مشتبہ ٹھہرا لیا کہ شوپنہار کو اس کے بارے میں یہ کہنا پڑا۔

"وہ تمام مسلمات کو مشکوک سمجھ کر شروع سے شروع کرنا چاہتا ہے"

جب کہ شوپنہار کا اپنے محسوسات و مشاہدات کے بارے میں یہ خیال تھا کہ ہماری نام نہاد بیداری کی پوری زندگی اور زمین سے آسمان تک بظاہر سارے خارج از ذہن موجودات محض ایک طویل خواب ہوں اور خود خواب دیکھنے والے ذہن سے باہر ان کا سرے سے کوئی وجود نہ ہو۔

اس سے متعلق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی ہے۔

الناس نیام اذا ماتوا انتبھوا۔

لوگ سو رہے ہیں جب مریں گے بیدار ہوں گے۔

فلسفہ و سائنس کی ایک اور قد آور شخصیت وہائٹ ہیڈ (WHITE HEAD) ہے۔ اس کی کتاب "سائنس اور جدید دنیا" (SCIENCE AND THE MODERN WORLD) سائنس و فلسفہ کے موضوع پر ایک بڑی اہم کتاب ہے جو مذہب اور فن کی بھی از سر نو تجدید و تعبیر کرتی ہے۔ وہائٹ ہیڈ کہتا ہے۔

"قدیم دنیا کا ڈرامہ خارجی کائنات تھا اور جدید دنیا کا ڈرامہ روح ہے"

خارجی دنیا کے دیگر مادی مظاہر و اجسام کا ذکر ہی کیا۔ سب سے پہلے خود اپنے ہی جسم کو لیں۔ اور برٹنڈرسل (BERTRAND RUSSEL) جیسے فلسفی و سائنس دان کی زبان سے سنیں۔

"طبیعات کی رو سے آج جو کچھ ہم کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ جس کو اب تک ہم اپنا جسم کہتے یا سمجھتے آئے ہیں۔ وہ دراصل بڑی دیدہ ریزی سے بنائی ہوتی صرف ایک ایسی سائنسی تشکیل ہے۔ جس کے مطابق کوئی واقعی طبیعاتی حقیقت بجائے خود پائی نہیں جاتی"

ایڈنگٹن اپنی کتاب "سائنس اور نادیدہ دنیا" میں کہتا ہے۔

Marfat.com

"مادیت یا مادہ پرستی اپنے لفظی معنی میں مدت ہوئی مر چکی ہے۔ آج کل دنیا میں ہر چیز کو مادہ کے مظاہر (MANIFESTATIONS) میں تحلیل یا تحویل کرنے کا رجحان نہیں رہا۔ کیونکہ طبیعات کی دنیا میں مادہ اب بہت گھٹیا درجہ کی چیز رہ گئی ہے۔"

(مذہب اور سائنس۔ مولانا عبدالباری ندوی)

بہر حال جہاں تک خالص فلسفہ کا تعلق ہے۔ اس کی پوری تاریخ میں نئی ہو یا پرانی مادیت کے سر اٹھانے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ پورے زور و شور کے ساتھ کھل کر سامنے آنے کا موقع مادیت کو گزشتہ انیسویں صدی کے دوران جدید سائنسی ترقیوں کے سنجیدہ عنفوان شباب کی جلد بازی میں مل گیا تھا جس کے نتیجہ میں اس طرح کی بے باکانہ باتیں بعض اکابرین سائنس کی زبانوں سے نکل گئی تھیں۔

(مذہب و عقلیات)

پھر سائنسی نظریات نے کم و بیش لوگوں کے ذہنوں کو سائنسی ایجادات و اکتشافات سے مرعوب و متاثر کیا۔ ریل، تار، بجلی، بھاپ وغیرہ کے کارنامے اچھے اچھوں کی عقل کو خراب کر دینے کے لیے کافی تھے۔ اس سے بڑھ کر سائنس نے زمین کو ناپ تول کر اس کا طول و عرض اور وزن معلوم کر لیا۔ روشنی کی شرح رفتار بتا دی۔ زماں و مکاں کی گتھیوں کو کسی حد تک سلجھا یا۔ مربع میں دریاؤں، پہاڑوں، آبادیوں اور بتر از زمین مخلوق کی نشاندہی کر دی۔ یہاں تک کہ انسان چاند میں اتر گیا۔ اس کے باوجود سائنس کو کہنا پڑا کہ یہ سب کسی ایسے وجود ارفع و اعلیٰ کی کرشمہ سازیاں ہیں جو احساس و ادراک کرنے والے ذہنوں سے باہر ہے۔ غرض آج کی سائنس فزکس کو چار و ناچار جس مابعد الطبیعات یا فلسفہ کی راہوں سے دوچار ہونا پڑا اس کو مادیت کے بجائے روحانیت، تصوریت، یا ذہنیت (MENTATLISM) کہا ہے۔

قرآن حکیم پوری کائنات کو "آیات اللہ" کہتا ہے۔ بالآخر سائنس کو بھی وہی کچھ کہنا پڑا۔

کیونکہ آب وگل کی اس محسوس و مانوس ناسوتی دنیا سے خود ہمارا سائنسی ذہن قطعی سائنس کی ایک آیاتی یا علاماتی ((SYMBOLIC)) دنیا تعمیر کر لیتا ہے۔ آیاتی اس لیے کہ سائنس کے الیکٹرون و پروٹون وغیرہ سب کے سب کچھ ایسی اشیاء کے اصطلاحی نام یا اسماء ہوتے ہیں جن کی نیچر تو نامعلوم ہی رہتی ہے لیکن جن کے ریاضیاتی پہلو ((ASPECTS)) ان اصطلاحوں کی تعریف سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور یہ آیات یا علامات اسی طرح ایک نامعلوم شے کو ظاہر کرتی ہیں جس طرح الجبرے میں ب، ج وغیرہ کوئی حرف ایک نامعلوم مقدار بطور علامت دلالت کرتا ہے۔

فزکس میں جن موجودات یا ذرات ((ENTITIES)) کو قوت (فورس) کمیت (ماس) وغیرہ کا نام دیا جاتا ہے۔ ان کو اب عام طور پر آیات یا علامت ہی مانا جاتا ہے یعنی وہ کسی ایسی ذات و حقیقت کے مختلف رُخ ہوتے ہیں جن کی بجائے خود حقیقت نامعلوم ہے۔ علمائے طبیعات اب اس واقعہ کا شعور و احساس رکھتے ہیں کہ طبیعات ایک وسیع تر حقیقت کا محض ایک جزوی رُخ ہے۔

ان آیات و علامات کے ان سائنسی تغیرات سے قرآنی اصطلاحات "تعلیم اسماء" (علی لاسماء کلھا) اور کائنات کی موجودات کو اللہ تعالیٰ کے وجود کی آیات یا نشانیاں اور رخ یا وجہ (اینما تولوا فثم وجہ اللہ) کی ایک جدید سائنسی تفسیر کی طرف بے ساختہ ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔

ہماری صدی کی سائنسی ترقی نے اس حقیقت کو زیادہ سے زیادہ واضح کر دیا ہے کہ بنیادی طور پر سائنس داں کا کام یا کارنامہ غالباً شاعر کے کارنامے سے مختلف نہیں۔ حقیقت نہ پوری طرح سائنس داں کی گرفت میں آتی ہے نہ شاعر۔ حقیقت کا صرف تجربہ ہی کیا جاتا ہے۔ بیان یا پیش ہرگز نہیں کی جا سکتی۔ ہم اتنا بھی نہیں جان سکتے کہ حقیقت کو پیش یا بیان کرنے کے معنی کیا ہوں گے۔ ہر بیان و اظہار خواہ سائنسی ہو یا شاعرانہ، چلتا

علامات آفرینی ہی سے ہے۔

ہمارے لیے سب سے اہم بات مدنظر رکھنے کی یہی ہے کہ آج کی عینی سائنسی راہوں کی رو سے ذہن سے باہر کی کسی خارجی یا برائے نام دنیا کے بجائے خود ذہن یا اس کی داخلی دنیا کا ہمارے علم و یقین کی اولیں و بنیادی حقیقت ہونا ایک مسلمہ بن چکا ہے۔ اسی طرح سائنس کی یہ انقلابی راہ آپ سے آپ خود سائنس دانوں کے لیے بھی مادیت کے فلسفہ کے بجائے تصوریت کے فلسفہ کی راہنما بن گئی ہے۔ آخر میں مختصراً بڑے بڑے اساطین سائنس کا اعتراف اُن کی زبان سے سُن لیجیے۔

سر جیمز جینز

میرا رجحان تصور اس نظریہ کی طرف ہے کہ شعور احساس حقیقت ہے اور مادی کائنات اس سے ماخوذ۔

میکس پلانک

شعور کی توجیہ مادہ اور اس کے قوانین سے نہیں ہو سکتی۔ میرے نزدیک اساسی حقیقت شعور ہی ہے۔ اور مادہ کو شعور سے ماخوذ خیال کرتا ہوں۔ جس شے کی نسبت ہم کچھ کہتے سنتے ہیں یا جس کو موجود جانتے ہیں۔ اس کے لیے پہلے شعور کا فرض کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔

پروفیسر شرڈنگر

زندگی تو میرے نزدیک ہو سکتا ہے کہ کسی اتفاق کا نتیجہ ہو لیکن شعور کی نسبت میں ایسا خیال نہیں کرتا۔ شعور کی توجیہ طبعی طریقوں سے ناممکن ہے۔ کیونکہ شعور قطعی طور پر ایسی اساسی حقیقت ہے جس کی کسی دوسری شے سے توجیہ نہیں ہو سکتی۔

ہالڈن

اگر ہم شعور کی بھی اسی طرح توجیہ کرنا چاہیں جس طرح طبیعاتی یا حیاتیاتی واقعات و منظا

Marfat.com

کی کرتے ہیں تو یہ کوشش بالکلیہ ناکام رہتی۔

آرتھر ایڈنگٹن

باطنی ایگو (انا) کسی طرح بھی طبعی کائنات کا جزو نہیں ہو سکتی۔ الا آنکہ طبعی کے سرے سے معنی ہی بدل کر روحانی کر دیں۔

آئن سٹائن

نفس و شعور اساسی حقیقت ہے۔ سب ہی کو چار و ناچار ماننا پڑتا ہے کہ ہمارے حواسی محسوسات کا منشاء و ماخذ کوئی نہ کوئی خود میری ذات و ذہن سے ماورا حقیقت ہے۔

سائنس ہی کی تازہ ترین تحقیقات سے مسلمہ طور پر یہ بھی متیقن و متعین ہو چکا ہے کہ انیسویں صدی کے اواخر تک مادہ کے نام سے جو ایک ٹھوس جامد جوہری حقیقت مسلّم مانی جاتی تھی۔ اس کی جوہریت کا اب مسلمہ طور پر خاتمہ ہو چکا ہے۔ انتہائی حقیقت ایک اور صرف ایک ہے۔ ابدی و کلی روح یا ذہن۔ باقی سب اس ذہن یا شعور سے وابستہ اس کی ذہنی مخلوقات ہیں۔ پھر اگر سائنس اور فلسفہ اور معمولی فہم (COMMENSENSE) سب کا یہ ایک بالکل وجدانی و اضطراری فطری مطالبہ ہے کہ کائنات فطرت کا ہمارے انفرادی ذہنوں سے ماورا کوئی نہ کوئی اپنا بجائے خود مستقل یا ابدی وجود ہونا ہی چاہیے تو کسی نہ کسی رنگ و تعبیر میں برکلے کی ابدی روح یا سر جیمز جینز کے آفاقی ذہن کی واحد شق زیادہ قریب الفہم رہ جاتی ہے۔

ذات باری تعالیٰ اور عقل انسانی کے درمیان زمانہ قدیم سے لے کر آج تک لاعلمی کے پردے پڑے ہوتے ہیں۔ عقل انسانی اللہ تعالیٰ کی عظمت کو سمجھنے سے قاصر رہی ہے۔ عقل انسانی نہیں سمجھی کہ اللہ تعالیٰ کتنا بڑا ہے اور اُس کی قدرت و ندرت کتنی ہے۔ وہ کتنی عظیم قوتوں کا مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق ہر زمانے میں مختلف نظریات بنتے رہے۔ کسی نے

Marfat.com

اس کو انسانوں کے مماثل درجہ دیا تو کسی نے اس کو دیوتاؤں کے روپ میں پیش کیا اور کسی نے اس کو خالق کائنات کہا بھی تو اس کی قوتوں کو محدود کر دیا۔ مگر قرآن حکیم نے انسانوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا تصور (PRISM) رکھا اور اس کی عظمتوں کو کھول کھول کر بیان کیا تاکہ لوگ اس کی وحدانیت اور کبریائی سے واقف ہوں۔

چھٹی صدی عیسوی میں نزول قرآن ہوا۔ قرآن نے اللہ کا ایک اعلیٰ اور عظیم تصور دنیا کے سامنے رکھا اور اس کی عظمتوں کو کھول کھول کر بیان کیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کو خالق کائنات فاطر السموات والارض، قادر مطلق، وحدہٗ لاشریک کہا۔ جو اس زمانے کے ماحول کے لیے بالکل نئی بات ہے۔ اس کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ نے فرضی قصوں، کہانیوں، فلسفہ بازیوں یا قیاس آرائیوں سے جو بعد میں چل کر مضحکہ خیز ثابت ہوں کام نہیں لیا بلکہ قرآن اللہ تعالیٰ کے تخلیقی کارناموں اور اس کی حیرت انگیز نشانیوں کو بتا کر کہتا ہے کہ وہ خدائے واحد ہے۔ قادر مطلق ہے۔ جو چاہے کرے جیسا چاہے کرے۔ اسی کے حکم سے یہ کثیر مادہ اور ساری کائنات بنی۔ اسی نے اجرامِ فلکی بنائے۔ اسی نے انسانوں کو پیدا کیا۔ جمادات، نباتات اور حیوانات اسی کی قدرتِ کاملہ سے پیدا ہوئے۔ کل کائنات اس کے حکم کی تابع ہے۔ وہی قادر مطلق اور کبریائی کا مالک ہے۔ قرآن حکیم کوئی سائنس بک نہیں پھر بھی اس میں بعض ایسی آیات بھی ملتی ہیں جن میں کائنات کی تخلیق اور آسمانوں کے ظاہری مشتملات کا ذکر اس انداز سے کیا جو اس زمانے کے ماحول کے لیے بالکل عجیب و غریب تھا۔ مثلاً

آسمانوں کا بغیر ستونوں کے قائم رہنا۔

(۳۱:۱۰)

سب تاروں کا آسمان میں تیرتے رہنا یعنی معلق رہنا۔

(۲۱:۳۳)

زمین و آسمان کا دھوئیں سے بننا۔

(۴۱:۱۱)

Marfat.com

زمین و آسمان جو آپس میں ملے ہوئے تھے ان کا بعد جدا ہونا۔

(۲۱ : ۳۰)

بڑے بڑے تاروں کا ہونا۔

(۱۵ : ۱۶)

قرآن حکیم کے یہ ارشادات و فرمودات سابقہ اقوام و ملل کے نظریات سے بالکل مختلف تھے اس لیے ناقابلِ فہم تھے۔ قرآن حکیم اساطیری و دیومالائی کہانیوں سے مبرا و منزا تھا۔ قرآن سے قبل ارسطو، بطلیموس، فیثاغورث، و بقراط اور دوسرے یونانی فلاسفہ کی کتابوں میں بھی کہیں ایسا کوئی ذکر نہ تھا۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی کی ابتدا میں جب ٹیلسکوپیں (دوربینیں) بننے لگیں تو مشاہدہ نے تصدیق کی تو یہ بات سمجھ میں آنے لگی کہ کائنات میں چاروں طرف بے شمار کہکشاؤں، نیبولوں اور سدیموں کی شکل میں دھواں ہی دھواں ہے یا دھوئیں جیسی چیز موجود ہے جس سے یہ کائنات اور دوسرے بڑے بڑے تارے بنے۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ زمین و آسمان باہم ملے ہوئے تھے جو بعد میں ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔

اسی طرح قرآنِ حکیم کی اس آیت پر غور کیجیے جو یہ کہتی ہے کہ سوائے طاقت کے خلا میں نہیں جا سکتے۔ خلاء میں جانے کا خیال تو قدما میں کسی کے بھی پیش نظر نہیں تھا۔ مگر موجودہ زمانہ میں خلاء میں جانے کا سوال پیدا ہوا تو یہ معلوم ہوا کہ خلاء میں جانے سے پہلے غیر معمولی طاقت کے استعمال کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآنی آیات کی حقیقتیں موجودہ زمانے میں ظاہر ہوئیں۔

اسی طرح تاروں کا بڑے بڑے ہونا بھی سمجھ سے باہر تھا۔ مگر دوربینوں کی سائنسی ایجاد نے بڑے بڑے دیوہیکل تاروں کی دریافت کی تو معلوم ہوا کہ تارے بھی بے انتہا بڑے ہیں جب کہ دوسرے کئی مفکرین ان کو چھوٹے چھوٹے اور آسمان میں پیوست سمجھتے تھے۔ سائنس مذہب کی تکذیب نہیں تائید کرتی۔ قدرت کاملہ کے کئی ایسے اسرار ہیں، کئی ایسے تخلیقی و تکوینی

گورکھ دھندے جنہیں کئی لوگ اپنی محدود عقلیت کی نارسائی کی وجہ ڈھکوسلے اور مذہبی طلسم ہو شربا اور اعتقادی الف لیلیٰ سمجھتے تھے۔ سائنس نے اپنے مشاہدات و تجربات سے انہیں حقیقت ثابت کیا۔ اُن کی حقیقت و سچائی کی تصدیق کی۔ اب تک کئی ایسی سائنسی ایجادات سامنے آچکی ہیں جو نہ صرف کئی محیر العقول، حیرت انگیز، ناقابل یقین، پراسرار و پیچیدہ مذہبی حقائق و معارف اور واقعات و واردات کی وقوع پذیری کی تصدیق و تائید کرتی ہیں بلکہ ان کو سمجھنے میں مدد بھی دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر معراج النبی ہی کے واقعہ کو لیجیے، ایک بڑی کمزوری بڑوں بڑوں تک کی یہ ہوتی ہے کہ بارہا اپنی دوربینی ہی کے انہماک و استغراق میں قریب سے قریب تر کی حقیقت و اصلیت کو دیکھنے اور سمجھنے سے قاصر اور موٹی سے موٹی بات تک کو سمجھنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی حال ان مدعیان عقل و علم کا ہے جن میں سے کچھ تو معراج کے واقعہ عظیمہ کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے اور کچھ اسکے منافی و جسمانی کی موشگافیوں کی اُدھیڑ بُن میں الجھے ہوئے ہیں اور الجھا رہے ہیں۔ جب کہ سائنس کی گھر گھر مقبول عام چند موجودہ ایجادات اس واقعہ عظیمہ کے خصوصی و انفرادی وجود و نمود کی تصدیق کرتے ہوئے برملا یہ کہہ رہی ہیں کہ اگر یہ ہو سکتا ہے تو وہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہی وہ مسئلہ ہے جس کی وضاحت آگے آنے والے صفحات میں کی گئی ہے۔

"معراج اور سائنس" کے عنوان سے اس کتاب کا اختتامی حصہ اسی حقیقت عظمیٰ کو سائنس کی روشنی میں بیان کرنے کے لیے مخصوص ہے۔ جس سے نور و تجلی میں مستور انتہائی حقیقت (ULTIMATE REALITY) حقیقت کبریٰ کا طالب و تشنہ ہر شخص رہنمائی پا سکتا ہے۔

لہٰذا اب آگے یہی دیکھنا ہے کہ مذہب کے اس خدائے علیم و بصیر کی طرف سے جو ایک آسمانی کتاب قرآنِ حکیم کی صورت میں مل چکی ہے۔ جو ہر طرح مستند و محفوظ ہدایت نامہ ہے۔ جو رضائے حق کے طالبوں کو ہر طرح کی تاریکی سے نکال کر

روشنی کی طرف لاتا ہے اور زندگی کی تمام راہوں میں صاف سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور فرماتا ہے کہ مذہب سے بیزاری اور بے پرواہی روشن خیالی نہیں اور دہریت ولا ادریت ( ) میں پناہ نہیں مل سکتی۔ اور لا مذہبیت کے لیے کوئی منطق و فلسفہ نہیں۔

Marfat.com

معراج اور سائنس

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہِ کامل نہ بن جائے

انسان کی ذات وصفات، خلقت وفطرت کے بارے میں بات صرف اس طرح کی شاعرانہ، فلسفیانہ پریشانی وحیرانی تک ہی نہیں رہی۔ ایک بڑے نامی گرامی نوبل انعام پانے والے ڈاکٹر کاربل مان (DR, ALEX CARREL MAN) نے ایک کتاب "نامعلوم انسان" (THE MAN UNKNOWN) اس موضوع پر لکھ ڈالی کہ انسان نے گو بے شمار علوم وفنون کے کتب خانوں پر کتب خانے بھر ڈالے لیکن خود آپ یہ اس سے جاہل ہی رہا کہ اس کی انسانیت کیا ہے۔ ڈاکٹر موصوف لکھتا ہے۔

"گو ہمارے پاس دنیا بھر کے علمائے سائنس وفلسفہ اور اشراقیہ یا سریہ (MYSTICS) کے فراہم کردہ معلومات ومشاہدات کا بہت بڑا ذخیرہ ہوگیا ہے۔ تاہم انسان خود اپنی ذات وحقیقت کے صرف چند پہلو ہی اپنی گرفت میں لا سکا ہے۔ پوری طرح اُس نے اپنے آپ کو نہیں جانا۔ بس کچھ پراگندہ یا الگ الگ اجزا کا اس کو ایک معجون مرکب سمجھ رکھا ہے اور یہ اجزاء بھی خود ساختہ ہیں۔"

اسی طرح ایک اور بڑے عالم سائنس ہیزلٹ (HASLET) نے ایک

ضخیم کتاب "سائنس کے ناحل مسائل" پر لکھ ڈالی اور اس میں بھی سائنس کا لاینحل مسئلہ انسان ہی قرار دیا۔ ڈاکٹر ہینرلٹ اپنی اس کتاب میں لکھتا ہے کہ۔

"سائنس دان کسی بحث و مسئلہ میں اس سے زیادہ عاجز و درماندہ نہیں جتنا خود انسان کے معاملہ میں۔ وہ ایٹم کو توڑ سکتا ہے۔ بعید سے بعید ترین ستاروں کی روشنی کا تجزیہ و تحلیل کر سکتا ہے۔ وہ برقیات پر قادر ہو سکتا ہے لیکن یہی سائنس دان جب زندگی کی حقیقت اور اس سے بڑھ کر خود اپنی یا انسان کی حقیقت سمجھنا چاہتا ہے تو مشکلات ہی مشکلات سے دوچار ہو جاتا ہے۔ نہ زندگی قابو یافتہ تجربہ کی متحمل ہے نہ انسان"

ڈاکٹر ڈارون نے انسان پر تحقیق و تجسس کیا تو اس کا ارتقائی نسب نامہ بندر سے ملا دیا۔ بات پتے کی ہو یا نہ ہو بہر حال معقول ضرور تھی۔ اتنا مہذب و متمدن ہونے کے باوجود ابھی تک انسان کا بہت کچھ بندر سے ملتا جلتا ہے لیکن ایسے عمومی و جسمانی اشتراکات کے باوجود ہر شے اپنے خصوصی نوعی امتیازی صفات و آثار ہی سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ لہٰذا ایک شاعر کو یہ کہنا پڑا۔

کہا منصور نے خدا ہوں میں
ڈارون بولا بوزنا ہوں میں
ہنس کے بولے میرے اک دوست
فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست

اسی طرح ایک اور بائی آلوجسٹ نے انسان پر تحقیق کی تو اس کے نتائج کے پیش نظر یہ کہنا پڑا کہ ابتدا میں زندگی کھربوں سال مچھلی کی صورت میں سمندروں میں بستی رہی۔

بہر حال یہ بات بھی کسی حد تک معقول ضرور ہے لیکن یہ ضروری معلوم نہیں ہوتا کہ اسے حقیقت قرار دے دیا جائے کہ طبیعات کے قوانین خود فکر کی اس ساخت یا سانچہ کی خاصیت ہیں

جس سے ہم خارجی مظروفات کا نقشہ بناتے یا استحضار کرتے ہیں اور اب تک طبیعات ایسے قوانین معلوم کرنے میں ناکام رہی ہے جو خود خارجی مشمولات یا اشیاء پر عائد لاگو ہوتے ہوں۔

یہی حقیقت ایک تاریخ سائنس میں بھی اس طرح دہرائی گئی ہے کہ سائنسی تحلیل ((ANALYSIS)) کے لیے ذہنی تعلقات ((CONCEPTS)) بہرحال ناگزیر ہیں اور اشیاء کے مابین جن روابط و علائق کو قوانین فطرت کہا جاتا ہے۔ وہ نام ہے ذہنی تعلقات ہی کے مابینی علائق کا نہ کہ ذہن سے باہر خارج کے کچھ مادی نوعیت کے ٹھوس حقائق ((CONCRETE REALTIES)) کے مابینی تعلقات و روابط کا۔

اسی تاریخ سائنس میں اسی مسئلہ کو ایک اور طرح بیان کیا گیا ہے۔ لارڈ وتھر فورڈ ((LORDRUTHERFORD)) کے نزدیک سائنس کے قواعد و ضوابط خود ہمارے مشاہدہ و تجربہ کے طریقوں سے اس میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً سفید روشنی جو بجائے خود ایک غیر منضبط یا بے ترتیب اختلال ہے اس میں نظم و انضباط۔ طیف (یا منشور ((GRATING)) کے ذریعہ اس کو جانچنے سے پیدا ہو جاتا ہے۔ روتھر فورڈ اپنے نزدیک جس مرکزہ ((NUCLEUS)) کو دریافت کر رہا تھا ممکن ہے کہ فی الواقع اس نے خود ہی پیدا کر لیا ہو۔ جدید ترین نقطۂ نظر کی رو سے جوہر ((SUBSTANCE)) غائب ہو چکا ہے اور ہمارے پاس صرف ہئیت و صورت ((FORM)) ہی رہ گئی ہے نظریہ کوانٹم ((QUANTUM)) کی رو سے امواج اور نظریہ اضافیت ((LETEVITY) کی رو سے خمیدگی (CURVATURE)

اس کے علاوہ ایک اور محقق عالم سائنس پوانیکرے ( ) اس سے متعلق یہ کہتا ہے کہ کسی شے کے وجود کے معنی کسی کے خیال میں پائے جانے ہی کے ہیں

Marfat.com

ورنہ پھر وہ لاشئ محض ہے۔ وہ سب کچھ جو خیال نہ کیا جا رہا ہو لاشئ محض (ABSOLUTE NOTHINGESS) ہے۔ ہم چونکہ صرف خیال ہی کر سکتے ہیں اور تمام وہ الفاظ جو ہم اشیاء کے لیے استعمال کرتے ہیں وہ خالص خیال ہی خیال کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ کوئی شئ خیال کے علاوہ پائی جاتی ہے ایسا دعویٰ ہے جس کے کوئی معنی ہی نہیں۔

جدید سائنسی دور میں انیسویں صدی کے آخر تک یہی دعویٰ مادیت و مادہ پرستی کے نام سے زبان زد خاص و عام رہا لیکن بیسویں صدی کی خود سائنسی فکر نے بڑی حد تک اس الٹی منطق کو سیدھا کر دیا کہ بے ذہن اور بے زندگی میں کوئی مادی جوہر ایسا نہیں پایا جاتا کہ زندگی و ذہن جس کی ضمنی و ارتقائی مخلوق ہو۔

اضافیت کے طبعی نظریہ نے ثابت کر دیا کہ برقی مقناطیسی (ELECTRO MAGNATIC) قوتیں حقیقی قطعاً نہیں بلکہ محض خود ہمارے ذہن کی ساختہ پرداختہ ہیں اور یہی حال نیوٹن کی قوت کشش اور انرجی (ENERGY) وغیرہ تمام دوسرے ایسے تصورات کا ہے۔

صدیوں سے سائنسی عنوانات کے تحت کائناتی تحقیقات ہوتی رہی ہیں۔ مگر کوئی بدنظمی یا نقص نظر نہیں آتا بلکہ کائنات کی ہر حرکت، رفتار اور قوت سائنٹیفک فارمولوں، وقت اور ریاضی کے قوانین و ضوابط اور اصولوں کی پابند نظر آتی ہے اور نظم و ضبط کا یہ عالم ہے کہ ان کی تیز رفتار گردشوں میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا۔

ہم کو معلوم ہے کہ کائنات میں بے حساب کہکشانی طلسمات پھیلے ہوئے ہیں اور وہ سب زبردست قوت و حرکت سے مزین ہیں کیمیائی عنصر کے چھوٹے چھوٹے ذرات سے لیتی جوہروں سے عبارت ہیں۔ جن کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ طاقتور سے طاقتور خوردبین سے بھی ان کو دیکھنا ناممکن ہے۔ جو بال کے دس لاکھویں حصہ سے بھی زیادہ باریک ہوتے ہیں لیکن ان کے غیر مرئی ہونے کے باوجود ان کو تولا ناپا جا سکتا تھا۔

Marfat.com

ان ہی جوہروں کو زمین سے آسمان تک کی پوری مادی یا جسمانی کائنات کی تعمیری اینٹیں قرار دیا جاتا ہے۔ ان ہی دو یا زیادہ سالمات سے مل کر معمولاً ان سے بڑا وہ ذرہ یا جوہر بنتا ہے جس کو مکسرہ کہتے ہیں۔ سالمات الگ الگ نہیں پائے جاتے بلکہ کسی نہ کسی جسم کے سالمہ ہی کی شکل میں پائے جاتے ہیں۔

مختلف پیمائشوں اور حسابوں سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایک سالمہ ایک انچ کے نولاکھویں حصہ سے بھی بہت زیادہ چھوٹا ہونا چاہیے۔ اوسطاً سالمہ کا قطر ایک انچ کے بارہ کروڑ پچاس لاکھویں حصہ سے بھی کم ہوتا ہے اور سالمہ یا ایٹم مکسرہ سے بھی چھوٹا ہوتا ہے۔ مختلف سالمات وزن و حجم کے اعتبار سے باہم بہت مختلف ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ اگر ایک ایک سالمہ کو یکے بعد دیگرے رکھا جائے تو ایک انچ خط کے لیے چالیس کروڑ سالمات درکار ہوں گے اور ایک گرام وزن کے لیے کروڑ کھرب (TRILLIUN) ایٹموں کی ضرورت ہوگی۔ اور مکسرات کی تیز رفتاری کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ہائیڈروجن کا ایک مکسرہ سالمہ ایک سیکنڈ میں ایک میل سے زیادہ حرکت کر جاتا ہے۔ ساکن یا بند ہوا کا مکسرہ رائفل کی گولی سے کئی گنا زیادہ تیز رفتار ہوتا ہے اور ایک انچ کے ہزارویں حصہ کی مسافت پر یہ دوسرے سے ٹکراتا اور ان ٹکروں کی بنا پر ہر سیکنڈ میں پانچ ارب مرتبہ اپنا راستہ بدل لیتا ہے۔

ماہرین کو گمان تھا کہ قریباً نوّے قسم کے مختلف ایٹم کی مختلف قسمیں پائی جاتی ہیں مگر اس کثرت اقسام سے کوئی مطمئن نہ تھا۔ ماہرین کیمیا ان مختلف قسم کے عناصر یا سالمات کو مزید بسائط میں تحلیل نہ کر سکے تھے۔ اس لیے ان کو ناقابل تقسیم ایٹم کہتے تھے تاہم سائنس اس امید میں برابر لگے تھے کہ کوئی نہ کوئی ایسا اساسی مادہ منکشف ہو کر رہے گا جس سے تمام مختلف عناصر کے ایٹم مرکب ثابت ہوں جو ایسا ابتدائی جوہر ہوگا جس سے مادہ کی مختلف متنوع صورتیں رونما ہوتی ہیں۔ (اقتباس از "ماڈرن بلیف")

اس امر کے انکشاف کا کہ جواہر ناقابلِ تقسیم اور ناقابلِ نفوذ ازلی وابدی ذرات نہیں۔ پہلا قدم ایکس ریز ((X - RAYS)) کا انکشاف تھا۔ ایسی شعاعیں جو اجسام کے اندر نفوذ کی غیر معمولی قوت رکھتی ہیں۔ یہ تابکار اشعاع برقی امواج پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ان کی نوعیت ہماری معمولی روشنی ہی کی ہوتی ہے البتہ ان کا طول موج بہت ہی کم ہوتا ہے۔

سب سے پہلے یہ معلوم ہوا کہ ریڈیم اور یورنیم جیسی دھاتوں سے تین قسم کی شعاعیں نکلتی ہیں جن کا نام "الفا۔ بیٹا۔ گاما" رکھا گیا۔ ان میں سب سے اہم بیٹا شعاعیں ہیں جن کا نام آگے چل کر برقپارے، برقی ذرات یا الیکٹرون ((ELECTRONS)) پڑا اور پوری کائنات میں جہاں کہیں بھی کوئی ایٹم یا مادہ پایا جاتا ہے۔ وہ ان برقپاروں ہی سے بنا ہوتا ہے جن کا مرکز مثبت برق کی اکائیاں ہوتی ہیں جن کو پروٹون ((PROTONS)) کہا جاتا ہے، الیکٹرون کا جداگانہ وجود صرف اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے جب کہ وہ کم از کم چھ سو میل فی سیکنڈ کی رفتار سے حرکت کر رہا ہو۔ ورنہ پھر جو پہلا ایٹم اس کو مل جاتا ہے اس میں مدغم ہو جاتا ہے۔ یہ الیکٹرون دس ہزار سے لے کر ایک لاکھ میل تک فی سیکنڈ تیز رفتاری سے حرکت کر سکتے ہیں۔

یہ الیکٹرون چھوٹے چھوٹے معلوم ایٹم سے بھی ہزاروں گنا چھوٹے ہوتے ہیں۔ غرض زمین و آسمان کے لاتعداد اجسام و اجرام جن کو ہم دیکھ سکتے ہیں نہ صرف یہ کہ وہ بال کے لاکھویں حصہ سے بھی زیادہ باریک بلکہ ان دیکھے ایٹم یا ذرات سے مرکب ہیں۔ کیا سائنس کی یہ دریافتیں حد درجہ عجیب نہیں؟ کیا یہ بے حد عجیب نہیں کہ سالمات کی تحلیل و تجزیہ نے کائنات کی نسبت خیالات ہی میں عظیم انقلاب برپا کر دیا ہے۔ اور سائنس کی یہ دریافت بھی کیا کچھ کم عجیب ہے کہ تعمیر کائنات میں مادہ سے کہیں زیادہ خلا پایا جاتا ہے اور مادی سالمات اسی خلا یا غیر مادی یعنی عدم مادہ میں تیرتے پھرتے ہیں۔

اور سائنس کی یہ دریافت بھی کچھ کم عجیب نہیں کہ ہر سالمہ میں زیادہ حصہ خلا ہی کا ہوتا ہے

نسبتاً اتنا زیادہ جتنا مختلف ستاروں کے مابین لاکھوں میل کا اور ہر سالمہ چھوٹے پیمانہ پر گویا ایک نظام شمسی ہوتا ہے جس میں آفتاب یعنی مرکزی پروٹان کے گرد سیارات یا الیکٹران حرکت کرتے رہتے ہیں اور ان کے درمیان اتنی ہی خلا یا خالی جگہ پائی جاتی ہے جتنی مختلف سیاروں اور آفتاب کے درمیان۔ چھوٹے پیمانے پر نظام شمسی۔

مندرجہ بالا جستہ جستہ اقتباسات کا مدعا مادی کائنات کا کوئی تفصیلی سائنسی جائزہ پیش سائنس کی موجودہ رسائی کی حد تک اس کی وسعت و پنہائی کی جو نوعیت معلوم ہو سکی ہے اس کا ایک خاکہ زیر بحث مقصد کے لیے پیش کر دینا ہے۔ لہٰذا اس ہی کی زبان میں چند سطروں میں پھر ذہن نشین کرتے چلیں کہ ایک سرے پر اس کی بے پایاں وسعت، ناقابلِ تصور فاصلے، وہم و خیال میں نہ سمانے والی سحابوں کی جسامت، سورج، اور ستاروں کے افسانوی قد و قامت۔ دوسرے سرے پر لا انتہا چھوٹائی کا یہ عالم کہ سالمہ ولیا ہی ناقابلِ تصور حد تک چھوٹا ہے۔ جیسا کہ سحابہ ناقابلِ تصور حد تک بڑا ہے۔ پانی کے ایک قطرہ میں اربوں کھربوں سالمات پائے جاتے ہیں۔ پھر ہر سالمہ کے اندر اس سے بھی چھوٹے چھوٹے الیکٹرون ہوتے ہیں۔ جن کے درمیان نسبتاً ایسی ہی بڑی بڑی خلائیں یا فاصلے پائے جاتے ہیں جیسے آفتاب اور اس کے سیاروں کے مابین۔ اور پھر سالمہ کی بجائے خود اتنی تنگ و کشادہ دنیا کے اندر عقل کو بوکھلا دینے والا ایک مسلسل خلائی و فلکیاتی بلکہ کائناتی ناٹک جاری ہے۔

اس ناٹک کے کردار اب صرف الیکٹرون و پروٹون ہی نہیں بلکہ الیکٹرون و پروٹون کے بیس سال بعد سالمی ذرہ کی ایک اور قسم کا پتہ چلا ہے جس کو نیوٹران کا نام دیا گیا پھر دو سال بعد ایک اور قسم کے ذرات کا پتہ چلا جن کو پازیٹران سے نامزد کیا گیا۔ آگے چل کر کیا کہہ سکتا ہے کہ اور کیا کیا پتہ نہ چلے گا۔

اگر انسان کے چاند پر پہنچ جانے کی خلائی مہم ناقابلِ تصور بات نہیں رہی تو ایک افضل بالبتہ

Marfat.com

انسان کا قاب قوسین بلکہ اس سے بھی آگے تک پہنچ جانا ناقابلِ تصور بات کیسے ہو سکتی ہے اور سائنس خود اس کی تائید و تصدیق کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک محبوب ترین بندے کو مشاہدہ کرانا تھا، یہ بتانا تھا کہ تم کو تمہاری زمین و زندگی کا راز بھی آسمان پر یا کہیں اس سے بھی ماورا ملے گا۔ پس وہ اپنے بندے کو جہاں تک لے جانا چاہتا تھا اپنی قدرت کاملہ سے لے گیا اگر ایک عام انسان خلائی راکٹ میں چاند تک جا سکتا ہے تو سرور دو عالم احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاب و قوسین و ادنیٰ تک چلے جانے پر ایمان نہ رکھنا خدا کی قدرت و ندرت پر ایمان نہ رکھنے کے مترادف ہے۔ کفر و الحاد کے مترادف ہے۔ منکر معراج منکر خدا ہے۔

وہ خدا جو اپنی شانِ کبریائی میں لاشریک ہے۔ اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔ جس نے خود آپ اپنی ذاتِ اعلیٰ صفات سے متعلق فرمایا۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ (۲۱-۲۲)

اگر کائنات میں دو خدا ہوتے تو کائنات تباہ ہو کر رہ جاتی۔

وہ خدا جس نے اپنی کتاب قرآنِ حکیم میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

قُلْ أَرَءَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ط أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ

بھلا بتلاؤ تو سہی، تمہارے وہ شریک جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ انہوں نے زمین کی کونسی چیز بنائی۔ یا کیا آسمانوں میں ان کی کوئی شراکت ہے؟

ایک اور جگہ فرمایا۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ فَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ۔ (سبا ۲۲)

Marfat.com

آپ فرما دیجیے کہ جن کو تم خدا کے سوا معبود سمجھ رہے ہو ان کو پکارو وہ ذرہ برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ نہ آسمانوں میں اور نہ زمین کے پیدا کرنے میں نہ ان دونوں کے پیدا کرنے میں شریک ہیں اور نہ کوئی ان میں سے اللہ کا کسی کام میں مددگار۔

وہ خدا جو خود اس کی وضاحت کرتا ہے کہ وہ اس وسیع کائنات کا انتظام کیسے کرتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد کرتا ہے۔

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

(البقرہ ۲۵۵)

نہ اس کو اونگھ آسکتی ہے نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

ایک اور جگہ تخلیق کائنات کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ۔ (ق ۳۸)

ہم نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں بنایا اور ہم تھکے نہیں۔

حکمتِ تخلیق کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى۔ (زمر)

ہم نے ہر چیز کو حکمت سے اور میعاد معین کے لیے بنایا۔

اور پھر یہ ارشاد ہوا۔

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ۔ (المومنون ۱۷)

ہم تخلیق سے غافل نہیں۔

عمل تخلیق اس عمل کو کہتے ہیں جس میں کوئی نئی چیز موجود نہ ہو موجود ہو جائے۔ غیر موجو

موجود ہونا تخلیق کہلاتا ہے تخلیق کے لیے سنگ وخشت یعنی مادہ کی ضرورت نہیں بلکہ تخلیق خود مادہ تخلیق کرتی ہے۔

کائنات میں جو بے حساب اور کثیر المقدار مادہ پایا جاتا ہے وہ تخلیق ہی کا کرشمہ ہے تخلیق سے پہلے وہ غیر موجود تھا۔ تخلیق نے اسے موجود کر دیا۔ بڑی بڑی کہکشائیں، سحابیے اور سدیمیں۔ یہ بڑے بڑے اجرام فلکی جو کبھی وجود نہ رکھتے تھے تخلیق ہی کے عمل سے وجود میں آئے اور عمل تخلیق صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مخصوص ہے۔ یہ سب اسی کی کرشمہ کاریاں ہیں۔ وہی خالق ہر شے ہے۔ اس عملِ تخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس عملِ تخلیق میں وہ طراح اعظم تنہا اور لاشریک ہے۔ اور یہ بھی نہ سمجھ لینا چاہیے کہ تخلیق کائنات ایک حادثہ ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ اس کا خالق وہی خالق مطلق ہے جس کی معرفت وحکمت اور عظمت ورفعت کے اظہار کے لیے قرآن جلیل میں بے شمار آیات موجود ہیں۔

وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر قائم کیا پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا۔ اس نے آفتاب وماہتاب کو قانون کا پابند کیا۔

وہی ہے جس نے سورج کو روشن کیا۔ چاند کو چمک دی۔ اور اس کے گھٹنے بڑھنے کی منزلیں ٹھیک ٹھیک مقرر کر دیں۔ جو تم جانتے ہو اور تم اسی سے برسوں اور تاریخوں کے حساب معلوم کرتے ہو۔

اس سارے نظام کی ہر چیز وقت مقررہ پر چل رہی ہے اور اللہ ہی اس سارے کام کا تدبیر فرما ہے۔

اللہ نے یہ سب کچھ بامقصد بنایا ہے اور وہ اپنی نشانیوں کو کھول کھول کر پیش کر رہا ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔

اس نے چاند سورج کے طلوع وغروب کا حساب مقرر کیا ہے۔ یہ سب اس زبردست قدرت والے اور علم رکھنے والے کے ٹھہرائے ہوئے

Marfat.com

اندازے ہیں۔

آسمانوں اور زمین میں اہل ایمان کے لیے بہت سے دلائل ہیں۔

اس کی نشانیوں میں سے ہے زمین و آسمان کا پیدا کرنا تمہارے لب و لہجہ اور رنگوں کا الگ الگ ہونا اس میں علم والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ دوران خطبہ آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ط (۳۹ - ۶۷)

ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی۔ قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوئے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں۔

اور یہ کہتے کہتے حضورؐ پر ایسا لرزہ طاری ہوا کہ سامعین کو خطرہ ہونے لگا کہ کہیں آپؐ منبر سمیت نہ گر جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی رفعتیں اور وسعتیں جاننے کے لیے اس کی تخلیق کی ہوئی کائنات کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ مظاہر کائنات اور کائنات کا مطالعہ خالق کائنات کی حکمتوں اور قدرتوں کا ترجمان ہے۔

قرآن حکیم نے زمین و آسمان کی تخلیق کے تعلق سے اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اس پر غور و خوض کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ ہم نہ صرف خالق کائنات کی عظمتوں اور حکمتوں سے واقف ہوں بلکہ ان پر مکمل یقین و ایمان رکھنے والے ہو جائیں۔ ہمارے لیے یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ یہ کائنات اور مظاہر کائنات جو اس کی صناعیوں اور صورت گری کے اعلیٰ ترین نمونے ہیں آخر ہیں کیا۔

Marfat.com

لالہ وگل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

کائنات اور اُس کی بیکراں وسعتوں میں رات دن گردش کرتے یہ اجرامِ فلکی کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ ان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے۔ جب کہ ان کی تخلیق کے بارے میں یہ ارشاد ہوتا ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (۴۰-۵۷)

آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کے پیدا کرنے کی نسبت مشکل کام ہے۔

اور پھر کائنات اور مظاہر کائنات کا مطالعہ اس لیے بھی بڑا ضروری ہے کہ شبِ معراج صاحبِ معراج طلسم ماہ و انجم سے بھی گزرے تھے اور مستقر زمین تھا اور رات دن گردش میں رہنے والے آسمان زیر پائے محمدؐ تھے۔

بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان ایک ٹھوس چھت ہے جس تک پہنچنا ہمارے لیے ممکن ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پرندے صرف چند سو میٹر کی بلندی تک اڑتے ہیں ہم کوہستانی وادیوں میں جاتے ہیں تو ان شہروں کی بلندی دو اڑھائی ہزار میٹر کی ہوتی ہے۔ کوہ پیما جن پہاڑوں کی چوٹیوں کو تسخیر کرتے ہیں وہ ایک حد تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہیں طیاروں کی پرواز ان چوٹیوں سے بھی اونچی ہوتی ہے۔ اس سائنسی دور میں خلائی راکٹوں اور مصنوعی سیاروں کی اڑان لاکھوں کلومیٹر بلندی پر ہوتی ہے۔ تاہم انسان کبھی آسمان کی انتہا تک نہیں پہنچا۔ اونچی اور اونچی بلندی پر بھی سورج اور ستارے اتنے ہی دور نظر آتے ہیں جتنے زمین کی سطح سے وہ دور ہیں۔

آسمان کا ہماری زمین اور زندگی کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری ساری ضروریات پوری کرنے کا سامان اسی میں رکھا ہے۔ اسی نیلگوں بیکرانی میں ہوائیں چلتی ہیں۔ بادل اُمڈ گھمڈ کر اٹھتے ہیں جو مینہ برسا کر زمین کو سیراب کرتے ہیں۔ دن کے وقت

سورج پوری آب و تاب سے چمکتا ہے اور زمین کو روشن کرتا ہے۔ اس کی تمازت سے کارخانۂ حیات کے کئی کام چلتے ہیں۔

غروبِ آفتاب پر جب رات افق سے افق تک اپنے سیاہ شہپر پھیلا دیتی ہے تو آسمان کی رنگت سیاہ ہو جاتی ہے۔ چاند چمکنے اور ستارے جھلملانے لگتے ہیں۔ ہر رات میں آسمان کا منظر مختلف ہوتا ہے۔ چاند کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔ یہ آسمان کے مختلف حصوں میں چمکتا نظر آتا ہے۔ ستارے مشرقی افق سے طلوع ہو کر رات بھر مغربی افق کی جانب گردش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی کوئی تارا ٹوٹتا نظر آتا ہے تو روشنی کی لمبی سی لکیر بناتا ہوا خلا پنہائیوں ہی میں کہیں غائب ہو جاتا ہے۔ زمانہ قدیم میں انسان کی ذہنی رسائی بس اتنی ہی تھی کہ آسمان ایک ٹھوس چھت ہے جس میں جلتی ہوئی قندیلیں اور فانوس لٹک رہے ہیں۔ انسان کا خیال تھا کہ اس پردۂ زنگاری میں کوئی ہے جو ان سماوی شمعوں کو حرکت دے رہا ہے لیکن جب انسان کے مشاہدات اور عقلیات میں اضافہ ہوا تو اس کے ساتھ ساتھ آسمان کے متعلق اس کے تصورات و نظریات میں تبدیلی آتی گئی۔ اس سے ایک نیا علم وجود میں آیا جس کو فلکیات کہتے ہیں۔

یہ سارا نظام کائنات کیا ہے؟ اجرامِ فلکی کیا ہیں؟ ان کی گردش کا راز کیا ہے۔ یہ سوالات ہمیشہ انسان کے ذہن میں پیدا ہوتے رہے ہیں اور وہ حقیقت کو جاننے کا متلاشی و متجسس رہا ہے اور اسی تجسس کو سائنس کہتے ہیں۔ اور یہ تجسس کرنے والا سائنس دان کہلاتا ہے جن میں سے اسپینوزا، جان لاک، ڈیوڈ ہیوم، ہیگل، نطشے وغیرہ جو خدا ناشناس تھے اور ان میں سے نیوٹن، کوپرنیکس، کوپرولیف، ایڈنگٹن، جیمز جینز اور آئن سٹائن جیسے خدا شناس بھی جنہوں نے خدا کی عظمتوں اور رفعتوں کا اعتراف کرتے ہوئے حقیقت عظمیٰ کی تلاش جاری رکھی۔ اور ایسے سائنسی آلات ایجاد کیے جن سے کائنات اور مظاہر کائنات کو سمجھنے میں بڑی مدد ملی۔ اور انسان نے افلاک کے بارے میں نہایت قیمتی معلومات حاصل

Marfat.com

کرلیں۔ آیئے ان کی جدید معلومات کی روشنی میں معلوم کریں کہ ہمیں آسمان اور اس پر نظر آنے والے اجسام کے بارے میں کیا تصور ملتا ہے۔ اور یہ سائنسی حقائق معراج مصطفےٰ کی کہاں تک تائید و تصدیق کرتے ہیں۔ ہم ابتدا زمین سے کرتے ہیں کہ یہی سفر معراج کا نقطۂ آغاز ہے حضورؐ یہیں سے سفر معراج پر تشریف لے گئے اور معراج سے واپسی پر یہیں پر تشریف لائے۔

Marfat.com

معراج اور مظاہر کائنات

زمین !

زمین کی شکل ایک گول کُرے کی سی ہے۔ جس کو فضا کے غلاف نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ اس میں ۸۸ کلومیٹر بلندی تک ہوا یکساں پائی جاتی ہے۔

ہوا میں نائٹروجن ۷۸ فیصد، آکسیجن ۲۱ فیصد اور آرگن ۹۳ فیصد ہیں۔ باقی ۱ فیصد میں کاربن ڈائی آکسائیڈ آبی بخارات اور ذرات وغیرہ شامل ہیں۔

زمین کے قریب ہوا کی مقدار زیادہ ہے لیکن جوں جوں اوپر اٹھتے جائیں اس کی مقدار کم ہوتی جاتی ہے۔

فضا کے پہلے ۱۶ کلومیٹر میں ہوا کا کل ۹/۱۰ حصہ ہے۔ اس حصے میں آندھیاں چلتی ہیں طوفان اٹھتے ہیں۔ بادل بنتے اور برستے ہیں اور موسمی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ اس حصے میں جوں جوں اوپر جائیں درجہ حرارت کم ہوتا چلا جاتا ہے۔

۱۶ کلومیٹر سے زیادہ بلندی پر ہوا اس قدر لطیف ہو جاتی ہے کہ انسان کے لیے سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے۔ ۲۰ سے ۳۰ کلومیٹر کے درمیان آکسیجن کی ایک قسم اوزان (OZONE) گیس پائی جاتی ہے۔ جس کے ہر سالمے میں آکسیجن کے دو کے بجائے تین جوہر یا ایٹم ہوتے ہیں۔ فضا کے اس حصے میں درجہ حرارت پھر بڑھنے لگتا ہے اور ۵۰ کلومیٹر بلندی پر تقریباً وہی درجہ حرارت ہوتا ہے جو سطح زمین پر ہے۔

۵۰ سے ۸۸ کلومیٹر تک بلند فضا میں سورج سے خارج ہونے والی شعاعوں کے باعث برقی اثرات پائے جاتے ہیں۔ یہ حصہ شمسی شعاعوں کی زد میں ہوتا ہے۔ اس میں پہلے ایٹمی آکسیجن کی تہہ پائی جاتی ہے۔ ۲۰۰ کلومیٹر پر ہیلیم گیس کی تہہ شروع ہوتی ہے اور مزید چند سو کلومیٹر کی بلندی پر ہائیڈروجن گیس کی تہہ آجاتی ہے۔ فضا کی آخری حد سطح زمین سے ۹۶۰۰ کلومیٹر بلندی پر مانی گئی ہے۔

کرہ زمین کو فضا کے علاوہ برقائے ہوئے ایٹمی ذرات یعنی پروٹان اور الیکٹران کو ایک اور غلاف نے بھی ڈھانپ رکھا ہے۔ یہ ذرات سورج سے خارج ہو کر زمین کے گرد سطح زمین سے ۳۰۰۰ کلومیٹر سے لے کر ۸۰۰۰۰ کلومیٹر بلندی تک جمع ہوتے رہتے ہیں یہ نہایت تیز رفتاری سے حرکت کر رہے ہیں اور سورج سے آنے والی کاسمک (COSMIC) شعاعوں کو زمین پر آنے سے روکتے ہیں۔ اگر یہ غلاف نہ ہوتا تو سورج کی یہ شعاعیں زمین کی ہر چیز کو جلا کر بھسم کر دیتیں اور یہاں زندگی کا وجود ممکن نہ ہوتا۔

زمین کا قطر پچیس ہزار میل یا چالیس ہزار کلومیٹر ہے۔ وہ ایک گھنٹہ میں ایک ہزار میل سے نائد یا ایک ہزار چھ سو کلومیٹر سے زیادہ گھومتی ہے۔ اسی گردش سے رات دن بنتے ہیں جو حصہ سورج کے سامنے ہوتا ہے دن اور جو سورج کے سامنے نہیں ہوتا رات کہلاتا ہے۔ قرآن کریم میں متعدد جگہ دن رات کے بننے پر غور و فکر کرنے کو کہا گیا ہے۔

زمین کی دو حرکتیں ہیں۔ پہلی حرکت اس کی محوری گردش ہے جو چوبیس گھنٹوں میں مکمل ہوتی ہے۔ دوسری حرکت وہ ہے جو یہ سورج کے گرد کرتی ہے۔ اس کی یہ گردش ایک سال میں پوری ہوتی ہے۔ جنوری کے مہینے میں یہ جس مقام پر رہتی ہے اس مقام پر سورج کے اطراف گھوم کر واپس آنے کے لیے ۶۰ کروڑ میل یا ۹۳ کروڑ کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔ اس کی اتنی تیز رفتاری باوجود اللہ کی قدرت سے ہمیں اس کی تیز رفتاری کی قطعاً خبر نہیں ہوتی۔

Marfat.com

ابتدا میں زمین سورج کا ایک حصہ تھی۔ اور پھر یہ سورج سے علیحدہ ہوگئی جیسا کہ قرآنِ حکیم میں کہا گیا ہے۔ جب یہ سورج سے علیحدہ ہوئی تو بھاپ یا دھوئیں کی شکل میں تھی۔ بعد میں مائع میں تبدیل ہوگئی اور کچھ عرصہ بعد اس نے ٹھوس شکل اختیار کر لی۔

زمین کے وزن کا اندازہ اکیس صفر ٹن کیا گیا ہے۔ سائنس کی تحقیق کے مطابق جو اجزا سورج میں پائے جاتے ہیں وہ زمین میں بھی پائے جاتے ہیں۔ زمین کی سطح سے چالیس میل تک موٹی مٹی کی پرت ہے جس میں سلیکن، میگنشیم اور لوہا جیسی کئی دھاتیں پائی جاتی ہیں۔ زمین کے مرکز کا درجہ حرارت اندازاً دو لاکھ سنٹی گریڈ ہے اس کا تین چوتھائی حصہ سمندروں سے گھرا ہوا ہے۔ اس میں آسمان سے باتیں کرتے ہوئے پہاڑ ہیں۔ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ ان کی تخلیق اس لیے کی گئی کہ زمین کو قائم رکھیں۔

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ (انبیاء۔ ۳۱)

زمین کے اوپر پھیلی ہوئی ایک عظیم خلاء ہے۔ اتنی کہ انسان اس کی وسعت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس میں کھربوں اجسام تیرتے ہیں۔ اس کا نہایت ہی معمولی حصہ ہمیں دکھائی دیتا ہے طاقتور دوربینوں کی مدد سے انسان اس میں ذرا زیادہ دور تک دیکھ سکتا ہے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ بیت المقدس پہنچے تو فرشتوں کی ایک جماعت آپؐ کے استقبال کے لیے وہاں موجود تھی حضرت جبریل علیہ السلام نے آپؐ کو براق سے نیچے اتارا اور اس براق کو دیوار کے ساتھ باندھ جسے البراق کہتے ہیں۔ براق کی تیز رفتاری کا حال تو آپ معراج شریف کے بیان میں پڑھ ہی چکے ہیں۔ بعض لوگوں کے لیے براق کی یہ تیز رفتاری اچنبھے کی بات ہے کہ اتنی تیز سواری براق تھی یا کیا تھی۔

جہاں تک تیز رفتاری کا تعلق ہے خلائی راکٹ، مصنوعی سیارے اور اڑن طشتریاں اس کی ایک نمایاں مثال ہیں۔ جو دنیا کے بیشتر حصوں میں دیکھی جا چکی جو نہایت تیز رفتاری سے خلاء سے آتی ہیں اور خلاء ہی میں غائب ہو جاتی ہیں اور ابھی تک کچھ پتہ نہیں چلا کہ وہ ہیں کیا

بہرحال تیز رفتاری کی سائنسی حقیقت کو سمجھنے کے لیے سائنس کے پاس اس کی کئی زندہ مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل سفر کرتی ہے۔

ہمارے روزانہ مطالعہ کا ایک مجموعہ یا تارہ منڈل (CONSTELLATION) جس کا نام سگنوس (SYGNUS) ہے۔ ایک سیکنڈ میں بیس ہزار میل کی رفتار سے پیچھے ہٹتا جا رہا ہے اور اس کی رفتار میں ذرا فرق نہیں آ رہا۔

انسانوں نے جو اعداد بنائے ہیں وہ وسعت کائنات کی پیمائش کے لیے کافی نہ ہو سکے اس لیے سائنس دانوں نے نوری سال ( ) کی ایجاد کی۔ نور کی رفتار ١٨٦٠٠٠ میل فی سیکنڈ ہوتی ہے۔ اور براق بھی ایک نورانی وجود تھا اور پھر قدرت کاملہ نے اسے جس خدمت پر مامور کیا تھا اس میں تیز رفتاری ہی درکار تھی۔ اس کے علاوہ بھی تیز رفتاری کی کئی مادی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔

بجلی کا ایک بلب ایک لاکھ ٨٦ ہزار میل کے فاصلے پر رکھ دیں۔ سوئچ دبائیں تو ایک سیکنڈ میں وہ بلب جلنے لگے گا۔ یہ برقی رو کی تیز رفتاری ہے اور پھر ہوا کی تیز رفتاری بھی اس کی ایک مثال ہو سکتی ہے۔

براق سے اترنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے تو پیغمبروں کی ایک جماعت آپ کے استقبال کے لیے تشریف لائی اور حضورؐ نے امام بن کر اپنے مرسل بھائیوں کو نماز پڑھائی۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبۃ الصخرا پر لے آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سیڑھی نظر آئی جو زمین سے آسمان کو چھو رہی تھی۔ یہ ارتقا معراج کی سیڑھی تھی اور بڑی ہی پراسرار تھی۔

اس کے دونوں طرف کے بازو دو پنجروں کی طرح تھے۔ ان کا ایک سرا زمین پر تھا اور دوسرا آسمان پر۔ ایک بازو سرخ یاقوت کا بنا ہوا تھا اور دوسرا سبز زمرد کا۔ اس کا ایک پایہ سونے کا بنا ہوا تھا اور دوسرا موتیوں اور چاندی سے۔ اور اس کی مجموعی صورت کرسی کی [illegible] تھی جس میں

Marfat.com

زمرد کے دو اتنے بڑے پر لگے تھے کہ اگر اس کا ایک پر پھیلایا جاتا تو تمام دنیا کو گھیر لیتا اور اس کرسی میں پچاس مقام تھے اور ہر مقام میں ستر سال کا فاصلہ تھا۔ اور ایک ایک مقرب فرشتہ ہر مقام پر متعین تھا۔

یہ سیڑھی فرشتوں کے آنے جانے کا راستہ ہے۔ جو آسمان سے زمین پر آتے ہیں اور زمین سے آسمان پر جاتے ہیں۔ موت کا فرشتہ ملک الموت بھی روح قبض کرنے کے لیے اسی سیڑھی سے نیچے اترتا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مرنے کے وقت جب آدمی کی آنکھیں پتھرا جاتی ہیں تو اس وقت یہ سیڑھی نظر آتی ہے۔

مراۃ مسلسلہ کا عظیم سحابہ ستاروں کا ایک بہت بڑا نظام ہے جس کی شکل اور ساخت ہماری کہکشاں سے ملتی جلتی ہے۔ قدیم بابلی اور کلدانی لوگ اسے آسمانی کرسی کہتے تھے۔

Marfat.com

اور قدیم مصری اسے طوت غخ آمون کی سیڑھی کہتے تھے جس کے راستے وہ دیوتا چاند سے اتر کر زمین پر آتا تھا۔

یہ مجمع نجوم مراۃ مسلسلہ میں خالی آنکھ سے بہت دھیما دھیما نظر آتا ہے۔ یہ ہم سے سات لاکھ نوری سال دور ہے۔ پھر بھی تمام جزائر کائنات سے جو فضائے بسیط میں گردش کرتے رہتے ہیں اور ہم سے قریب ترین ہے۔ اس کا قطر ۶۰ ہزار نوری سال ہے۔ اگر ایسے محیط و بسیط کائناتی جزیرے ہو سکتے ہیں تو زمین سے آسمان کو چھوتی ہوئی سیڑھی بھی ہو سکتی ہے۔

اوپر دی گئی تصویر رصد گاہ کوہ ولسن کے ۶۰ انچ کے عاکس سے لی گئی لیکن انسان ابھی وہاں نہیں پہنچا کہ وہ کوئی ایسا عاکس تیار کر سکے جس سے اس سیڑھی اور اس پر آتے جاتے فرشتوں کی تصویر اتار سکے۔ یہ تو اس کا ایک سائنسی تجزیہ (SCIENTIFICANALYSIS) ہے جس کے لیے ذہنی تعقلات (CONCEPTS) بہر حال ناگزیر ہیں۔ اور جن علائق یا اضافات (RELATIONS) کو قوانین فطرت کہا جاتا ہے وہ صرف ذہنی تعقلات ہی کے مابینی روابط یا اضافات کا نام ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سیڑھی کے ذریعے آسمان تک طلسم ہر انجم سے گزرے۔ زمین سے قریب ترین جو سیارہ ہے اس کو چاند کہتے ہیں۔ اس کا فاصلہ زمین سے تین لاکھ پچاسی ہزار کلومیٹر ہے۔ اور اس کا قطر ۳۴۸۰ کلومیٹر۔ یہ زمین کی نسبت بہت چھوٹا ہے۔ اس کی کشش ثقل بہت کم ہے۔ زمین پر جس چیز کا وزن ۱۵۰ پونڈ ہے چاند پر اس کا وزن ۲۵ پونڈ ہو گا۔ زمین کی طرح چاند کی بھی دو گردشیں ہیں۔ ایک محوری گردش اور دوسری زمین کے گرد مدار میں گردش چاند کی محوری گردش کی رفتار ۱۶٫۵ کلومیٹر فی گھنٹہ ہے۔ ان دونوں رفتاروں میں اس قدر توازن ہے کہ زمین سے چاند کا ایک ہی رُخ نظر آتا ہے۔ چاند کی سطح پر جو کالے کالے دھبے نظر آتے ہیں وہ آتش فشاؤں کے دہانے اور بڑے بڑے غار ہیں۔ ان کے علاوہ کافی اونچے اونچے پہاڑ بھی ہیں۔

Marfat.com

چاند کی اپنی کوئی روشنی نہیں۔ سورج کی روشنی منعکس کرتا ہے۔ چاند اپنی گردش کے دوران سورج زمین کے عین بیچ میں آجاتا ہے تو سورج کے کچھ حصے کو یا پورے سورج کو تاریک کر دیتا ہے۔ رات کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ کیفیت سورج گرہن کہلاتی ہے اسی طرح زمین جب چاند اور سورج کے درمیان حائل ہو جاتی ہے تو چاند پر سورج کی روشنی نہیں پڑتی اور وہ تاریک ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کا نام چاند گرہن ہے۔

سائنس دانوں کا متفقہ خیال ہے کہ چاند ایک روز زمین کے قریب آجائے گا اور پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ اور زمین کے گرد ایک ہالہ بن جائے گا۔ اس وقت سمندروں میں تلاطم اٹھیں گے اور زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اسی واقعہ کو قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (قمر۔۱)

قیامت آگئی اور چاند پھٹ گیا۔

سورج زمین سے ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ یا ۱۴ کروڑ ۸۸ لاکھ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے سورج زمین سے کئی گنا بڑا ہے۔ اس کا اپنا ایک نظام ہے جس میں نو سیارے ہیں جو سورج کے گرد گھومتے ہیں۔ پہلا سیارہ عطارد۔ سورج سے بہت قریب ہے اس کا فاصلہ سورج سے تین کروڑ ۶۰ لاکھ میل ہے۔ اس کا قطر ۳۰۱۰ میل ہے۔ وہ ۸۸ دنوں میں سورج کے گرد ایک چکر پورا کرتا ہے یعنی اس کا ایک سال ہمارے ۸۸ دنوں کا ہوتا ہے۔

دوسرا سیارہ زہرا سورج سے چھ کروڑ ۷۲ لاکھ میل دور ہے۔ اس کا قطر ۷۶۱۰ میل ہے ۲۲۵ دنوں میں سورج کے گرد چکر لگاتا ہے۔ اس کا وزن ۵ کے بعد ۲۱ صفر ٹن ہے۔ زہرا کے بعد زمین ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

چوتھا سیارہ مریخ ہے۔ سورج ۱۴ کروڑ ۱۵ لاکھ ۴۰ ہزار میل دور ہے۔ اس کا قطر

۴۱۵۰ میل ہے۔ وہ سورج کے گرد ۶۸۷ دنوں میں گردش کرتا ہے۔

مریخ میں زندگی کی موجودگی کا شبہ کیا جاتا ہے۔

پانچواں سیارہ مشتری ہے۔ یہ ایک بڑا سیارہ ہے۔ وہ سورج سے ۸۸ کروڑ ۳۳ لاکھ میل دور ہے۔ اس کا قطر ۸۶ ہزار ۷ سو میل ہے۔ سورج کے گرد ۱۲ سال میں ایک چکر لگاتا ہے۔ اس کا ایک سال ہمارے ۱۲ سال کے برابر ہوتا ہے۔ مشتری زمین سے ۳۱۷ گنا بڑا ہے۔

چھٹا سیارہ زحل سورج سے ۸۸ کروڑ ۶۱ لاکھ میل دور ہے۔ اس کا قطر ۷۵۰۰۰ میل ہے۔

ساتواں سیارہ یورنس سورج سے ایک ارب ۸۷ کروڑ ۲۷ لاکھ میل دور ہے اس کا ایک سال ہمارے ۸۴ سال کے برابر ہوتا ہے۔

آٹھویں سیارے پنچون کا فاصلہ دو ارب ۸۰ کروڑ میل ہے۔ اس کا قطر ۲۷۱۰۰ میل ہے۔ یہ سورج کے گرد ۱۶۵ سالوں میں گردش کرتا ہے۔

نویں سیارے پلوٹو کا فاصلہ تین ارب ۶۷ کروڑ میل ہے۔ اس کا قطر ۳۷۰۰ میل ہے اس کا ایک سال ہمارے ۲۵۰ سالوں کے برابر ہے۔

جس طرح ہماری زمین کے گرد چکر لگانے والا اللہ تعالیٰ نے ایک چاند بنایا اسی طرح دوسرے سیاروں کے گرد چکر لگانے والے چاند بھی بنائے ہیں۔ مریخ کے گرد دو چاند گھومتے ہیں۔ مشتری کے گرد بارہ چاند۔ جن میں سے تقریباً آدھے ہمارے چاند سے بڑے ہیں زحل کے گرد ۹ چاند گھومتے ہیں۔ ان کے علاوہ اس کے گرد ایک گول ہالہ بھی ہے جو بے حد خوشنما لگتا ہے۔ یورے نس کے گرد پانچ اور پنچون کے گرد دو چاند چکر لگاتے ہیں۔

سورج سے قریب ترین اک اور تارا پراکزیما سینچاری (PROXIMACENTERARI)

Marfat.com

ہے۔ اس کا فاصلہ زمین سے ۴½ نوری سال ہے۔ یہ سورج سے کچھ چھوٹا مگر اُس سے سوا گنا زیادہ روشن ہے۔

اس طرح بہت سے تارے سورج سے کئی گنا زیادہ منور ہیں۔ ایک اور تارہ پروکیان (PROCYON) سورج سے گیارہ نوری سالوں کے فاصلے پر ہے سورج سے سات گنا روشن ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہکشاں مروانجم کے اس طلسم سے گزرے۔ اس سیڑھی کے انتہائی کنارے تک پہنچے۔

Marfat.com

معراج اور ملائکہ

حضورؐ نے ارتقائی سیڑھی کے انتہائی کنارے پر ایک بہت بڑا فرشتہ دیکھا جو ہاتھ کھولے ہوتے زمین اور آسمان کے ساتوں طبقوں کو دونوں ہاتھوں میں لیے ہوئے تھا۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس ہوائی کرہ میں پہنچے جہاں ہواؤں کو ستر ہزار زنجیروں کے ساتھ بندھا ہوا دیکھا اور ہر زنجیر ستر ہزار فرشتوں کے سپرد تھی۔

حضورؐ یہاں سے ذرا اور آگے بڑھے تو حضورؐ نے ایک مقام پر فرشتوں کے غول در غول دیکھے۔ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا۔

"ان فرشتوں کی تعداد کس قدر ہوگی"؟

حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا۔

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوقات خداوندی میں سے کوئی بھی ان کی تعداد نہیں جانتا"

یہاں سے آگے بڑھے تو آپؐ نے ایک ایسا فرشتہ دیکھا جس کا اوپر کا آدھا حصہ آگ سے بنا ہوا تھا۔ اور نچلا آدھا حصہ برف سے۔ مگر یہ عجیب بات تھی کہ نہ تو آگ برف کو پگھلاتی تھی اور نہ برف آگ کو بجھاتی تھی۔

یہاں سے آگے بڑھے تو دوسرے آسمان میں ایک فرشتے کے پاس پہنچے جو کرسی پر بیٹھا تھا۔ اور اُس کے پر بڑے چمکیلے تھے اور اُس فرشتے کی چوڑائی اس قدر تھی کہ اگر وہ ایک پر کو پھیلاتا تو مشرق سے مغرب تک گھیر لیتا۔

Marfat.com

اس فرشتے کے ارد گرد بہت سے فرشتے جمع تھے جو بڑے جسیم تھے۔ ان کے ہاتھ میں آگ کے گرز تھے۔ جن سے وہ بہت سے انسانوں کو عذاب دے رہے تھے جب وہ ان کو گرز سے مارتے تھے تو ان کا جسم ریزہ ریزہ ہو جاتا تھا اور جل جاتا تھا اور فوراً ہی وہ اپنی اصلی حالت میں آجاتے تھے اور فرشتے ان کو گرز مار کر پھر ریزہ ریزہ کر دیتے تھے۔

چوتھے آسمان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بڑا ہی عجیب واقعہ دیکھا وہ یہ تھا کہ ایک فرشتہ کرسی پر بڑا غمگین بیٹھا ہوا تھا۔ اس کرسی کے چار گوشے اور ہر گوشہ کے بہت سے پائے سونے چاندی اور مروارید کے بنے ہوئے تھے۔ اور اُس کے ارد گرد ان گنت فرشتے کھڑے تھے جو گنے نہیں جا سکتے تھے۔ جو فرشتے دائیں طرف کھڑے تھے خوش شکل تھے اور جو بائیں طرف کھڑے تھے بڑی ہی ڈراؤنی شکل کے تھے۔ ان کے منہ سے آگ کے شعلے نکلتے تھے اور جو فرشتہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا مجسم آنکھ بنا ہوا تھا اور اس کی آنکھ میں مرتخ اور مشتری ایسے بے شمار ستارے چمک رہے تھے۔ ستارے

چھٹے آسمان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بند دروازہ دیکھا جس پر تمام آسمانوں اور زمینوں کے برابر قفل لگا ہوا تھا۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے حضورؐ کو بتایا کہ اس کو باب الامان کہتے ہیں۔ یہ دوزخ کا دروازہ ہے۔ ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں اور کل مخلوق کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ دروازہ پیدا کیا ہے۔ اسی واسطے اس کو باب الامان کہتے ہیں۔

"اس دروازے کو کھول کر دکھاؤ اس کے پیچھے کیا ہے"؟

حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا۔

"یا رسول اللہ اس کے پیچھے دوزخ کی آگ ہے۔ آپ کو دوزخ اور دوزخیوں سے کیا کام۔ آج کی رات بزرگی کی رات ہے۔ جلدی چلیے تاکہ

آپؐ مقام معراج پر پہنچ جائیں۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"اے جبریل! میں ضرور دیکھوں گا اس دروازے کے پیچھے کیا ہے؟
اتنے میں حکم الہٰی آیا کہ میرے حبیبؐ انگشت مبارک کا اشارہ کرو۔ دروازہ کھل جائے گا
چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا تو دروازہ فوراً کھل گیا۔ جس کے ساتھ ہی دھوئیں کے بادل اور بھڑکتے ہوئے شعلے باہر نکلے۔

آپؐ نے نظر ماری تو ہر طرف آگ ہی آگ اور شعلے ہی شعلے دکھائی دیے۔ جن میں ایک الیسار عب اور دبدبے والا فرشتہ نظر آیا کہ حضورؐ انور نے اس سے پہلے نہ دیکھا۔ اُس کے آس پاس اور بھی کئی فرشتے کھڑے تھے اور ان کے ہاتھ میں آتشیں گرز تھے۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمان سے آگے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو ایک بڑی ہی عظمت والا فرشتہ دیکھا۔ جس کے طول و عرض کے برابر کوئی فرشتہ نہ تھا۔ بے شمار اس کی زلفیں تھیں جن میں ستارے پروئے ہوئے تھے اور ہر ستارہ ایک موتی تھا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہر موتی سے ایک دریا جاری تھا۔ اور ہر دریا میں بڑی بڑی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔

سفر معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جسیم و جمیل فرشتے دیکھے وہ بھی سب اللہ تعالیٰ کی قدرت و ندرت اور عظمت رفعت کی نشانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر اتنی بڑی کائنات اور اس سے ماورا اس سے بھی بڑی کائناتیں پیدا کر سکتا ہے۔ بڑے بڑے جسیم ستارے اور کہکشائیں پیدا کر سکتا ہے تو جسیم و قد آور فرشتے پیدا کر لینا بھی اس کی قدرت کاملہ سے باہر نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش ہی میں اپنے اس تخلیقی و تکوینی راز کو منکشف کرنے کے لیے فلک بوس پہاڑوں اور ستاروں میں بھی اس کی تمثیلیں پیدا کر دیں۔ جن کی تصدیق و تائید سائنس اپنی زبان میں یوں کرتی ہے کہ۔

ایک طرف صرف ایک سورج کے مقابلہ میں ہماری سڑ برابر زمین کی دنیا کا خیال کریں

Marfat.com

اور دوسری طرف اس ایک سورج جیسے کروڑوں دوسرے سورجوں کا جو اس مجموعہ میں پائے جاتے ہیں جس کو کہکشانی نظام کہا جاتا ہے۔ پھر یہ کائنات یا عالم اس کہکشانی نظام پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس جیسے لاکھوں لاکھ سحابیے خلاء میں تیر رہے ہیں اور ہم سے قریب ترین سحابیہ بھی چھ کروڑ اڑسٹھ ہزار نواسی نوری سال کی دوری پر واقع ہے اور بے حد بڑا ہے۔ جس زمین پر ہم آباد ہیں یہ نظام شمسی کا صرف ایک سیارہ ہے جو سورج کے مقابلے میں مٹر کا دانہ ہے۔ سورج تو سورج سیارہ مشتری اتنا بڑا ہے کہ اس میں ہماری زمین جیسی ایک ہزار سے زیادہ زمینیں سما سکتی ہیں اور پھر آسمان پر جو چھوٹے چھوٹے تارے دکھائی دیتے ہیں ان میں اکثر سورج کے برابر اور بہت سے خود سورج سے اتنے بڑے ہیں کہ ان میں دس ہزار سورج سما سکتے ہیں۔

ستارے وہ کہلاتے ہیں جو خود بخود روشن ہیں یعنی جو اس وقت جلتی ہوئی گیس کی حالت میں پائے جاتے ہیں۔ اور جو ٹھنڈے ہو چکے ہیں جیسے مریخ اور ہماری زمین وغیرہ وہ سیارے کہلاتے ہیں۔

فرس مجمع کے پانچ ستارے فوق کہکشاؤں (EXTRAGALATIC) کا ایک جھرمٹ بتاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک خود ایک جزیرۂ کائنات ہے اور ہماری کہکشاؤں کی طرح اربوں کھربوں ستاروں کا مجموعہ ہے۔

ہم جس کہکشانی نظام میں واقع ہیں بیسویں صدی کی دوربینوں کے ذریعے اس کے ستاروں کی تعداد قریباً دس ہزار ملین ہے۔ پھر بھی ہماری کہکشاں بجائے خود صرف ایک مقامی کہکشانی نظام ہے جس کے علاوہ اور بے شمار کہکشانی نظامات پائے جاتے ہیں۔

کائنات کی تعمیر و تشکیل سے متعلق ((COSMOLOGICAL)) جو مضمرات ان میں پنہاں ہیں وہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

کہکشاؤں سے بھی ماورا سحابیے ( ) پائے جاتے ہیں جن کو
معلوم کرنے کے لیے بیسویں صدی کی امریکہ کے کوہ ولسن کی دوربین درکار تھی جس سے یہ
حقیقت واضح ہوئی کہ یہ سحابیے بھی دراصل ستارے ہیں جو کہکشاں سے بے انتہا دور فاصلے
پر پائے جاتے ہیں۔ اینڈرومیڈا (ANDRAMEDA) سحابیہ سے جو روشنی
ہماری دوربین تک پہنچتی ہے وہ بیس لاکھ سال سے گزر رہی ہوتی ہے۔ ہم ٹیلسکوپ (دوربین)
سے خلا میں (SPACE) جہاں بھی دیکھیں یہ سحابیے موجود ملتے ہیں۔ لیکن ابھی
تک کوئی ایسی ٹیلسکوپ ایجاد نہیں ہوئی جس سے افلاک میں اپنے اپنے کام اور مقام پر متعین
ملائکہ دیکھے جا سکیں کہ وہ تعداد میں کتنے ہیں اور کس قدر جسیم ہیں۔ البتہ سائنسی مشاہدات نے

Marfat.com

ان کی تمثیلوں کو افلاک میں ضرور دیکھ لیا ہے۔ اس سے آگے سائنس کے لیے ابھی اندھیرا ہے ؎

عروج ماہ کو انسان سمجھ گیا لیکن
ہنوز عظمت اللہ سے آگہی کم ہے

خالی آنکھ سے جو ستارے دیکھے جا سکتے ہیں ان کی تعداد دس ہزار سات سو ہے باقی بڑی بڑی دوربینوں سے سات کروڑ تک دیکھے جا سکتے ہیں۔ اور فوٹوگراف میں یہ تعداد ہزاروں ملین تک جا پہنچتی ہے لیکن حیران کر دینے والے یہ اعداد اصل میں بیرونی خلا میں شروع ہوتے ہیں۔ جہاں کروڑوں سحابیے اور اربوں ارب ستارے پائے جاتے ہیں اور یہ اعداد و شمار انسانی ذہن کو چکرا دینے والے ہیں۔

اربوں کھربوں میل کا طول و عرض رکھنے والے اجرام سماوی، سیاروں، کہکشاؤں اور سحابیوں کا ذکر ہی کیا۔ خود زمین پر آنکھوں دیکھے سینکڑوں لاکھوں میل لمبے چوڑے سمندروں اور ہمالیہ جیسے پہاڑوں کے اجسام خود سائنس کی بتلائی ہوئی مسلمہ حقیقت کی ہمالیاتی صداقت سے وحی و نبوت والے مذہب کے لیے اسی سلسلہ میں بہت بڑی پتہ کی گہری تنبیہ والی بات یہ ہے کہ الحاد کے بجائے ایمان کا راستہ دکھلانے والے جدید سے جدید سائنس کے ان سارے انقلابات کے باوجود اہلِ ایمان قرآن کی وحی کے عطا کیے ہوئے خدا پر ایمان رکھیں۔ مادی کائنات کے زیادہ گہرے مطالعہ و فہم نے خدا پر ایمان کے نئے نئے دروازے کھول دیے ہیں کہ کتنا عظیم ہے وہ خدا جو اتنے بڑے بڑے اجرام فلکی کو توازن کے ساتھ رکھے ہوئے ہے کہ وہ اپنا توازن کھو نہ بیٹھیں۔

کتنی عالیشان ہے وہ ذات جس نے عظیم الجثہ (SUPERGIANT) تارے بنائے اور ان کو روشن کیا۔ جو سورج سے کئی گنا بڑے ہیں۔ ستارے بٹلگیز (BETELGEUSE) یا انٹارس (ANTARES) ہمارے سورج جیسے ۶ کروڑ سورج سما سکتے ہیں۔ ایجینا (AGENA) سورج سے آٹھ گنا بڑا

Marfat.com

اور تین ہزار تین سو گنا روشن ہے۔ اس کا قطر ۷۰ لاکھ میل یا اکروڑ ۱۲ لاکھ کلومیٹر ہے۔

آرکیٹورس (ARCTURUS) یہ تارہ سورج سے ۲۵ گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر تقریباً دو کروڑ میل ہے۔ اس کا رنگ سنگترے جیسا ہے۔

رائگل ( ) یہ سورج سے ۳۰ گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر ۲ کروڑ ۶۰ لاکھ میل ہے۔ اس کا رنگ نیلا ہے۔

الڈی باراں (ALDEBARAN) یہ سورج سے ۴۳ گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر تقریباً ۳ کروڑ ۷۲ لاکھ میل ہے۔

شیاٹ (SCHEAT) اس کو اگر سورج کے مقام پر رکھ دیا جائے تو زہرہ سیارہ اس کے دائرے کے اندر آجائے گا۔ اس کا قطر ۸ کروڑ ۶۵ لاکھ میل ہے

کیانوپس (CANOPUS) یہ سورج سے دو سو گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر ۱۷ کروڑ ۳۰ لاکھ میل ہے۔

کیٹی (KETI) یہ سورج سے ۳۰۰ گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر ۲۶ کروڑ میل ہے

انٹارس (ANTARES) یہ سورج سے ۳۰۴ گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر ۳۷ کروڑ ۲۰ لاکھ میل ہے۔

یہ سب تارے آگ کے کرے ہیں۔ بُل گیز میں جو شعلے اٹھتے ہیں وہ پانچ کروڑ میل بلند اٹھتے ہیں تو پھر جہنم جو اسی مقصد کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس کے شعلے نہ جانے کتنے بلند اٹھتے ہوں گے۔ ان کی بے انتہا مہیب اور دہشت ناک شکل اللہ تعالیٰ کے جلال کی عکاسی کرتی ہے۔ اگر کسی عظیم تارے کو سورج کی جگہ رکھ دیا جائے تو زمین کے تمام سمندر بھاپ بن کر اڑ جائیں۔ جنگلوں اور شہروں میں آگ لگ جائے اور پہاڑ پگھلنے لگیں۔

بعض مجموعہ سیارگان میں تو عظیم ترین تاروں سے بھی بڑے بڑے ہیں۔ مثلاً

Marfat.com

سفائی ((CEPHEI)) سورج سے ایک ہزار گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر ۸۶ کروڑ ۵۰ لاکھ میل ہے

آری گا ((ANRIGAI)) کے مجموعہ ستارگان میں ایک تارہ آری گائی

د) سورج سے دو ہزار گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر ایک ارب ۷۳ کروڑ میل ہے

ان میں اٹھنے والے شعلوں کا اندازہ کرنا ممکن نہیں۔ خلاء میں ایسے کھربوں آتشیں کرے یا آتش فشاں ستارے بنانے والی قدرت کاملہ کیا گناہگاروں کی سزا کے لیے ایک جہنم نہیں بنا سکتی۔

سورج ہی کو لیجیے ایک بہت بڑی ایٹمی بھٹی ہے۔ سورج ہائیڈروجن گیسوں کا بہت بڑا گولا ہے۔ سورج کے بالکل وسط میں ہائیڈروجن اس قدر دباؤ میں ہے کہ اس کے ایٹموں سے ہیلیم گیس کے بڑے ایٹم بن رہے ہیں۔ اس تبدیلی کے نتیجہ میں زبردست مقدار میں حرارت پیدا ہوتی ہے۔

سورج کے مرکز میں درجہ حرارت لاکھوں درجہ سنٹی گریڈ تک چلا گیا ہے۔ چونکہ سورج کا حجم بہت بڑا ہے۔ اس لیے اس کے اندر جتنے ایٹمی دھماکے ہوتے ہیں وہ اس کے مرکزی حصے میں ہی سما جاتے ہیں۔

سورج کا مرکز اپنی حرارت کا کچھ حصہ بیرونی حصے کو منتقل کرتا رہتا ہے۔ اس حصے کو فوٹو سفیئر ((PHOTO SPHERE)) یعنی کرہ نور کا نام دیا گیا ہے۔

سورج کے گرد اس کی بھی ایک فضا ہے۔ سورج کی سطح سے چار ہزار کلومیٹر تک کو کروموسفیئر ((CHOROMOSPHERE)) یعنی کرۂ رنگیں کا نام دیا گیا ہے۔ یہ سرخ رنگ کا ہے اور اس کا درجہ حرارت دس ہزار درجہ سنٹی گریڈ تک ہے۔ اس کے اوپر لاکھوں کلومیٹر بلندی تک کرونا ((CORONA)) یعنی تاج ہے۔ اس میں مسلسل شعلے بلند ہوتے رہتے ہیں۔ جن کا درجہ حرارت لاکھوں درجہ سنٹی گریڈ تک ہے۔ ان شعلوں کے ذریعے

Marfat.com

سورج اپنی توانائی برابر خارج کرتا رہتا ہے۔ جس کا بڑا حصہ برقی مقناطیسی شعاعوں کی صورت میں زمین پر پہنچتا ہے۔ ان شعاعوں کے ساتھ الیکٹران، پروٹان، ایٹمی مرکزے اور نیوٹرینو ذرات بڑی مقدار میں پوری کائنات میں پھیلتے اور زمین کی طرف بھی آتے ہیں۔

دائرۃ البروج کے بارے میں تو آپ یہ جانتے ہی ہوں گے کہ ہر برج کا اپنا ایک نام ہے اور وہ اپنی ایک مخصوص شکل بھی رکھتا ہے۔ بروج کے نام اور ان کی مخصوص شکل درج ذیل ہے

برج حمل : اس کی شکل مینڈھے کی ہے۔

برج ثور : نشان بیل

برج جوزا : نشان جڑواں بچے

برج سرطان : نشان کیکڑا

برج اسد : نشان شیر

برج سنبلہ : نشان دوشیزہ

برج میزان : نشان ترازو

برج عقرب : نشان بچھو

برج قوس : نشان نصف کماندار نصف گھوڑا

برج جدی : نشان بکری

برج دلو : نشان مشکیزہ بردار

برج حوت : نشان دو مچھلیاں

کسی بھی رات کو آپ شمالی آسمان پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو وہاں سات ستاروں کا مجموعہ نظر آئے گا۔ جس کو دُب اکبر ((BIG DIPPER)) یا نبات النعش کا نام دیا گیا ہے۔

ان ستاروں کی ترتیب اس طرح ہے کہ چار ستارے ایک چارپائی کے پائے معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان کے پیچھے تین ستارے تصور میں یوں آتے ہیں کہ جیسے تین لڑکیاں چارپائی

کے پیچھے چل رہی ہو۔ چارپائی کے آخری دو ستاروں کی سیدھ میں ان ستاروں کے باہمی فاصلے سے تقریباً پانچ گنا فاصلے پر جو ستارا نظر آتا ہے وہ قطبی تارا (POLARISY) ہے۔

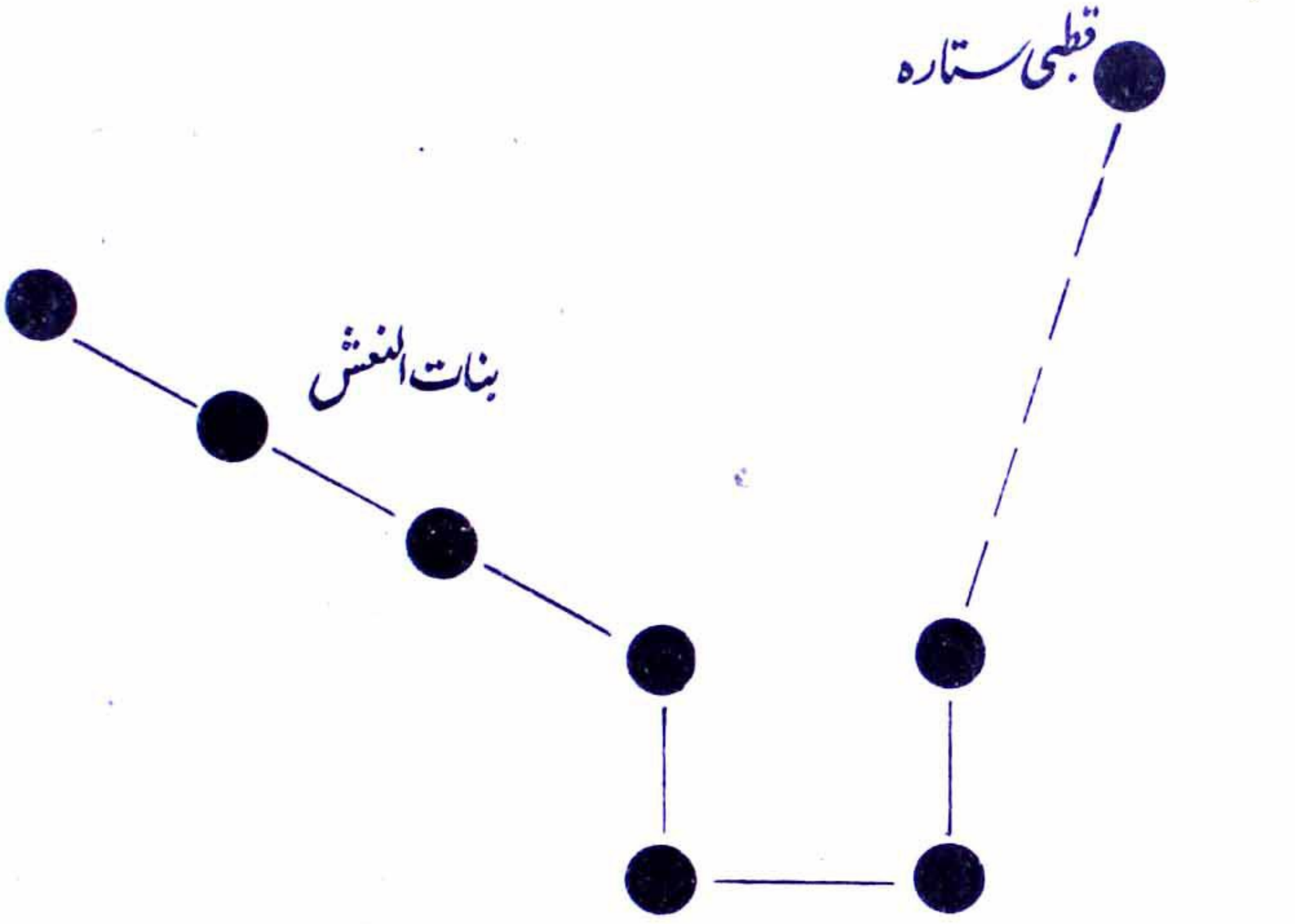

قطبی ستارے کے دوسری طرف چھ ستاروں کا ایک نمایاں مجموعہ انگریزی لفظ ڈبلیو (W) کی طرح کا ہے۔ اس کا نام ذات الکرسی ہے۔ یہ بھی ہر رات کو دیکھا جا سکتا ہے۔

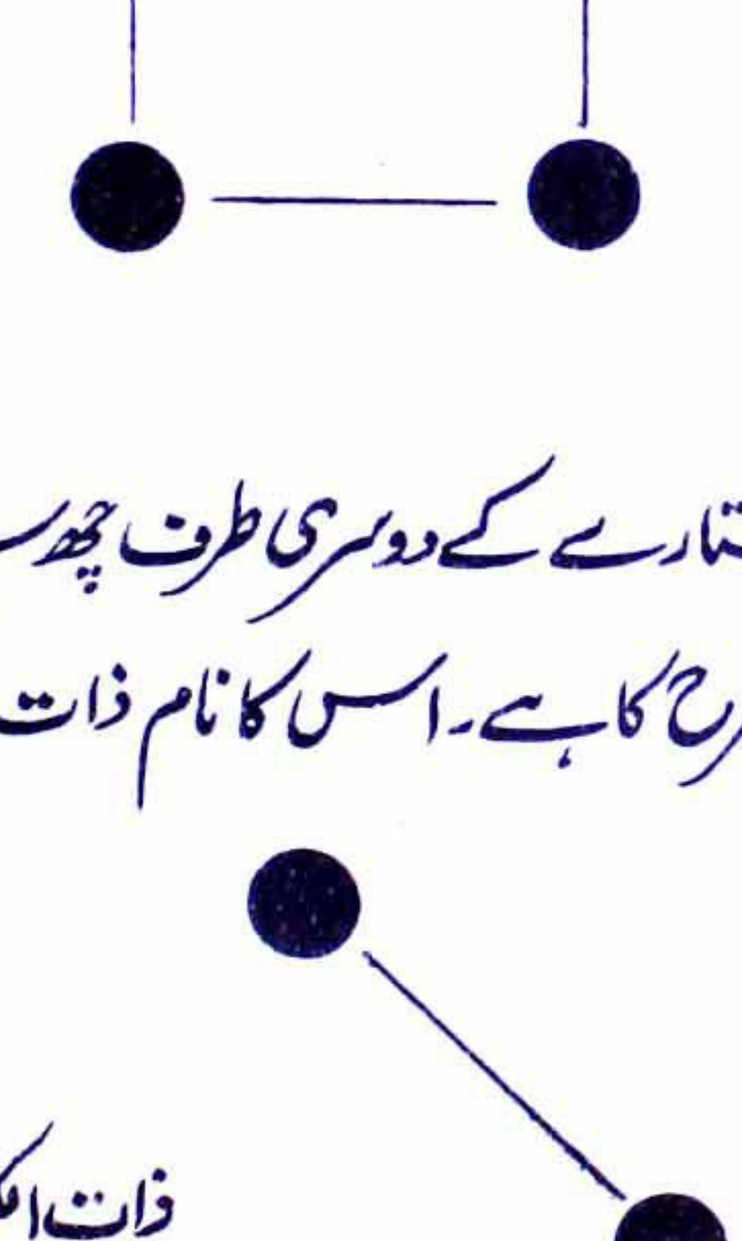

Marfat.com

آسمان میں روشن ترین ستاروں کا ایک مجموعہ ہمیں موسم سرما میں جنوبی آسمان پر دکھائی دیتا ہے۔ اس کو الجبار (ORION) کا نام دیا گیا ہے۔ اس کو دیکھ کر تصور میں یوں آتا ہے جیسے ایک شکاری کمر میں پیٹی باندھے اور تلوار لٹکائے کھڑا ہے۔ اس میں تین روشن ستارے ایک قطار میں واقع ہیں جن کی مدد سے یہ مجموعہ فوراً تلاش کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آسمان پر تین ستاروں کی کوئی دوسری قطار موجود نہیں۔ یہ قطار شکاری کی پیٹی ہے۔ اس کے ٹھیک نیچے کی طرف ستاروں کی ایک دھندلی قطار ہے۔ یہ شکاری کی تلوار ہے۔ اوپر اور نیچے دو دو روشن ستارے ہیں جو شکاری کے شانوں اور اس کے پاؤں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

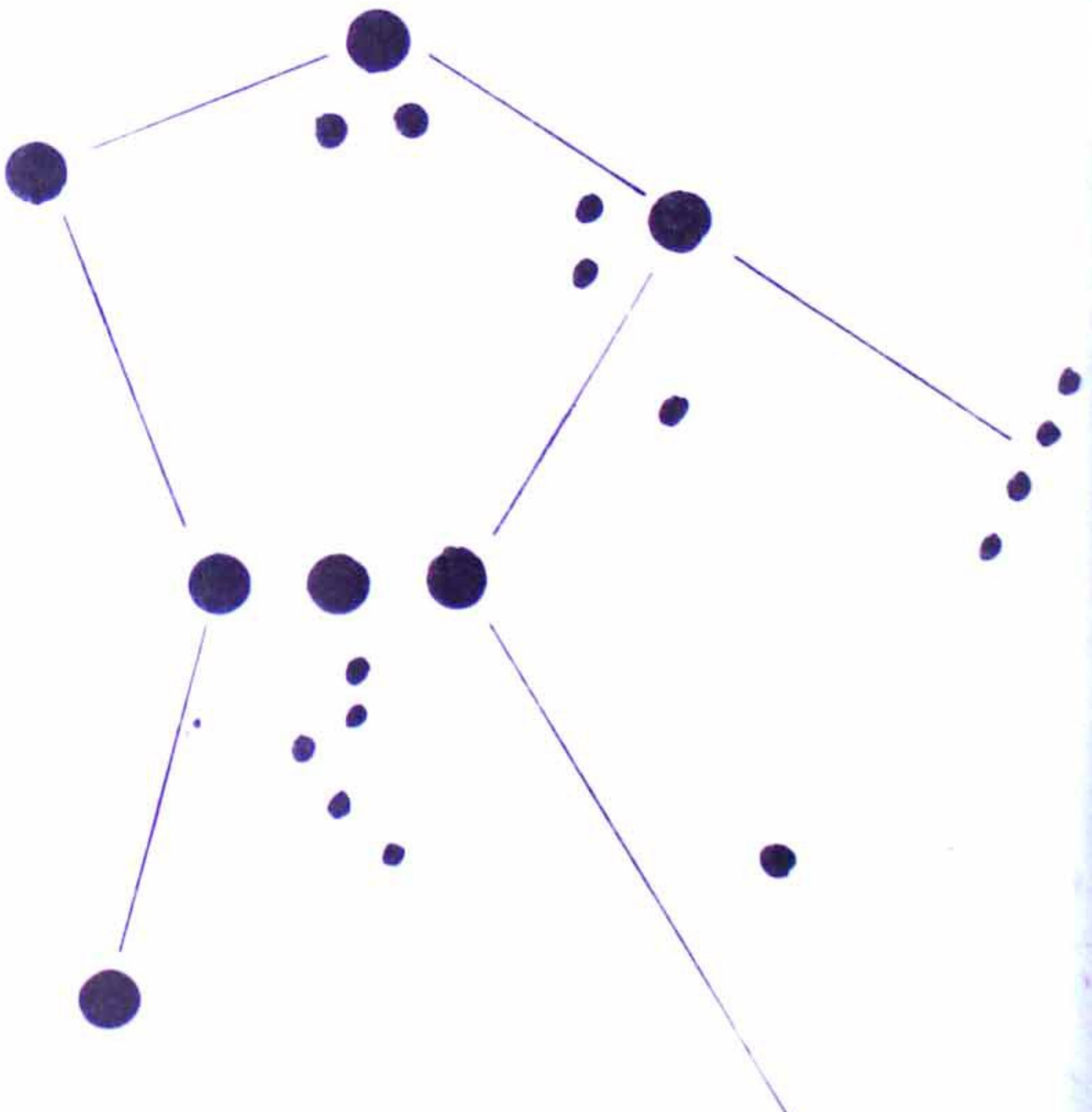

شکاری کے شانے سے اوپر کچھ فاصلے پر چھوٹے چھوٹے ستاروں کا ایک جھرمٹ نظر آتا ہے۔ بڑی مشکل سے آپ اس میں سات آٹھ ستاروں کو گن سکیں گے۔

اس جھرمٹ کا نام ثریا ہے جس کی بلندی اور دوری ضرب المثل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہم اس کو دیکھیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہر شے اپنا ایک الگ وجود رکھتی ہے۔ بعض کو دیکھا جا سکتا ہے۔ بعض کو نہیں دیکھا جا سکتا ہم بآسانی پہاڑ کو دیکھ سکتے ہیں کہ یہ پہاڑ ہے۔ اسی طرح سمندر کو دیکھ کر یہ کہتے ہیں کہ یہ سمندر ہے۔

مگر کئی چیزیں نظر نہیں آتیں اور وہ ہیں جیسے ہوا ہے نظر نہیں آتی۔ خوشبو ہے اور دکھائی نہیں دیتی۔ اس کے باوجود اس کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ہم ملائکہ کو نہیں دیکھ سکتے مگر وہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہے مگر ہم اس کو دیکھ نہیں سکتے مگر اس کی نشانیوں، اس کی صفات اور اس کی عظمتوں کو دیکھ کر اس کے وجود کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اس وسیع و عظیم الشان کائنات کی ہر شے پکار پکار کر اپنے خالق کے وجود کی گواہی دیتی ہے۔ جن پانچ چیزوں پر اسلام کی بنیاد ہے ان میں سے پہلی چیز ایمان ہے اور ایمان کے معنی جاننے اور ماننے کے ہیں۔ سب سے پہلے تو انسان کو خدا کی ہستی کا پورا یقین ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر اسے یہی یقین نہ ہو کہ خدا ہے تو وہ اس کی اطاعت کیسے کرے گا۔ اس کے ساتھ انسان کو خدا کی صفات کا علم ہونا بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان کے بعد دوسری چیز جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان لانے کی ہدایت فرمائی ہے وہ فرشتوں کی ہستی ہے۔

فرشتے اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ مخلوق ہیں۔ نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ ہماری نظروں سے غائب ہیں۔ ان کی فطرت ایسی ہے کہ وہ خدا سے احکام کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے جن کام پر اللہ تعالیٰ نے انہیں مقرر فرما دیا ہے انہیں میں لگے رہتے ہیں۔ فرشتوں کی گنتی اللہ تع

Marfat.com

کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ستاروں کی طرح وہ بھی گنے نہیں جا سکتے۔

خالق کائنات صرف سورج، چاند اور تاروں کا ہی خدا نہیں ہے بلکہ وہ فرشتوں کا بھی خدا ہے۔ ان کی تخلیق سوائے حیرت و تعجب کے کچھ بھی نہیں۔ خدا نے ایسے کھربوں کھربوں تارے بنائے ہیں جو سورج سے ہزاروں لاکھوں گنا بڑے ہیں۔ جن کے قطر کروڑوں میل ہیں۔ اور اللہ کی مخلوق ایسے فرشتے بھی ہیں جو قد و قامت میں بہت ہی بڑے ہیں۔ وہ بیک وقت زمین پر بھی ہیں اور آسمان پر بھی۔ ان کے پر اس قدر چوڑے ہیں کہ اگر ایک پر کو پھیلائیں تو مشرق سے مغرب تک گھیر لیں۔ اور ایسے فرشتے بھی جن کے منہ سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں۔ سائنس اس کی تائید آتش فشاں پہاڑوں سے کرتی ہے۔ جن کے دہانے سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں۔ سورج ہی کو لیجیے جو آگ کے شعلوں کے کرے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ابتدائی دور میں زمین پر ڈینوسار اور مہمل ٹائپ کے ایسے ایسے قوی الجثہ جانور موجود تھے جن کے نتھنوں سے اور دہانے سے آگ نکلتی تھی۔

ساتویں آسمان پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہت ہی بڑا فرشتہ دیکھا جس کے بے شمار بال و پر تھے۔ جیسے درخت میں شاخیں اور شاخوں میں پتے۔ یہ فرشتہ بہشت کی ایک نہر نہر النور میں غسل کرتا اور باہر آکر اپنے بال و پر جھاڑتا اور جہاں جہاں پانی کی بوند گرتی ایک فرشتہ پیدا ہو جاتا ہے جب کہ سائنس یہ کہتی ہے کہ ہماری زمین بھی سورج سے ایک بوند کی طرح ٹپک کر علیحدہ ہو گئی تھی۔ خلاء میں اب بھی ایسے سحابیے اور کہکشائیں موجود ہیں۔ جن سے بارش کی طرح برستی سیال گیس اور مادے شب و روز ٹپکتے ہیں اور تارے بن جاتے ہیں۔ تاروں کے نئے جھرمٹ اسی طرح وجود میں آ رہے ہیں نئی گیلیکسیاں اسی عمل سے بنتی ہیں۔

ساتویں آسمان کے قریب رسولِ مقبولؐ نے ایک معمر فرشتہ دیکھا جو بڑا ہی بوڑھا تھا اس کے نہ صرف سر کے بلکہ بھوؤں کے بال بھی سفید برف ہو رہے تھے پپوٹوں

پر گر رہے تھے آنکھیں ان میں چھپی ہوئی تھیں۔ اس کی عمر لاکھوں سال معلوم ہوتی تھی۔
سورج کی عمر کا اندازہ بے انتہا مشکل ہے۔ جب کہ سائنس دان اس کی عمر پانچ ارب سال بتاتے ہیں۔ اور بعض ایک کھرب سال۔ اسٹارس تارے کی عمر ۷ کھرب سال کہتے ہیں ابتدا میں انسان بھی بڑی لمبی عمر پاتا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر دو ہزار سال تھی۔ جب کہ درازی عمر کی یہ مثالیں جانوروں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ وہیل مچھلی اور کچھوے کی عمر بڑی لمبی ہوتی ہے۔ کئی صدیاں زندہ رہتا ہے۔ یہ سب اللہ کی قدرت ہے جسے چاہے، جتنی چاہے لمبی عمر عطا کرے۔ کروڑوں میل قطر کے تاروں کے مماثل فرشتے کب پیدا کیے گئے اور اب ان کی عمر کیا ہوگی؟ یہ خدا ہی جانے۔

ان تمام چیزوں کو پیش نظر رکھ کر دیکھیں تو واضح ہوگا کہ ان بے شمار کہکشاؤں اور عظیم ترین کروں کو خالق کائنات نے نہ تو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور نہ ان کو کسی مخلوق یا فرشتوں سے بنوایا۔ نہ ان کے بنانے میں کسی کی مدد لی۔ خالق کائنات کو ان کے بنانے کے لیے ایک ایسی قوت استعمال کرنا پڑی۔ جس کو قوت امر کہتے ہیں، قوت حکم کہتے ہیں حکم خالق کائنات کی ایک بہت بڑی اور عظیم ترین قوت کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ یا خواہش کرتا ہے تو حکم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا تخلیق کائنات خالق کائنات کے اسی حکم کا نتیجہ ہے کہ یہ کثیر مادہ جو کبھی نہیں تھا خالق کے حکم سے دھواں دھواں ہوا اور پھر اس کے حکم ہی سے بڑی بڑی عظیم گیا لیک بنیں عظیم اور عظیم ترین تارے آسمان پر جگمگانے لگے۔ اور ان کے مماثل فرشتے معرض وجود میں آئے۔ اور تخلیق کے اس راز کو جتنی جس کی عقل تھی اُس نے اتنا ہی سمجھا کائنات کے سلسلہ میں سائنس دانوں اور مفکروں نے خدا کی اس قوت حکم کو سمجھنے کی جتنی کوشش کی خدا نے اتنی ہی اُن کی رہنمائی کی۔ اور پھر قرآنِ حکیم نے علم والوں کو بہت بڑا درجہ اور امتیازی مقام عطا فرمایا۔

Marfat.com

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ
قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔

(آل عمران)

اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی کہ اس کے سوا کوئی حد نہیں اور
فرشتے اور سب اہلِ علم بھی راستی اور انصاف کے ساتھ اس پر گواہ ہیں کہ
اس زبردست حکیم کے سوا کوئی خدا نہیں ۔

Marfat.com

مہاکاتِ معراج

شبِ معراج رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے آسمان پر ایک دریا دیکھا جو اتنا چوڑا تھا کہ اُس کو پار کرنے میں انسان کو دو سو برس لگ جائیں اور ہر جانور جو خشکی و تری میں ہوتا ہے اس دریا میں موجود تھا۔ وہ دریا ہوا میں معلق تھا اور ایک قطرہ پانی کا اُس سے نہیں گر رہا تھا۔

ہماری دنیا کے سمندر بھی تو ہوا میں معلق ہیں اور ایک قطرہ پانی کا اُن سے خلا میں نہیں گر رہا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے آسمان سے آگے بڑھے تو ایک سبز دریا پر پہنچے۔ جس میں اسقہ فرشتے تھے کہ ان کا شمار اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔

یہاں سے آگے بڑھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دریائے تاریک پر پہنچے جس میں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا کہ اس دریا میں کیا کچھ ہے۔

اس کے بعد حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم اُس ہوائی کرہ میں سے گزرے جہاں ہواؤں کو ستر ہزار زنجیروں کے ساتھ بندھا ہوا دیکھا اور ہر زنجیر ستر ہزار فرشتوں کے سپرد تھی تاکہ وہ اُس کی حفاظت کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے آسمان پر آئے تو دیکھا کہ ہر طرف سفید موتی سی قندیلیں اور شمعیں فروزاں تھیں جو کبریائی نور سے روشن تھیں۔

چھٹے آسمان پر فرشتے غول در غول عبادت میں مشغول تھے۔ حضورؐ ان میں سے گزرتے ہوئے ایک دروازے پر پہنچے جو کافور تھا۔ اور اس کی دہلیز تحت الثریٰ سے شروع ہو کر عرش تک پہنچی ہوئی تھی۔ دروازہ بند تھا جس پر تمام آسمانوں اور زمینوں کے برابر قفل پڑا تھا اور ضو دے رہا تھا۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو اس کی شان ہی سب سے نرالی دیکھی۔ سدرۃ المنتہیٰ ایک درخت ہے جس کا تنا زرِ سرخ کا ہے۔ یہ درخت بیری کے درخت کے مماثل و مشابہ ہے۔ اس کی بعض شاخیں مروارید کی اور بعض زمرد و یاقوت کی ہیں اور اتنا اونچا ہے کہ اگر اس کی چوٹی تک پہنچنا چاہو تو پچاس ہزار سال کا راستہ طے کرنا پڑے پتے اس کے ہاتھی کے کانوں کی طرح اور پھل اس کے مٹکے کے مماثل۔

اللہ تعالیٰ کے نور نے اس درخت کو ڈھانپا ہوا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پتے ستاروں کی طرح چمک رہے تھے اور سدرہ ارد گرد فرشتے غول در غول منڈلا رہے تھے جیسے شمع کے گرد پروانے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ کی جڑ سے چار نہریں نکلتی دیکھیں۔ دو ظاہر دو مخفی۔ مخفی نہریں بہشتی نہریں تھیں اور ظاہری دونوں دنیا میں جاتی تھیں۔ جو ایک دریائے نیل ہے اور دوسری دریائے فرات۔

ان کے علاوہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور نہر دیکھی جس کے کناروں پر یاقوت، پچے موتی اور زمرد کے کوزے رکھے تھے جن کی گردنیں اونٹ کی گردن کے مشابہ تھیں۔

اس نہر کا پانی دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کوزہ بھر کر پیا۔ پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک و عنبر سے زیادہ خوشبودار تھا۔

سدرہ کی جڑ سے ایک اور چشمہ جاری تھا جس کا نام سلسبیل تھا۔ یہاں سے آگے

Marfat.com

بڑھے تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم آگ کے کئی دریاؤں پر سے گزرے اور ان سے ذرا آگے جاکر حجابات عظمت کا لامتناہی درخشندہ و تابندہ سلسلہ شروع ہوگیا۔

عقل انسانی میں اتنی سکت نہیں کہ وہ ان رازوں کو پاسکے۔ ہماری حیثیت اُس چیونٹی کی سی ہے جو کائنات کے ٹیلی وژن سٹ پر سے رینگتی ہوئی نکل جاتی ہے اور نہیں جانتی کہ ٹیلی وژن سکرین پر کیسے کیسے مہاکات منعکس ہو رہے ہیں اور ٹیلی وژن کے اندر وہ کونسی مشینری ہے وہ کونسا سحر و طلسم ہے جو ٹیلی وژن کی سکرین پر ان مہاکات کو ان کی پوری دلکشی و دلفریبی کے ساتھ منعکس کر رہا ہے۔

اسی طرح عقلِ انسانی میں بھی اتنی ہی استعداد ہے جتنی کہ اس کی ضروریات کی تکمیل اس کی مدافعت اور اس کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ اس عقلی قوت کی استعداد و استطاعت اتنی نہیں بڑھتی کہ اپنے خول سے باہر ہو جائے۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ انسان میں اتنی قوت نہیں کہ وہ کارخانہ قدرت میں دخل دے سکے۔ وہ کوئی ایسا مادہ نہیں پیدا کر سکتا جو اجرام فلکی کی روشنی کو گھٹا بڑھا سکے جو سالہا سال تک سورج اور دوسرے تاروں کی طرح جلتا رہے۔

انسان نہ بادل پیدا کر سکتا ہے نہ بجلی چمکا سکتا ہے۔ وہ ہواؤں کا رُخ بھی نہیں بدل سکتا نہ موسموں میں تغیر لا سکتا ہے۔ مگر وہ اپنی عقل کو بروئے کار لا کر نئی نئی چیزیں تیار کر سکتا ہے چاند پر جا کر وہاں کے حالات معلوم کر سکتا ہے۔ خلائی جہاز کے ذریعے خلاء کا معائنہ کر سکتا ہے مصنوعی سیارے چھوڑ سکتا ہے۔ ایٹم، ہائیڈروجن ایسی نیوکلر توانائیوں پر تحقیقات کر کے ان کو استعمال کر سکتا ہے۔ الیکٹرانکس کی مدد سے دوسرے سیاروں سے ربط قائم کر سکتا ہے۔ مگر تخلیق و تعمیر کے بہت سے راز ابھی ایسے ہیں جہاں تک انسان کی عقل اور سائنس ابھی تک نہیں پہنچی۔

جہاں تک سائنس نے تحقیق کی ہے کروڑوں سال ہوئے جلتے ہوئے بادل جیسے

گچھے سورج کے اردگرد گھومتے تھے۔ اسی زمانے میں سیاروں کے شروع ہونے کا پتہ چلتا ہے سیارے گیس کے لفافے میں لپٹے ہوئے تھے۔ زمین ان سیاروں میں سے ایک تھی۔

اس نئی زمین پر یعنی اس کی سطح پر بے شمار شہاب ثاقب گرنے لگے جن کی حقیقت سائنس نے یہ معلوم کی ہے کہ ہر سیارے کے اطراف لاتعداد شہاب ثاقب پائے جاتے ہیں جو سخت ترین پتھر یا لوہے کے اجسام ہوتے ہیں۔ خود ہماری زمین کے اطراف ۱۰ کھرب شہاب ثاقب آتے دیکھے گئے ہیں۔

ان میں سے سولئے چند ایک کے تمام زمین پر گرنے سے پہلے ہی جل کر خاک ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ یہ طریقہ نہ بناتا تو کرہ ارض پر انسان کی زندگی دشوار ہو جاتی۔ رات دن پتھریلی آگ کی بارش ہوتی۔

چاند، سورج، عطارد اور دوسرے سیاروں میں جو غار پائے جاتے ہیں وہ سب شہاب ثاقب گرنے سے پیدا ہوتے۔ زمین پر ایسے کئی غار بنے تھے مگر وہ ہوا اور پانی کی وجہ سے مٹ گئے۔ اسی طرح سورج کی سطح پر ہر روز تقریباً ۱۵ تا ۲۰ کروڑ ٹن شہاب ثاقب گرتے ہیں۔

ابتدا میں اس نئی زمین کی سطح پر بے شمار شہاب گرنے لگے۔ ان میں سے ایک زمین کے گرد گھومنے لگا یہ چاند تھا۔ سورج، زمین اور چاند سب اپنے اپنے مدار میں تیرنے لگے۔

سورج کی تابکاری بڑھتی گئی لیکن زمین تک نہ پہنچ پائی۔ کیونکہ زمین جمی ہوئی ٹھنڈی گیس میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس کی سطح پر برودت کی تہ جمی ہوئی تھی۔

زمین کی سب سے پہلی فضا بہت طوفانی تھی۔ زمین سے نکلتی ہوئی گرمی سے یہ اور درہم برہم ہوتی گئی۔

جہاں جہاں زمین کے اندر سے گرمی باہر نکلنے لگی وہاں جگہ جگہ اس کی پہلی سطح گرم ہو کر پگھلنے لگی۔

Marfat.com

لاوے کی بہت بڑی جھیلیں اور کھولتی ہوئی دلدلیں سطح زمین پر پھیلنے لگیں۔ لاوا اس زور سے نکلا کہ گیس اوپر اٹھنے لگی۔

چار ارب بیس کروڑ سال ہوئے۔ پہلا براعظم بنا جو گرم اور ویران تھا۔ پھر فضا ٹھنڈی ہونے لگی اور پانی کے بخارات بارش میں تبدیل ہو کر نیچے گرنے لگے۔ لیکن زمین کی سطح اتنی گرم تھی کہ وہ یہ نمی جذب نہ کر سکی۔ پانی بھاپ بن کر دوبارہ اٹھنے لگا۔ مسلسل بارش ہوتی رہی۔ آخر کار زمین کی سطح پانی جذب کرنے لگی اور پھر ٹھنڈی ہونے لگی۔

چار ارب سال ہوئے۔ زبردست اور خوفناک طوفانوں کے اٹھنے سے ایک نئی قسم کی فضا پیدا ہو گئی۔ یہ زندگی کے لیے نہایت ضروری تھی۔ طوفان ہلکے ہونے لگے۔ بجلی چمکی اور زندگی کی ابتدا کے لیے حالات موافق ہوتے گئے۔

تین ارب نوے کروڑ سال ہوئے۔ زمین کی سطح کے نچلے حصوں میں جو گاد پہنچی تھی وہ بڑھنے لگی اور خشکی ہونے لگی۔ یہ زلزلوں کی وجہ سے تڑخنے لگی۔ جھیلوں سے پانی نکل کر بہنے لگا اور دریا شروع ہوئے اور سمندر پھیلنے لگے۔

تین ارب سال ہوئے۔ زندگی کم گہرے پانیوں کے سمندروں میں شروع ہونے لگی۔ غالباً اس زمانے میں چاند بہت نزدیک آ گیا اور خوفناک مدوجزا اٹھے اور بے شمار شہاب زمین پر گرنے لگے۔

ایک ارب سال ہوئے۔ برفانی دور آئے۔ زمین کی سطح بہتی برف سے ڈھک گئی۔

تین ارب سال ہوتے زندگی کم گہرے پانی کے سمندروں میں شروع ہونے لگی۔ اس زمانے میں بھی چاند بہت قریب آ گیا اور خوفناک مدوجزا اٹھے۔ بے شمار شہاب زمین پر گرنے لگے۔

اٹھ کروڑ سال ہوئے ساحل پر پودے اگ آئے۔ یہ سب پہلے پودے تھے ابتدائی ہر

Marfat.com

پودے آہستہ آہستہ بڑھتے گئے۔ فرن، گھوڑا دم اور کلب موس ایسی نباتات بہت بڑی ہوگئی۔ اس دوران کبھی کبھی کومٹ (COMMETS) یعنی دم دار تارے آسمان پر سے گزرتے تھے۔

نظام شمسی کی بسیط فضا میں اللہ تعالیٰ نے ان سیاروں کے علاوہ لاتعداد دم دار تارے بھی پیدا کیے ہیں۔ یہ آگ کے کرّے ہوتے ہیں۔ اور ان کے قطر سینکڑوں سے لے کر ہزاروں کلومیٹر تک ہوتے ہیں۔ اور ان کی دم ہزاروں سے لے کر لاکھوں کلومیٹر لمبی ہوتی ہے۔

دمدار تارے جب سورج کے قریب آتے ہیں تو بے انتہا خوفناک ہو جاتے ہیں۔ ان کی رفتار میں تیزی اور بے انتہا چمک پیدا ہو جاتی ہے۔

دمدار تارے دہکتے ہوئے جہنم ہی سمجھیے۔ اگر زمین ان کی زد میں آجائے تو نباتات اور حیوانات جل کر راکھ ہو جائیں۔ ہوا اور پانی کے زبردست طوفانوں سے اور زلزلوں سے بستیاں نیست و نابود ہو جائیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ایسا نہیں ہوتا۔ جو کام جہنم کے لیے مخصوص ہے وہ جہنم ہی سے لیا جاتا ہے اور اس کے لیے افلاک میں ایک خاص مقام مخصوص کر دیا گیا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

دمدار تارے بھی بڑے ہی پراسرار اجرام ہیں اور قدیم زمانے ہی سے ان سے متعلق کئی حکایتیں اور روایتیں چلی آتی ہیں۔ کسی زمانے میں لوگ یہ قیاس کرتے تھے کہ ہڑپا، موہنجو داڑو بابل، سدوم، عمورہ ایسے قدیم شہر ان ہی دمدار تاروں کی تباہی سے تباہ و برباد ہوئے۔

قدیم زمانے کے بعض لوگ خیال کرتے تھے کہ طوفان نوح بھی کسی دمدار تارے کی وجہ سے اٹھا تھا۔ سطح زمین کے ایک ہی عرض بلد پر ریگستانوں کا پایا جانا بھی کسی دم دار تارے کی تباہی کا سبب سمجھا جاتا تھا۔

زمانہ قدیم سے اہل زمین ان کو نحوست کی علامت اور آفات آسمانی کا پیش خیمہ قرار دیتے رہے ہیں۔ لوگوں نے ان کو آسمانی بھوت تک کہا۔

Marfat.com

بعض دم دار تارے سورج کے گرد ایک مقررہ میعاد تک چکر لگاتے ہیں۔ مشہور دمدار تارہ ہیلی ۷۶ سال میں ایک چکر لگاتا ہے۔ دمدار تارے اچانک آسمان میں نمودار ہو کر دنیا کو ہراساں کرتے ہوئے اچانک ہی غائب ہو جاتے ہیں اور مدت تک نظر نہیں آتے۔ ان کا وجود، ان کا ظاہر ہونا اور ان کا غائب ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ہی کا کرشمہ ہے۔ اور اس کا کوئی کام فعل عبث نہیں ہوتا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۔

(۲۱-۱۶)

۳۰ کروڑ سال ہوئے براعظم وہاں نہیں تھے جہاں اب ہیں۔ خشکی اور پانی میں فرق آتا رہتا تھا۔ بعض نئے پودے دکھائی دیتے تھے۔ مچھلی اور رینگتے ہوئے جانوروں کی تعداد بڑھنے لگی ڈائنو سور نظر آنے لگے۔

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ حیوانات کی تمام انواع و اجناس اپنی ذات میں مستقل ہیں۔ نہ کسی سے منتقل ہو کر عالم وجود میں آئیں اور نہ کسی کی جانب منتقل ہوتی ہیں۔ یہ نہیں کہ مچھلیاں اپنی حقیقت چھوڑ کر مینڈک کی شکل میں منتقل ہو گئی ہوں یا بلی کتے کی حقیقت کی طرف منتقل ہو گئی ہو بلکہ تمام انواع کے لیے جدا جدا اصول کا سلسلہ قائم ہے جن سے فروع کا توالد و تناسل ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ سب سے پہلے فرانسیسی فلسفی، سائنس دان لامارک نے اس بحث کو اٹھایا کہ انواع کا آپس میں نقل و تحول ہوتا رہتا ہے۔ اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انواع جدا جدا متمائز ہیں۔ جن میں تغیر کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بعض انواع کا بعض میں تداخل اور ایک نوع میں تغیر ہو کر دوسری نوع کی طرف انتقال ہوتا رہتا ہے اور کسی نوع کے لیے ایسی متمائز حدود نہیں پائی جاتیں جو تحول و انقلاب کے منافی ہوں۔ اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ تمام انواع ایک ہی زمانہ میں مخلوق نہیں ہوئیں بلکہ کائنات میں پہلے حشرات الارض عالم وجود میں آئے۔ پھر درجہ بدرجہ اعلیٰ نے ترقی کی اور بعض کا بعض سے

توالدوتناسل ہوا اور اسی طرح ترقی کرتے کرتے بعض انواع دوسری انواع کی طرف منتقل ہوتی گئیں اس کا خیال ہے کہ اس تغیر وانتقال کے لیے دو چیزیں کارپرداز ہیں۔

(۱) ماحول: یعنی وہ تمام گردوپیش جس میں حیوان گھرا ہوا ہے کبھی اس کے مناسب حال نہیں ہوتا تو پھر وہ مجبور ہوتا ہے کہ اپنے نفس کو اس طرح سنوارے کہ اپنے ماحول کے مطابق بن جائے۔

(۲) وراثت: یعنی وہ صفات جو اصل کے اندر موجود ہیں۔ اور اس سے فروع کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔

اس کو لامارک نے مذہب نشو وارتقا کا نام دیا۔

"نشو" اس لیے کہ بعض حیوانات سے نشو اور وجود ہوتا ہے اور ارتقاء اس لیے کہ وہ پست نسل سے بلند نسل کی جانب ترقی کرتے ہیں

لامارک کے بعد ڈارون آیا۔ اُس نے اس مسلک و مذہب کی تشریح کی اور اس کو پھیلایا اور اس کے ثبوت میں اپنی مشہور کتاب اصل الانواع (ORIGIN OF THE SPECIES) لکھی اور اپنے مذہب و مسلک کی بنیاد ان قوانین پر رکھی جو آج زبان زد عام و خاص ہیں۔

(۱) قانون انتخاب طبعی (NATURAL SELECTION) یعنی لائق بقا اشیاء کے انتخاب کے لیے فطرت کا قانون۔

(۲) تنازع للبقا (STUREGGAL FOR EXISTANCE) یعنی زندہ رہنے کے لیے باہمی کشمکش۔

(۳) بقا الاصلح (SURVIVAL OF THE FITEST) یعنی زندہ رہنے کی صلاحیت والی مخلوق کی بقا۔

(۴) قانون وراثت یعنی نسلی اوصاف کی وراثت کا قانون۔

انتخاب طبعی کا مطلب یہ ہے کہ فطرت و قدرت، موجودات میں سے ان اشیاء کو منتخب کرے جن میں بقا کی صلاحیت ہو۔ مثلاً حیوانات میں بے شمار تولد و تناسل ہوتا ہے مگر

ان میں سے بہت ہی کم مقدار زندہ رہتی ہے۔ یہ فنا و بقا محض اتفاقات کا نتیجہ نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ جن اشیاء میں مختلف حوادث اور طبعی اعمال کی طاقت ہوتی ہے وہی اس عالم میں بقا کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اسی لیے قوی باقی رہتا ہے اور ضعیف فنا ہو جاتا ہے

پس فطرت و قدرت کا موجودات میں سے اصلح یعنی قابلِ بقا کا انتخاب کر لینا اور اس کو بقا کی سند بخشنا، اسی کا نام طبعی انتخاب ہے۔

تمام مخلوقات میں ایک سخت کشمکش پائی جاتی ہے۔ حیوانات کی انواع میں ایک جنگ عظیم جاری ہے۔ شیر بھیڑیے کو پھاڑ ڈالتا ہے۔ بھیڑیا بھیڑ کو اور انسان بذات خود زندہ رہنے کے لیے سیکڑوں جانوں کی چیر پھاڑ کرتا ہے اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ جب کوئی شے تمام افراد کے لیے کفایت نہیں کرتی تو ایک ہی نوع کے افراد آپس میں ٹکرا جاتے ہیں۔ گوشت کے ایک ٹکڑے کے لیے بلیوں یا کتوں کی باہمی جنگ اسی کا جرثومہ ہے اور مختلف اشیاء کے لیے انسان کی باہمی کشمکش اسی کا مظاہرہ ہے۔ اسی کشمکش اور تنازعہ کا نام جو افراد یا انواع کے درمیان اپنی بقا اور حیات کے لیے نظر آتا ہے "تنازع للبقا" ہے۔

ڈارون اور اسپنسر جب لفظ ارتقا استعمال کرتے ہیں تو اس میں نشوونما کا مفہوم بھی شامل ہے۔ مگر یہ امر بھی واضح رہنا چاہیے کہ نشوونما میں نئی اشکال کی پیدائش نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ موجود ہوتا ہے اس کا لازمی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ نشوونما محض افراد ہی کا نہیں ہوتا بلکہ اقوام کا حتیٰ کہ نظامہائے مادیہ تک کا بھی ہوتا ہے۔ ڈارون کے نزدیک ارتقا کے معنی یہ ہیں کہ کل جاندار، انواع نباتات، حیوانات اور انسان سب کے سب دراصل زندگی کی کم ترقی یافتہ شکلوں سے ترقی کر کے عالم وجود میں آتے ہیں۔ اور بقاء اصلح ایک ایسی تدبیر ہے جس کے ذریعہ سے ارتقاء واقع ہوتا ہے۔

ڈارون کو زیادہ تر انواع کے طبعی ارتقا سے دلچسپی تھی مگر اسپنسر ارتقا سے صرف اجسام کے طبعی نشوونما (حیاتیات) ہی سے کام نہیں لیتا بلکہ انسان کی اخلاقی نشوونما (اخلاقیات

اور معاشرتی ارتقا (اجتماعیات)

ہیں بھی اس کو استعمال کرتا ہے۔ اور وہ ڈارون کے تعقل ارتقا یعنی انواع میں باہمی امتیازات کے ساتھ ساتھ نشو و ارتقا کو بھی تسلیم کرتا ہے بلکہ اس میں زیادہ وسعت اور عمومیت پیدا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ارتقا ایک ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے ہم جنس مختلف جنس اور سادہ و پیچیدہ بن جاتے ہیں۔ لیکن ہمارے پیش نظر وہ طبعی و تدریجی ارتقا ہے جس سے خالق کائنات کو اپنی قدرت کی صناعی و نقاشی کا اعتراف کرانا ہے کہ یہ تمام انواع پست خلیہ سے لے کر بلند انسان تک ایک ہی قدرت کی کاریگری ہے اور انسانوں میں اس ارتقا کی انتہائی ترقی یافتہ صورت معراج مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ ایک ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل بن کر فرش سے عرش تک جا پہنچا۔ قادر مطلق کی حکیمانہ تخلیق نے اس مطہر وا ہر مٹی کو ان ارتقائی مقاماتِ بلند تک ہی پہنچایا جہاں کا وہ خمیر تھی۔

اور اس سے ایک اور حقیقت کا بھی اعلان ہوا کہ اگرچہ کائنات کی ہر نوع ایک مستقل اور غیر تدریجی مخلوق ہے مگر ان انواع کا وجود بلاشبہ ترتیبی ہے اور ایک ہی مسلک میں منسلک ہے۔

یعنی خدائے تعالیٰ نے حیات و زندگی کے لیے سب سے پہلے پانی کو پیدا کیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وھوالذی خلق السّٰمٰوٰت والارض فی ستۃ ایام وکان عرشہ علی الماء۔

اور خدا وہ ہے جس نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا یعنی پانی آسمان اور زمین سے پہلی مخلوق ہے۔

اور پھر اس کو مبدٔ حیات بنایا۔

Marfat.com

وجعلنا من الماء کل شئ حیّ

اور ہم نے پانی سے ہر ایک جاندار کو زندگی بخشی۔

اس کے بعد اُس نے زمین کو مخلوق کیا اور پہاڑوں کو اس پر قائم کیا اور زمین کو اس قابل بنایا کہ اُس میں نباتات کی روئیدگی ہو سکے۔

والارض مددنٰھا والقینا فیھا رواسی وانبتنا فیھا من کل شئ موزون واللہ خلق کل دابۃ من ماء فمنھم من یمشی علی بطنہ ومنھم من یمشی علی رجلین ومنھم من یمشی علی اربع یخلق اللہ مایشاء ان اللہ علی کل شئ قدیر

اور ہم نے (پانی پر) زمین کو پھیلا دیا اور اس میں پہاڑوں کو رکھ دیا۔ اور اس میں ہر ایک مناسب چیز اگا دی۔

اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک جاندار کو پانی سے پیدا کیا تو کوئی ان میں وہ ہے جو پیٹ کے بل چلتا ہے اور کوئی ان میں وہ ہے جو چار پاؤں پر چلتا ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور ان تمام مخلوقات سے بلند و بالا مخلوق انسان ہے۔

تاریخ مذاہب عالم اور علم آثار ارض بھی اس ترتیبی و تدریجی تخلیق کا پتہ دیتی ہے۔ اور یہی صحیح اور قرین قیاس ہے۔ لہٰذا تنازع للبقا، انتخاب طبعی اور بقاء اصلح جیسے نوامیس فطرت سے غلط نتیجہ نکال کر ایک ترتیبی مخلوق کو غیر ترتیبی قرار دینا ایک ناقابل تسلیم دعویٰ ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ تدریجی ارتقا کے لیے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں اربوں برس کی عمر درکار ہے اور پھر پست مخلوق سے شروع ہو کر تخلیق انسان تک کے تمام درجات اگر پورا حساب لگایا جائے تو سائنس دانوں نے زمین کی زیادہ سے زیادہ جو عمر تجویز کی ہے وہ بھی

ان مدارج کے لیے ہرگز کفایت نہیں کرتی۔ ہمارا تدریجی ارتقائی تصور یہ ہے کہ خدا نے چھ سات روز میں زمین و آسمان پیدا کیے اور باقی بہت کچھ تخلیقی کام ایسا تھا جو تدریجاً ہوتا چلا گیا۔ کیونکہ خدا کی یہ مرضی تھی کہ وہ سب کچھ تدریجی ارتقائی عمل سے ہو۔ اگر چھ دن میں زمین و آسمان کا پیدا ہو جانا خدا کی قدرت کاملہ کا ایک حیران کن کرشمہ ہے تو بیج سے پودا، پودے سے تدریجاً درخت بننا اور اس میں پھل پھول آنا بھی خدا کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے اور یہ بھی کچھ کم حیران کن نہیں۔ اور خدا تو اس سے بھی زیادہ قدرتوں اور ندرتوں کا مالک ہے۔ اُس نے کہا ہو جا اور ہو گیا۔ اور خدا نے انسان کی تخلیق میں یہ نہیں کہا کہ ہو جا بلکہ ایک تدریجی عمل اختیار کیا۔ پہلے ملائکہ سے مٹی منگوائی۔ پھر اس کو زم کیا۔ آدم کا پتلا بنایا اور پھر اس میں روح پھونکی جب کہ یہ ارتقائی عمل خدا کے ہو جا کہنے سے بھی ہو سکتا ہے لیکن اس نے تدریجی عمل اختیار کیا مگر ایسا نہیں جیسا کہ مادیت کی بھول بھلیاں ہے کھو جانے والے سائنس دان انسان کے تخلیقی عمل کی وضاحت میں نیم بناتی۔ نیم حیوانی اور نیم انسانی صورتوں کی بھول بھلیاں میں کھو جاتے ہیں۔ ہمارے مسلک و مذہب میں تدریجی و طبعی ارتقا کے وہ معنی نہیں جو ڈارون کے تدریجی ارتقا کے ہیں۔ ہمارے پاس اس تدریجی و طبعی ارتقا کی ایک بڑی درخشندہ مثال معراج مصطفےٰ ہے۔ شب معراج کیا خدا ایسا نہ کر سکتا تھا کہ مقام اتصال پر اپنے حبیب کو پلک جھپکنے میں بلا لیتا۔ خدا کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہ تھی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے قاب و قوسین و مقام ادنیٰ تک پہنچے۔ خدا کی یہی مرضی تھی اور خدا کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں کہ انسان یقیناً تمام مخلوقات میں اپنی ترکیب کے اعتبار سے بلند مخلوق ہے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم

ہم نے انسان کو بہترین قوام میں بنایا۔

اور اسی لیے انسان ہر اعتبار سے برگزیدہ اور صاحب فضیلت ہے۔

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیٓ اٰدَمَ

بلاشبہ ہم نے بنی آدم کو برتری بخشی۔

نیز انسان کی تخلیق مستقل وجود سے عمل میں آئی ہو یا تدریجی ارتقا کا نتیجہ ہو کل کائنات ایسے یکتا قوانین قدرت اور نوامیس فطرت کے مرتب اور منظم اصولوں میں جکڑی ہوئی ہے جو کسی حکیم مطلق اور بے قید مالک قدرت کی ہستی کے بغیر ناممکن ہے۔

قل من بیدہ ملکُوتُ کُلِّ شئٍ وھو یجیر ولا یجاد علیہ

ان کنتم تعلمون ہ سیقولون للّٰہ۔

تو ان سے پوچھ اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ وہ کون ہے۔ جس کے قبضہ میں تمام چیزوں کی بادشاہی ہے اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے اور کوئی جو اس سے اوپر پناہ دینے والا ہو تو وہ فوراً جواب دیں گے۔ اللہ کے قبضہ میں۔

ہم کو انسان اور انسان کے علاوہ تمام مخلوقات میں نفس ارتقا کا بھی ہرگز انکار نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ قرآن کریم میں انسانی تخلیق سے متعلق اس مسئلہ کو ایک عجیب معجزانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

ولقد خلقنا الانسان من سُلٰلَۃٍ من طین ہ ثم جعلنٰہ نُطْفَۃً فی قرارٍ مکین ہ ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغہ عظما فکسونا العِظٰم لحما ثم انشانٰہ خلقا اخر فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

اور دیکھو یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے ہی بنایا ہے پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا۔ ایک ٹھہر جانے اور جماؤ پانے کی جگہ میں پھر نطفہ کو ہم نے علقہ بنایا پھر علقہ کو ایک گوشت کا ٹکڑا سا کر دیا پھر اس میں ہڈی کا ڈھانچہ پیدا کیا اور پھر ڈھانچے پر گوشت کی تہ چڑھا دی پھر دیکھو کس طرح ان سے بالکل

ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا کر نمودار کر دیا۔ تو کیا ہی برکتوں والی ہستی ہے اللہ جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔

پس جس طرح ان ترتیبی درجات کے ذریعہ رحم مادر میں اس کا نشوونما کیا گیا اسی طرح وہ دنیا میں آکر بھی جسمانی اور روحانی دونوں قسم کے نشوونما میں ترقی پذیر رہا ہے۔

پھر یہ یقین رکھنا چاہیے کہ اگر تنازع للبقا کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی ہر شے کے درمیان اسی بقاد فنا میں کشمکش کا سلسلہ جاری ہے اور نوامیس قدرت کے اور اُس شے کی اپنی بقاء کے درمیان جنگ بپا ہے تو یہ ایک ایسا بدیہی اور سادہ قانون ہے جس سے کوئی عاقل انکار نہیں کر سکتا۔ اور جو کسی فلسفی کے انکشاف واکتشاف کا محتاج نہیں ہے۔

مختلف اشیاء کی باہم کشمکش اور ایک شے کے افراد کے درمیان تنازع اور اقوام و امم کے مابین کشاکش کائنات میں ایسی یقینی حقیقت ہے جو دلائل کی حدود سے گزر کر ہدایت اور مشاہدہ کی حیثیت رکھتی ہے، اور اسی حقیقت کو قرآن حکیم اس طرح واضح کرتا ہے۔

ولولا دفع اللہِ الناس بعضھم ببعضٍ لفسدت الارض

اسی طرح انتخاب طبعی سے یہ مراد ہے کہ یہاں قوت وضعف کی جنگ میں قوت کو بقا اور ضعف کو فنا ہے۔ تو یہ امر بھی حقیقت نفس الامری ہے۔ اور جانداروں کی ہستی کے فنا و بقا ہی میں نہیں بلکہ تمام شعبہ زندگی میں نافذ و حاکم ہے حتیٰ کہ مذہب کی نگاہ میں بھی ضعف جسمانی ہو یا روحانی، مادی ہو یا غیر مادی قابل مذمت ہے نہ کہ قابلِ مداح وستائش اور قرآن حکیم کی اس آیت میں

واَعِدُّوا لھم ما استطعتم من قوۃٍ ومن رِباطِ الخیل

اور اپنی طاقت بھر قوت اور (اسباب قوت) گھوڑے کی پرورش (وغیرہ) سے تیاری کرو۔

اسی انتخاب طبعی کا اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بقاد فنا کے معاملہ میں حقیقی قوت وضعف

کو ہی معیار قرار دیا ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ اس کا انتخاب طبعی کا قانون جسمانی اور اخلاقی دونوں قوتوں کا ایک ساتھ طالب ہے اگر انسان کے اندر یہ دونوں قوتیں جمع ہیں تو اس کے لیے حقیقی بقا کا وعدہ ہے اور اگر دونوں جمع نہیں ہیں تو جسمانی قوت کے باوجود اس کا اخلاقی و روحانی ضعف ایک نہ ایک دن مناسب ماحول پیدا کر کے اس کو ضرور فنا کے گھاٹ اتار دے گا۔

اسی لیے ارشاد ہے۔

ولا یجرمنکم شنآنُ قومٍ علیٰ ان لّا تعدِلوا اعدِلوا ھو اقربُ للتقویٰ (مائدہ)

وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ۔ (بقرہ)

اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔ عدل کرو کہ یہی بات زیادہ نزدیک اللہ سے۔ تقویٰ ہے۔

اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ مٹ جائے اور دین خالص اللہ کے لیے ہی ہو جائے بس اگر وہ فتنہ سے باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر سرکشی جائز نہیں ہے۔

اور بلاشبہ "صلح" کے لیے ہی بقا دوام ہے اور یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ میں چونکہ قوت جسمانی کے ساتھ ساتھ عدل و تقویٰ کی بیش از بیش فراوانی تھی اور وہ دونوں قوتوں کے مالک اور کامل انسان تھے۔ باوجود کمی کے خدا کے نافرمانوں پر بھاری پڑے اور کامیاب ہوئے۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا۔

خدا نے جن پر انعام و اکرام کیے یہی لوگ ہیں جو نبی ہیں یا صدیق یا شہید ہیں یا صالحین

Marfat.com

اور سبھی اچھے رفیق ہیں۔

اور ان کے بے نظیر و بے مثال اخلاقی، روحانی اور جسمانی قوائے عمل کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ ان کے ماننے والوں کی حاکمانہ یا مقتدرانہ تاریخ کی مدت تمام گزشتہ تاریخی ادوار کے مقابلہ میں طویل اور دیرپا نظر آتی ہے اور آج بھی اقوام و امم میں یہی قانون فطرت کام کر رہا ہے اور جس قوم کا مزاج بھی مادی قوت کے گھمنڈ پر اخلاقی و روحانی قوی کو تباہ و برباد کر کے عدل و تقویٰ کی بجائے ظلم و سرکشی پر آمادہ کر دیتا ہے وہ اقوام و امم کی بقا و فنا کی مدت کے اعتبار سے بہت جلد فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہیں۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔

بہرحال ارتقاء طبعی و تدریجی خلاف محال عقلی اور ناممکن درجہ نہیں۔ دونوں راہوں کا صاف اور روشن راستہ یہ ہے کہ جو امور وحی الٰہی اور سچے رسولوں کی یقینی تعلیم کے ذریعے روشن اور واضح ہو چکے ہیں۔ ہم ان کو اٹلی غیر مقبول سمجھیں اور یقین کریں کہ علوم کی تحقیقات آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے ہٹتی رہے گی۔ اور ایک دن قرآن حکیم کے مسلمہ اصولوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گی۔

اللہ کی عظمتوں کو جاننے کے لیے کائنات کا مطالعہ بے حد ضروری ہے کیونکہ کائنات اور اس کے مظاہر کا مطالعہ خالق کائنات کی عظمتوں پر پڑے ہوئے پردے چاک کرتا ہے۔ اور اس کی عظمتوں کو ظاہر کرتا ہے اور دماکات معراج بھی اسی سلسلے کی زریں کڑیاں تھے مگر کچھ اذہان پر لاعلمی کی کچھ ایسی دھند چھا رہی ہے کہ حیرت سے یہ سوال کرتے ہیں۔ کیا افلاک کی پنہائیوں میں دریا بھی ہیں؟ چشمے بھی ہیں۔ دودھ و شہد کی نہریں بھی ہیں؟ جہنم اور جنت بھی ہے؟ باغات و قصور بھی ہیں؟ اتنے جسیم و قدآور فرشتے بھی ہیں؟ جس کا جواب سائنس

Marfat.com

ان کو یہ دیتی ہے کہ ہماری زمین بھی ایک سیارہ ہی تو ہے۔ اس میں دریا ہیں۔ سمندر ہیں۔ پہاڑ ہری بھری وادیاں ہیں۔ ان میں پھوٹتے ہوئے چشمے اور دھل دھل بہتی ہوئی نہریں ہیں۔ خوشنما پرندے اور پودے ہیں۔ ہمارا سیارہ زمین بڑے ہی دلکش و دلفریب مہاکات کا حامل بھی ہے۔

اور سائنس کے جدید مشاہدے تو مریخ میں بھی زندگی کی موجودگی کا اعلان کر رہے ہیں مریخ میں بھی انسانی زندگی کے مماثل کئی آثار نظر آئے ہیں۔ اور کون جانتا ہے کہ خلا کی پنہائیوں میں کہاں کہاں ایسے ستارے اور سیارے موجود ہیں جن میں وہ سب کچھ ہے جو ہمارے سیارے زمین میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمتیں بے شمار ہیں۔ کچھ تو ظاہر ہیں کچھ پوشیدہ ہیں۔ بعض ایسی عظمتیں بھی ہیں جو سوائے تحقیق کے ہم پر ظاہر نہیں ہوتیں۔

Marfat.com

نماز معراج المومنین

شب معراج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المعمور کے قریب پہنچے تو سرخ یاقوت کے محلات و قصور دیکھے۔ ان کے دروازے زمرد کے سبز رنگ کے تھے۔ اور سچے موتیوں کی ہزاروں قندیلیں ان میں لٹک رہی تھیں۔ اور چاند سورج سے زیادہ روشنی دے رہی تھیں۔

ستر ہزار فرشتے جب سے وہ پیدا ہوئے ہیں عرش کے نیچے دریائے نور میں غسل کر کے باہر آتے ہیں۔ اور نور کی چادریں بدن پر ڈال کر احرام باندھتے ہیں۔ بیت المعمور کا طواف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

لبیک۔ لبیک۔ لبیک

یہی وہ مقام ہے جہاں اللہ کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو اپنے احاطے میں لے رکھا ہے۔ یہاں کرسی کے معنی عرش کے ہیں۔ عرش وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ رونق افروز ہوتے ہیں۔ اس عرش کی اتنی وسعت بتائی گئی ہے کہ آسمان و زمین اس کے احاطے میں آجاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَابِقُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔

(۵۷۔۲۱)

تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو اور ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعتوں کے برابر ہے۔

اس مقام پر حضرت جبریل علیہ السلام رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک

پکڑ کر بیت المعمور میں لے آئے اور کہا۔

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام فرشتوں کی امامت کیجیے۔ جیسے زمین پر آپؐ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت کی تھی"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المعمور میں تمام فرشتوں کو نماز پڑھائی۔

نماز دین کا ستون، نماز دین کا نقطہ ماسکہ ہے۔

نماز افضل الجہاد ہے۔

نماز گناہوں کا کفارہ ہے۔

نماز اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہے۔

نماز مومنوں کی معراج ہے۔

معراج سے واپسی پر رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نماز ہی کا تحفہ لے کر آئے تھے۔

Marfat.com

حجاباتِ عظمت

شبِ معراج رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھے تو حجاباتِ عظمت کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا۔ جو ہر ایک پانچ سو سالہ فاصلے پر تھا۔ اور اسی قدر چوڑا تھا۔

پھر ان کے علاوہ حجاباتِ عظمت کا ایک اور عظیم الشان سلسلہ شروع ہوا جن میں ستر ہزار زنجیریں تھیں اور ہر زنجیر ستر ہزار فرشتوں کی گردن پر رکھی تھی۔ اور ان میں سے ہر فرشتہ اتنا بڑا تھا کہ اس کے ایک کندھے سے دوسرے کندھے تک ستر سال کی مسافت کا راستہ تھا ان حجابات میں کچھ تو مروارید کے، کچھ یاقوت کے اور کچھ دیگر جواہرات کے تھے اور ہر حجاب پر ایک فرشتہ متعین تھا اور ان میں سے ہر فرشتے کے تابع ستر ہزار فرشتے تھے۔

حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ان حجاباتِ عظمت سے گزر کر مقام قاب قوسین میں پہنچے۔ جہاں آپؐ نور ہی نور میں تنہا کھڑے تھے۔ حجاباتِ عظمت کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر سمجھتا ہے شکوک و شبہات کی دھند دور کرنے کے لیے اجرامِ فلکی کی گیلکسیاں ((GALAXIES)) ہی کافی ہیں۔

ہم سب کہکشاں ((GALAXY)) سے واقف ہیں۔ یہ تاروں کا ایک بہت بڑا مجموعہ ہے۔ ہماری کہکشاں بھی ایک گیلکسی ہے۔ جس میں ایک کھرب سے بھی زیادہ تارے ہیں جس میں ہمارے سورج کے مماثل اور اس سے چھوٹے بڑے تارے ہیں۔ جن کا مجموعی مادہ تقریباً ایک کھرب سورجوں کے مادہ کے برابر ہے۔ جس کے وزن کا اندازہ ۲ کے بعد ۳۸ صفر ٹن کیا گیا ہے۔ جس پر اگر غور کریں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ہر تارے کے درمیان کم سے کم

کھربوں میلوں کا فاصلہ ہے۔ اور بہت بڑے تارے اس سے بھی زائد فاصلہ رکھتے ہیں۔ اور ہر تارے کا اپنا ایک الگ نظام ہے۔ بعض تارے منفرد حیثیت رکھتے ہیں اور بعض کے اطراف سیارے ہیں جیسا کہ ہمارے سورج کے اطراف۔ ممکن ہے کہ ان میں سے بعض سیاروں پر زندگی بھی پائی جاتی ہو۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ انسانی شکل کے مماثل ہے یا کسی اور طرح کی۔

کہکشاں کا قطرہ ۸۰ ہزار نوری سال سے بھی زیادہ ہے یعنی برقی روشنی جو زمین کے گرد ایک سیکنڈ میں سات مرتبہ چکر لگا سکتی ہے۔ اور سورج سے زمین تک کا فاصلہ ۸ منٹ میں طے کر سکتی ہے۔ وہ کہکشاں کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک جانے کے لیے ۸۰ ہزار سال لگائے گی۔

کہکشاں کے مرکز سے سورج کا فاصلہ ۳۲ ہزار نوری سال ہے۔ کہکشاں بھی اپنے محور کے گرد گھومتی ہے اور اس گردش میں سورج بھی ساتھ ساتھ گھومتا ہے۔ سورج نے اس کی پیدائش سے اب تک اس کے محور کے گرد پانچ لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پانچ ارب سالوں میں ۲۰ چکر لگائے ہیں۔

یہ نہ سمجھیے کہ کائنات کی حدیں کہکشانی وسعت کے بعد ختم ہو جاتی ہیں۔ کائنات صرف نظام شمسی کو ہی نہیں کہتے۔ اس عظیم کہکشاں کو بھی نہیں کہتے بلکہ اس عظیم ترین وسعت کو کہتے ہیں جس میں ایسی کھربوں، کہکشائیں موجود ہیں۔ کائنات میں اس عظیم کہکشاں کی حیثیت بھی ایسی ہی ہے جیسے زمین پر پائے جانے والے سمندروں کے مماثل کئی سمندروں کے پانی کا صرف ایک قطرہ۔

آسمان پر برہنہ آنکھ سے اس کہکشاں کے علاوہ تین اور کہکشائیں بھی دیکھی جا سکتی ہیں ایک اینڈرومیڈا (ANDROMEDA) اور دوسرے دو میگلانک کلاوڈز (MAGELLANIC CLOUDS) اینڈرومیڈا سب سے بڑی کہکشاں ہے اس میں سینکڑوں عظیم اور عظیم ترین تارے ہیں جو انٹارس اور ٹبل گیزر سے بھی کئی گنا بڑے اور

Marfat.com

منور ہیں۔ یہ گلیکسی ہم سے ۲۱ لاکھ ۸۰ ہزار نوری سال کے فاصلے پر واقع ہیں۔ ان کہکشاؤں میں بے حد منور تارے بھی پائے جاتے ہیں۔ نور کے کُرے۔

یہ تو ہیں برہنہ آنکھ سے نظر آنے والی کہکشائیں یعنی گلکسیاں مگر اللہ تعالیٰ نے ہماری آنکھوں کی دیکھنے کی حد سے بھی آگے گلکسیاں ہی گلکسیاں بنا رکھی ہیں جو سوائے دوربین کے نظر نہیں آتیں۔

مونٹ ولسن پالومار (MOUNT WILSON PALOMAR) کیلیفورنیا کی رصدگاہ میں نصب شدہ دو سو انچ کی دوربین سے تقریباً ایک ارب گلکسیاں بیک وقت دیکھی جا سکتی ہیں۔ اس وسیع کائنات میں چاروں طرف گلکسیاں ہی گلکسیاں ہیں جو کھربوں کی تعداد سے بھی زیادہ ہیں۔ جن کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ جن کا علم صرف اللہ ہی کو ہو سکتا ہے۔

ان گلکسیوں کو اللہ تعالیٰ نے مختلف شکلوں کا بنایا ہے جو صرف گردش کرتے اور چمکتے اجسام ہی نہیں بلکہ ان میں اللہ تعالیٰ نے زبردست برقی قوت پوشیدہ رکھی ہے۔ ان میں پائے جانے والا مادہ طاقتور ریڈیو ویوز (RADIO WAVES) ریڈیائی لہروں کو خارج کرتا ہے۔

بعض گلکسیاں جن کے آخری کنارے بے انتہا لانبے ہوتے ہیں کبھی اپنی محوری گردش کے دوران ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں تو زبردست دھماکے کے ساتھ بے انتہا طاقتور ریڈیائی لہریں خارج کرتے ہیں۔

ان گلکسیوں کے علاوہ تاروں کے جھرمٹ یا مجموعے بھی ہیں جن کو کلسٹرز (CLUSTER) کہتے ہیں۔ ان میں تاروں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ ہوتی ہے۔ ان میں سے تاروں کی دو مجموعے ہمارے قریب ہیں۔

۱۔ ورگو (VIRGO)

۲۔ کوما (COMA)

Marfat.com

کوما جھرمٹ کا فاصلہ ہماری زمین سے ۳۰ کروڑ نوری سال ہے۔ اس کے ستاروں کی روشنی ان کے وجود میں آنے کے بعد آج تک زمین پر نہیں آسکی۔ اس کو نور کی رفتار سے ہم تک آنے کے لیے ایک مدت درکار ہے۔ فضائے بسیط میں ایسے بہت سے تارے ہیں جن کی روشنی کو زمین تک آنے کے لیے لاکھوں اور کروڑوں سالوں کا وقت لگے گا۔ یعنی ان کی روشنی ابھی خلاء میں کہیں راستے ہی میں ہے۔

گلکسیوں اور کلسٹروں کو دیکھنا انسانی قوت سے باہر ہے۔ اس لیے کہ وہ بے انتہا دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اگر ہم دوربین سے نظر آنے والی آخری گلکسی پر پہنچ جائیں اور پھر اسی دوربین سے آگے دیکھنے لگیں تو ہم کھربوں میل تک گلکسیاں ہی گلکسیاں نظر آئیں گی۔ ایک کے بعد ایک اور یہی کیفیت حجابات عظمت کی تھی۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک کے بعد ایک حجاب سے گزرے۔ نورانی پردے ہی پردے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و رفعت کے مظاہر۔ ہر طرف نور ہی نور۔ جس میں امام الانبیاء ہی جا سکتے تھے کسی دوسرے انسان کی کیا مجال ہے۔ لیکن یہ سب کچھ خدا کی رحمت و عظمت ہی سے ممکن ہوا۔ جس نور سے فرشتوں کے پر جل جاتے ہوں اُس کا متحمل ہونا احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ فخر موجودات، سید لولاک، محمد المزمل المدثر صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شان ہے۔

Marfat.com

معراج سے واپسی

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس تشریف لائے تو آپؐ کا بستر بدستور گرم تھا اور دروازے کی کنڈی بدستور ہل رہی تھی۔ جب کہ حضورؐ مکاں سے لامکاں کا سفر کر آئے تھے اور اتنے عرصہ میں کہ واپسی پر حضورؐ کا بستر بدستور گرم تھا اور دروازے کی کنڈی ابھی تک ہل رہی تھی۔

زماں و مکاں کا یہ ایک ایسا معمہ ہے جسے ایک عام ذہن تو کجا ماورائے کائنات کے اسرار کی گتھیوں کو سلجھانے اور رفتار نور کے اصول ثابتہ کے ماہرین اور سائنس کے انقلاب پسند فلسفی بھی چکرا کے رہ جاتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم زماں و مکاں کی تسخیر کے اس لاینحل معمے کو حل کریں۔ قرآن کے ایجاد کردہ اعداد کو مخفف کرنے کے طریقے ہی سے اسے دیکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا ایک دن ہمارے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔

(۲۲-۴۷)

ایک اور جگہ ایک دن کو ہمارے پچاس ہزار سال کے برابر بتایا گیا ہے۔

(۷۰-۴)

حدیثوں میں بھی فاصلوں کو میلوں میں بتانے کے بجائے برسوں کی راہ میں بتایا گیا ہے، چنانچہ اسی اصول کو اپناتے ہوئے وسیع اعداد سے بچنے کے لیے موجودہ سائنس دان دس لاکھ کو ایک ملین کہنے لگے اور اٹھارہ کھرب میل کے فاصلے کو جو روشنی ایک سال میں

طے کرتی ہے، نوری سال کہا جانے لگا۔ سورج سے زمین کے فاصلے کو اکائی تصور کر کے اس کو پارسک (PARSEC) کہنے لگے۔

بہرحال ہارمونیا میکروکاسمیکا (HORMONIA MICRO COSMICA) میں زمان و مکان اور رفتارِ نور سے متعلق ماہرین طبیعات لازنس، نیلز بوہر، لورنتیس، ایڈمنڈ وٹکر، ہائزنبرگ، پاولی، آئن سٹائن، کورولیف، لوٹن کیرے اور میکس بورن نے جو نظریے قائم کیے ان سے زماں و مکاں اور رفتارِ نور کے مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

جس زمانے میں آئن سٹائن اپنی تکوینیات (COSMOLOGY) کو مکمل کر رہا تھا۔ اسے ایک عجیب و غریب مظہر کی خبر نہ تھی جو فلکیات کے افق پر نمودار ہوا تھا۔ اس کی توجیہ و تشریح کئی سال بعد ہوئی۔

آئن سٹائن نے فرض کیا تھا کہ جس طرح گیس کے اندر سالمے بے مقصد مارے مارے پھرتے ہیں۔ اسی طرح ستاروں اور کہکشاؤں کی حرکت بھی بے تکی ہے۔ چونکہ ان کی حرکت میں کسی قسم کا اتحاد و آہنگ نہ تھا۔ اس لیے اس نے انہیں نظرانداز کر دیا اور کائنات کو ساکن تصور کر لیا۔

لیکن ماہرین فلکیات دوربینی نظر کی انتہائی حدود میں واقع بیرونی کہکشاؤں میں ایک باقاعدہ حرکت کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ دور دراز کی تمام کہکشائیں یا کائنات قراجز پرے ہمارے نظامِ شمسی سے اور ایک دوسرے سے پرے ہٹتے چلے جا رہے ہیں۔ دور دراز کی ان کہکشاؤں (جن میں سے بعض ہم سے پچاس کروڑ نوری سال دور ہیں) کا یہ باقاعدہ فرار ہمارے نزدیک تجاذبی نظاموں کی سمت گردش سے بالکل مختلف ہے اس لیے کہ اس قسم کی باقاعدہ حرکت ساری کائنات کے انحنا پر اثرانداز ہو گی۔

اس لیے کائنات ساکن نہیں ہے بلکہ یہ قریب قریب اسی طرح پھیل رہی ہے جیسے صابن کا بلبلہ یا غبارہ پھیلتا ہے۔ لیکن یہ مماثلت پورے طور پر درست نہیں کیونکہ ہم کائنات

کو ایک داغ دار غبارہ تصور کریں اور داغ دار مادے کی تعبیر کریں تو توقع کی جائے گی کہ غبارہ کے ساتھ داغ بھی پھیلیں گے لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ پھر تو ہم پھیلاؤ کو کبھی محسوس ہی نہ کر سکیں گے جیسے ایلس ((ALICE)) کو عالم عجائبات میں اشیا کی جسامت میں یکایک تبدیلی نظر نہیں آئے گی۔ اگر سارا ماحول اس کے ساتھ ساتھ پھیلے اور سکڑے۔ اس لیے جیسا کہ ایک ماہر تکوینیات روبرٹسن نے کہا کہ اگر کائنات کو داغ دار غبارہ تصور کرتے ہیں تو ہمیں داغوں کو غیر لچکدار فرض کرنا ہوگا۔ جو غبارے کی سطح پر سلے ہوئے ہیں۔ مادی اجسام کی جسامت مستقل رہتی ہے لیکن ان کی درمیانی فضا پھیل جاتی ہے۔

اس غیر معمولی مظہر نے تکوینیات میں بہت سا الجھاؤ پیدا کر دیا۔ اگر طیف نگاری تجزیہ (جو ان بیرونی کہکشاؤں کے دور ہٹنے کی نشان دہی کرتی ہے) کی شہادت درست ہے (جیسا کہ بہت سے ماہرین فلکیات کا یقین ہے) تو جن رفتاروں سے یہ کہکشاں فضائے بسیط سے باہر نکلتے جا رہے ہیں ناقابلِ یقین ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جوں جوں ان میں فاصلہ بڑھتا جاتا ہے ان کی رفتاروں میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

نزدیکی کہکشائیں جو لاکھ نوری سال دور ہیں ۱۰۰ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کر رہی ہیں لیکن جو کہکشاں ۲۵ کروڑ نوری سال دور ہیں وہ ۲۵۰۰۰ میل فی سیکنڈ کی ناقابلِ یقین رفتار (جو روشنی کی رفتار کا ساتواں حصہ ہے) سے حرکت کر رہی ہیں۔

چونکہ یہ ساری دور دراز کہکشائیں بلا استثنیٰ ہم سے اور خود ایک دوسرے سے دور ہٹتی جا رہی ہیں اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آفاقی وقت کے کسی عہد میں وہ ایک دوسرے کے بہت نزدیک ہوں گی۔ اور ابتدائی گرم مادے کی صورت میں یکجا ہوں گی۔

اگر فضا کا ہندسہ اسی مادے سے تشکیل پاتا ہے جو اس میں موجود ہے تو ان کہکشاؤں سے قبل ((PREGALATIC)) کے دور میں کائنات بے حد تنگ، مختصر اور مادے سے بھری ہوئی جگہ ہوگی جس کا انحنا بہت زیادہ ہوگا اور جس میں مادہ انتہائی کثیف حالت

میں ہوگا۔

رجعت کرتی ہوئی کہکشاؤں کی رفتار کا لحاظ رکھتے ہوئے حساب لگایا گیا ہے کہ انہوں نے اس سکڑی ہوئی کائنات کے مرکز سے کوئی ۲ ارب سال پہلے بھاگنا شروع کیا تھا۔

پھیلتی ہوئی کائنات کے معمے کو حل کرنے کے لیے فلکیات اور تکوینیات کے ماہرین نے کئی نظریے پیش کیے ہیں۔ بلجیم کے تکوینی عالم ایبے لی میتر نے یہ خیال پیش کیا ہے کہ کائنات ایک بہت بڑے ابتدائی جوہر کے پھٹنے سے وجود میں آئی تھی۔

اس کے دھماکے سے پھیلاؤ کا آغاز ہوا۔ جو اب تک جاری ہے۔ اسی قسم کا ایک اور نظریہ یہ ہے کہ پھیلاؤ کا آغاز ہونے سے پہلے کیسے ترکیبی عناصر کائنات کے شعلہ فشاں مرکز میں زور سے راہ پا گئے ہوں گے۔

ڈاکٹر گیمو کا خیال ہے کہ ابتدا میں کائنات کا مرکز محض اولین بخارات کا جہنم تھا۔ جو ان ناقابلِ قدر درجات حرارت پر کھول رہا تھا جو آج کل ستاروں کے اندر بھی نہیں پائے جاتے۔

سورج اوسط درجے کا ایک ستارہ ہے۔ اس کی سطح پر درجہ حرارت ۵۵۰۰ درجہ سنٹی گریڈ ہے اور اندرونی حصوں میں چار کروڑ درجہ سنٹی گریڈ۔ اس زبردست حرارت میں نہ عناصر تھے نہ سالمے اور نہ جوہر تھے۔ صرف آزاد نیوٹرون تھے جو بے ترتیبی سے حرکت کر رہے تھے۔ جب کائناتی مادہ پھیلنے لگا تو درجہ حرارت گرنے لگا اور جب یہ گر کر ایک ارب درجہ رہ گیا تو نیوٹرون منجمد ہو کر مجموعے بن گئے۔ بریقیے نکلے جو مرکزوں سے منسلک ہو گئے اور ایٹم بن گئے۔

کائنات کے سارے عناصر صبح آفرینش کے چند اہم لمحات میں تخلیق ہو گئے اور اس منصب بعد کے دو ارب سالوں کے مسلسل پھیلاؤ کی مدت کے لیے طے ہو گیا۔

Marfat.com

کیلی فورنیا انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی کے ڈاکٹر ٹولمن نے پھیلتی ہوئی کائنات کے نظریے میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ممکن ہے کائنات کا پھیلاؤ ایک عارضی کیفیت ہو اور اس کے بعد مستقبل کے کسی عہد میں سکڑاؤ شروع ہو جائے۔

اس تصویر میں کائنات ایک سکڑتا پھیلتا غبارہ ہے جس میں سکڑنے اور پھیلنے کا عمل یکے بعد دیگرے مدت العمر ہوتا رہتا ہے۔ سکڑنے اور پھیلنے کے یہ دور کائنات میں مادے کی مقدار کے تابع ہیں۔ (اس لیے کہ آئن سٹائن ثابت کر چکا ہے کہ کائنات کے انحنا کا انحصار اسی مادے کی مقدار پر ہے۔)

اس نظریے میں دقت یہ ہے کہ اس میں فرض کیا گیا ہے کہ فضائے بسیط میں کہیں نہ کہیں مادے کی تخلیق ہو رہی ہے۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ کائنات میں مادے کی مقدار ہمیشہ بدلتی رہتی ہے لیکن یہ تبدیلی یک طرفہ ہے اور مادہ فنا ہو رہا ہے۔ فطرت کے تمام مظاہر خواہ مرئی ہوں یا غیر مرئی۔ جوہر کے اندر ہوں یا فضائے بسیط میں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کائنات کا مادہ اور توانائی بخارات کی مانند خلا میں غائب ہوتے جا رہے ہیں۔ مادہ اشعاع میں تبدیل ہو رہا ہے۔ جب علت و معلول کا سلسلہ نہ ہوگا تو وقت کی بھی کوئی سمت نہ ہوگی گویا وقت ہی نہ ہوگا۔ اس مقدار انجام سے بچنے کے لیے کوئی راستہ نہیں۔ اس لیے کہ یہ وہ تقدیر بدوش اصول ہے جسے حرکیات تپش کا دوسرا قانون کہتے ہیں۔ اور کلاسیکی طبیعات کا وہ واحد ستون ہے جسے جدید سائنس کا سیلاب تباہ نہ کر سکا۔ اور آئن سٹائن کے مادے اور توانائی کے تعادل کے اصول کی رو سے یہ قیاس کر لینا ممکن ہے کہ کائنات میں پھیلی ہوئی توانائی جم کر مادہ بن جائے گی۔ اور برقیوں، جواہر اور سالموں کی شکل میں نمودار ہو گی۔

ممتاز سائنس دان ڈاکٹر فریڈیل وہپل نے اپنے گرد بادل نظریے (DUST CLOUD HYPOTHESIS) میں واضح کیا ہے کہ کس طرح وہ لطیف آفاقی گرد و غبار جو کواکب کے درمیانی فضا میں تیر رہا ہے اور جس کی کمیت و مقدار ہی سارے

Marfat.com

مرئی مادے کی کمیت کے برابر ہے۔ ایک کروڑ سال میں منجمد ہو کر ستارہ بن جائے گا۔

ڈاکٹر وہیل کے نظریہ کے مطابق گرد کے یہ ننھے ننھے ذرے جن کا قطر بمشکل انچ کے پچاس ہزار ویں حصے کے برابر ہے۔ ستاروں کی روشنی کے خفیف دباؤ سے مل جاتے ہیں جس طرح کہ دم دار ستارے کی نہایت نرم دم۔ سورج کے نوری ذروں (فوٹون) کے دباؤ سے سورج سے پرے ہٹ جاتی ہے۔ جب ذرے باہم ملتے ہیں تو مجموعہ بنتا ہے پھر بادلچہ اور آخر میں بادل۔ اور جب بادل کی جسامت بہت بڑھ جاتی ہے یعنی جب اس کا قطر ساٹھ کھرب میل ہو جاتا ہے تو اس کی کمیت اور کثافت اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ وہ طبعی اعمال کا ایک نیا سلسلہ شروع کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔

یہ جان لینا کہ ارض و سما کا ایک ایسا حصہ حقیقی وجود رکھتا ہے جہاں ہمارے فہم و ادراک کی رسائی نہیں جو عقل اعلیٰ اور حسن منور کی صورت میں اپنا اظہار کر رہا ہے لیکن ہمارے مفکر اس کا صحیح ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔

یہ علم اور یہ احساس حقیقی مذہبیت کی اساس ہے۔ ایک اور موقع پر اس نے کہا تھا۔

"مذہب کا آفاق گیر تجربہ سائنسی تحقیق و تفتیش کے حق میں سب سے قوی اور اعلیٰ محرک ہے۔"

اکثر سائنس دان جب کائنات کے اسرار، اس کی عظیم قوتوں، اس کی ابتدائی ہم آہنگی اور معقولیت کا ذکر کرتے ہیں تو خدا کا نام استعمال کرنے سے گریز کرتے ہیں لیکن آئن سٹائن خدا کا نام استعمال کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا۔ اس نے کہا۔

"میرا مذہب عاجزی سے اس بے پایاں بالا ہستی کی حمد و ثنا کرتا ہے جو اپنا اظہار چھوٹی چھوٹی تفاصیل یعنی کائنات کے چھوٹے بڑے مظاہر میں کرتی ہے جن کا ادراک ہم اپنے کمزور اور ناقص ذہن سے کر سکتے ہیں۔ یہ گہرا جذباتی یقین

Marfat.com

کہ بلند و بالا عاقل قوت موجود ہے۔ جو اس ناقابل فہم کائنات میں عیاں ہے۔ خدا
پر میرے ایمان کی بنیاد ہے۔"

اس علم کے دوسرے دروازے کی کلید وجدانی میدان کا نظریہ ہے۔ جو آئن سٹائن کی گزشتہ چوتھائی صدی کی تحقیقاتی کاوشوں کا ماحصل ہے۔ آج کل انسان علم کی بیرونی حدود کا تعین نظریہ اضافیت سے اور اندرونی حدود کا تعین کوانٹم ( ) نظریے سے کرتا ہے۔

کوانٹم نظریے نے جوہر، مادہ اور توانائی کی بنیادی اکائیوں اور ان مظاہر کے متعلق ہمارے تصورات قائم کیے ہیں جو گریز پا ہیں اور اتنے چھوٹے کہ نظر نہیں آ سکتے لیکن یہ دونوں عظیم سائنسی نظریے بالکل مختلف اور غیر متعلق نظری بنیادوں پر قائم ہیں۔

یوں کہیے کہ ان دونوں کی زبان مختلف ہے۔ متحدہ میدانی نظریے کا مقصد ان کے درمیان رابطہ قائم کرنا ہے۔ فطرت کی ہم آہنگی اور یکسانیت پر یقین رکھتے ہوئے آئن سٹائن نے طبعی قوانین کی ایک بنیاد کھڑی کی ہے۔ جو جوہر اور بیرونی مظاہر دو کے مظاہر کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اگر کوانٹم طبیعات کے قوانین بھی اس کی مساواتوں سے اخذ کر لیے گئے تو مادہ کی ترکیب ابتدائی ذروں کی ساخت، اشعاع کی میکانیت، زیر جوہری عالم اور زماں و مکاں کے دوسرے معموں کے متعلق تازہ اور بڑی اہم بصیرت حاصل ہو گی۔ سائنس نے طبعی کائنات کے متعلق انسانی تصورات کو متحد کرنے کے لیے جو طویل مسافت طے کی ہے یہ نظریہ اس کی آخری منزل کی نشاندہی کرتا ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ سائنس اور مذہب میں تصادم ہے حالانکہ یہ بات درست نہیں کیونکہ سائنسی تحقیق و تجسس کا دائرہ محسوسات کی حد تک ہے اور مذہب کا دائرہ تحقیق غیبی امور سے ہے۔ سائنس کی سرحد جہاں ختم ہوتی ہے

Marfat.com

وہاں سے مذہب شروع ہوتا ہے اس لیے دونوں ایک دوسرے کے دائرہ تحقیق میں نہ مداخلت کرتے ہیں اور نہ ان دونوں میں تصادم ہی ہوتا ہے۔

سائنسی معلومات اور اس کے انکشافات مذہب کو سمجھنے میں ممد و معاون ہیں اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سائنس دراصل مذہب کی ترجمان ہے۔

قرآن حکیم میں متعدد جگہ علوم طبیعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تاکہ انسان اپنے ذاتی مشاہدات اور تجربات سے خالق کائنات قدرت کاملہ کا اندازہ لگائے لیکن ان علوم سے تفصیلی طور پر بحث نہیں کی گئی۔ کیونکہ یہ قرآن کا موضوع بحث نہیں۔

جدید دور کے بیشتر علمائے نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ مذہب اور سائنس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس دور کا ایک عظیم ترین سائنس دان آئن سٹائن لکھتا ہے۔

"SCIENCE WITHOUT RELIGION
IS LAME AND REGIGION
WITHOUT SCIENCE IS BLIND"

"مذہب کے بغیر سائنس لنگڑی ہے اور سائنس کے بغیر مذہب اندھا ہے"

جانج سائن اپنی کتاب (INTRODUCTION TO THE HISTORY OF SCIENCE) میں رقمطراز ہے۔

"THERE CAN BE NO CONFLICT
BETWEEN SCIENCE AND RELIGION"

"سائنس اور مذہب میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔"

آرتھر تھامسن اپنی کتاب (INTRODUCTION TO SCIENCE) میں لکھتا ہے۔

"SCIENCE AND RELIGION ARE
INCOMMENSURABLE AND THERE
IS NO TRUE ANTITHESIS BETWEEN THEM"

Marfat.com

سائنس اور مذہب کو ایک پیمانے سے ناپا تو نہیں جاسکتا لیکن ان دونوں میں درحقیقت
کی اختلاف نہیں۔

آئن سٹائن اپنی ایک اور کتاب (WORLD AS I SEE IT) میں
لکھتا ہے۔

"ACONTEMPORARY HAS SAID NOT
UNJUSTLY THAT IN THIS MATERIALISTIC
AGE OF OUR
THE SERIOUS SCIENTIFIC
WORKERS ARE THE ONLY
PROFOUNDLY RELIGIOUS PEOPLE"

"ایک ہم عصر نے بالکل صحیح کہا ہے کہ ہمارے اس مادی دور میں سخت قسم کے
مذہبی آدمی ہی صحیح اور سنجیدہ سائنس دان ہو سکتے ہیں"

قرآنِ حکیم میں جہاں کہیں مناظرِ قدرت یا زمین و آسمان کی کیفیت بیان کی گئی ہے اس
سے غرض تدبر و تفکر کے ذریعے معرفتِ الٰہی حاصل کرنے کی تعلیم ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝
وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝
وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ
الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّالْخَيْلَ وَ
الْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا
تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ
وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ
السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ
تُسِيْمُوْنَ ۝ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ

وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ؕ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ
وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ
بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمَا
ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ
لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً
تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ
فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ
رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ
تَهْتَدُوْنَ ۝ (سورۃ النحل: ۵ تا ۱۶)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ
لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ
الْاَنْهٰرَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ
وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ (سورۃ ابراھیم: ۳۲، ۳۳)

مندرجہ بالا آیات قرآنی سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ سائنس اور مذہب میں تصاد
نہیں بلکہ سائنس کے ذریعے مذہب کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ بشرطیکہ بصارت کے ساتھ
بصیرت بھی ہو۔

کائنات کی تخلیق کے بارے میں قرآن حکیم سے جو بصیرت اخذ کی جا سکتی ہے وہ یہ

Marfat.com

کہ تخلیق کے قبل ہر طرف پانی ہی پانی تھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں ان سب اجرامِ فلکی کو پیدا کیا۔ جیسا کہ سورۂ ہود میں ارشاد ہوا۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔

اور وہی ہے جس نے سب آسمان اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے۔

پھر سورۂ الاعراف میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔

بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے۔ جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا اور پھر عرش پر قائم ہوا۔

اور سورۂ الفرقان میں اس کے متعلق یہ ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِیْرًا

وہ ایسا ہے جس نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے سب چھ روز میں پیدا کیا۔ اور پھر تخت پر قائم ہوا۔ اور بڑا مہربان ہے تو اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھنا چاہیے۔

اسی طرح سورۂ یونس کی آیت نمبر ۲ میں مذکور ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ۔

مندرجہ بالا سورتوں کے علاوہ سورۂ السجدہ اور سورۂ الحدید میں بھی یہی چیزیں مذکور ہیں

Marfat.com

قرآن حکیم کے اس بیان کی تائید عہد نامہ قدیم (OLD TESTAMENT) سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

خدا نے ابتدا میں زمین و آسمان کو پیدا کیا اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہرائیوں کے اوپر اندھیرا تھا۔ اور خدا کی روح پانی کی سطح پر جنبش کرتی تھی۔ اور خدا نے کہا کہ روشن ہو جا اور روشنی ہو گئی۔ خدا نے روشنی کو تاریکی سے جدا کیا۔ روشنی کو دن اور تاریکی کو رات کہا۔ اور شام ہوئی اور دن ہوا سو پہلا دن ہوا۔

خدا نے کہا پانیوں کے درمیان فضا ہو تاکہ پانی سے جدا ہو جائے۔ پس خدا نے فضا کو بنایا اور فضا کے نیچے کے پانی کو فضا کے اوپر کے پانی سے جدا کیا اور ایسا ہی ہوا۔

خدا نے فضا کو آسمان کہا۔ شام ہوئی اور صبح ہوئی سو دوسرا دن ہوا۔

اور خدا نے کہا کہ آسمان کے نیچے کا پانی ایک جگہ جمع ہو کر خشکی نظر آئے اور ایسا ہی ہوا اور خدا نے خشکی کو زمین کہا اور جو پانی جمع ہو گیا تھا اس کو سمندر کہا۔ اور خدا نے دیکھا کہ اچھا ہے اور خدا نے چاہا کہ زمین سے گھاس، بیج دار بوٹیوں، پھل دار درختوں کو جو اپنی جنس کے موافق پھیلیں اور جو زمین پر اپنے آپ ہی میں بیج رکھیں۔ اگائے اور ایسا ہی ہوا۔ اور شام ہوئی اور صبح ہوئی اور تیسرا دن ہوا۔

اور خدا نے چاہا افلاک ہوں۔ اور ان اجرام فلکی ہوں۔ اور دنوں اور برسوں کے اعتبار سے ہوں۔ افلاک کے انوار کے لیے ہوں کہ زمین پر روشنی ڈالیں اور ایسا ہی ہوا۔ سو خدا نے دو بڑے نیر بنائے۔ ایک نیر اکبر کہ دن پر حکم کرے۔ اور ایک نیر اصغر کہ رات پر حکم کرے اور اس نے ستاروں کو بھی بنایا۔ جو اجالے کو اندھیرے سے جدا کریں اور خدا نے دیکھا کہ اچھا ہے اور شام ہوئی اور صبح ہوئی سو چوتھا دن ہوا۔

اور خدا نے چاہا کہ پانی جانداروں کو کثرت سے پیدا کرے اور پرندے فضا میں اڑیں اور خدا نے بڑے بڑے دریائی جانوروں کو اور ہر قسم کے جاندار کو پانی سے بکثرت پیدا کیا

Marfat.com

ان کی جنس کے موافق اور ہر قسم کے پرندوں کو ان کی جنس کے موافق۔ ایک اور جگہ یوں ارشاد باری ہے۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ۝ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ (رس ۱۴ آیات ۹ تا ۱۲)

کہہ دو کہ تم اس ذات سے منکر ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی اور تم دوسروں کو اس کے برابر کرتے ہو۔ وہ تو رب العالمین ہے۔ اس نے اوپر سے پہاڑ رکھے اور اس ہی طرح کے سوال کرنے والوں کے لیے۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا۔ اس نے اس کو اور زمین کو کہا۔ آؤ تم خوشی سے۔ ان دونوں نے کہا ہم خوشی سے آتے ہیں۔ پھر دو دن اس نے سات آسمان کر دیے اور ہر آسمان میں اس کے لیے حکم اتارا اور آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین کیا اور واسطے محافظت کے۔ یہ ہے اندازہ عزت والے علم کا۔

قرآن حکیم نے ان آیات میں تخلیق کائنات کا راز بڑے جامع طریق پر بیان کیا ہے یعنی پہلے کائنات میں دھواں یا آتشیں گیسیں پھیلی ہوئی تھیں اور آسمان اور زمین ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ یعنی گیسی حالت میں تھے۔ اللہ نے تخلیق کائنات کا ارادہ کیا

Marfat.com

تو آتشیں گیس سے ستارے، سیارے اور سیارچے (SATELLITE, ASTEROIDS) جدا ہونے لگے اور خلاء میں اس کے انتظام میں دو عہد سے گزرے اور نظام شمسی خلاء میں قائم ہوا۔ ان دو عہدوں میں زمین بھی ظہور میں آئی اور اس میں کئی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ وہ ٹھنڈی ہوئی اس میں پہاڑ نمودار ہوئے اور بارشیں برسیں۔

ان مذہبی معتقدات سے صاف عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ خود سب سے بڑا سائنسدان ہے اور اس کی سائنس سب سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ اور معراج رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کی سائنس ہی کا ایک کرشمہ تھی اور اسی سائنس میں سے دیے ہوئے حصے ہی کی مدد سے انسان چاند پر قدم رکھنے کے قابل ہوا ہے۔ آج سے سو سال پہلے کسے یقین تھا کہ انسان چاند کو تسخیر کرے گا لیکن آج انسان نے چاند کو تسخیر کر لیا۔ اور یوں سائنس نے قرآن حکیم کے اس ارشاد کی تائید و تصدیق کر دی ہے کہ۔

1952

عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

آسمان دنیا کو سائنس دان پانچ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ زمین کے اوپر پانچ سے میل تک پہلا حصہ (TROPOSPHERE) کہلاتا ہے۔ اس حصہ میں جوں جوں اوپر جائیں فی ہزار فٹ ۱۰۷ سنٹی گریڈ کے حساب سے درجہ حرارت کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہی وہ حصہ ہے جس میں سبھی جاندار سانس لے رہے ہیں۔ بادل بھی اسی حصے میں بنتے اور گرجتے برستے ہیں برفباری بھی ہوتی ہے اور موسموں کی تبدیلی کا باعث یہی حصہ ہے۔ اس حصہ میں چلنے والی ہوائیں کوئی ایک لاکھ مکعب میل پانی فی سال کے حساب سے عمل تبخیر کے ذریعے بخارات کی صورت میں اٹھاتی ہیں اور بارش کی صورت میں زمین پر گرا دیتی ہیں۔

اس سے اگلے دس پندرہ میل تک (

) گیس کی تہہ ہے جو سورج سے آنے والی تباہ کن ماورا بنفشی شعاعوں (OZONE) (ULTRA VIOLET RAYS) کو جذب کر لیتی ہے اور اس زمین پر زندگی کو ممکن

Marfat.com

بنا دیتی ہے۔

اس کے بعد تیسرا کرہ ((MESOSPHERE)) ہے جو نسبتاً گرم ہے کیونکہ اس میں خلاء سے آنے والے دم دار ستارے ((COMENTS)) جل کر نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ اور ہماری زمین ان کی یورش سے محفوظ رہتی ہے۔ یہ زمین سے ۵۰ میل اوپر تک ہے۔

اس کے بعد ((SONOSPHERE)) کرہ ہے جو ۳۵۰ سے ۴۰۰ میل تک ہے۔ یہ وہ کرہ ہے جو ((SHORT WAVES)) کو منعکس کرتا ہے اور یوں ریڈیو اور دیگر لاسلکی وائرلیس پیغامات کا وصول کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد ((EXOSPHERE)) کرہ ہے جو غالباً چار ہزار میل تک پھیلا ہوا ہے، اس کرے کے اندر ایک حصہ ((MEGNETOSPHERE)) ہے جو حال ہی میں دریافت ہوا ہے، یہ وہ حصہ ہے جو خلاء سے آنے والے جوہری ذرات

) سے زمین کو محفوظ رکھتا ہے جن میں مثبت برقیے اور مرکزے وغیرہ ہوتے ہیں۔ ان پانچ حصوں کے بعد خلاء ہے جس کا رنگ سیاہ ہے اور درجہ حرارت بہت کم ہے۔ سائنس کی بدولت آج انسان اُس منزل پر پہنچ چکا ہے کہ اُس نے زماں و مکاں کی تسخیر کے معمے کو کافی حد تک حل کر لیا ہے۔

آئن سٹائن کے معروف نظریے اضیافیت ((THEORY OF RELAVITY)) کے ۲ حصے ہیں۔ پہلا حصہ خاص نظریہ اضافیت ۱۹۰۵ء میں پیش کیا گیا اور عام نظریہ اضافت ۱۹۱۶ء میں تشکیل پایا۔ خاص نظریہ اضافت ان چیزوں کے متعلق بحث کرتا ہے جو یکساں رفتار سے چل رہی ہوں یا پھر ساکن ہوں۔ اس نظریہ کی رو سے ایتھر ( ) کا پتہ چلانا ناممکن ہے اور وہ اس لیے کہ تمام حرکات اضافی ہوتی ہیں۔ چنانچہ زمین پر سبھی اجسام کی رفتار زمین کی نسبت سے متعین کی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لیے زمین کو ساکن تصور کیا جاتا ہے

Marfat.com

اجرام فلکی میں کوئی بھی ایسا فرد نہیں جو صحیح معنوں میں ساکن ہو۔ کیونکہ تمام کائنات اور اس میں موجود سبھی چیزیں حرکت کناں ہیں۔ اس لیے صرف اضافی رفتاروں کا ہی تعین ہو سکتا ہے۔ چونکہ ایتھر کائنات سے الگ کوئی چیز نہیں اس لیے اس کا پتہ چلانا ممکن ہے۔

روشنی کی رفتار ہر حالت میں یکساں رہتی ہے۔ اس نظریے کو مزید آگے بڑھانے سے آئن سٹائن اس نتیجہ پر پہنچا کہ متحرک جسم کی لمبائی اس کی حرکت کی سمت میں کم ہو جاتی ہے چنانچہ اگر ایک جسم ۲۰ فٹ لمبا دوسرے کی نسبت سے ۶۳ ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے اس کی جانب اس سے مخالف سمت میں حرکت کر رہا ہو تو وہ صرف ۱۶ فٹ نظر آئے گا اور اگر رفتار ایک لاکھ ۶۱ ہزار میل فی سیکنڈ ہو تو وہ صرف ۱۰ فٹ نظر آئے گا۔

متحرک اجسام کا مادہ مقدار میں بڑھ جاتا ہے اور یہ زیادتی ان اجسام کی اضافی رفتار پر منحصر ہوتی ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا مثال میں ۲۰ فٹ لمبے جسم کا وزن اگر ایک ہزار پونڈ تصور کیا جائے اور جب وہ ۹۳ ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے حرکت کرے گا تو اس میں مادہ کی مقدار ۲ ہزار پونڈ ہو جائے گی اور اگر یہ رفتار الاکھ ۶۱ ہزار میل فی سیکنڈ ہو تو یہ دو ہزار پونڈ ہو گی۔ متحرک اجسام اگر مخالف سمت میں حرکت کریں تو ان کی اضافی رفتار ان کی اصل رفتاروں کے مجموعہ کے برابر ہو گی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر دو اجسام ایک دوسرے کی طرف ۱۰۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے متحرک ہوں تو ان کی اضافی رفتار ۲۰۰ میل فی گھنٹہ ہو گی۔ نظریہ اضافیت کی رو سے اگر وہ ایک لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے متحرک ہوں تو ان کی اضافی رفتار ۲ لاکھ میل بلکہ اس سے بہت کم یعنی الاکھ ۵۵ ہزار میل ہو گی۔

رفتار کی آخری حد ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔ اور کسی بھی چیز کی رفتار اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ جب کہ وقت کی حیثیت بھی اضافی ہے۔ چنانچہ متحرک جسم کے لیے وقت کی رفتار کم ہو جاتی ہے۔ جو جسم ۹۳۰۰۰ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے متحرک ہے اس پر وقت ۹/۱۰ کی نسبت سے کم ہو گا۔ یعنی اگر دو اجسام پر گھڑیاں موجود ہوں اور چلنے سے پہلے ۱۲ بجے کا وقت بتا رہے ہوں تو ساکن جسم پر ایک بجے کا وقت ہو گا۔

Marfat.com

وقت کے متعلق یہ نظریہ یقیناً انقلابی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ عام طور پر یہ خیال کیا
جاتا ہے کہ وقت کی رفتار سب کے لیے ایک ہی ہے۔ مگر آئن سٹائن نے یہ نظریہ پیش
کیا کہ وقت کی رفتار بھی حرکت پر منحصر ہے۔ مزید برآں خلاء میں دو مختلف جگہوں پر وقت بھی
مختلف ہوگا۔ اس لیے ان کے درمیانی فاصلے کا تعین کرنے کے لیے وقت کو نظر انداز نہیں
کیا جا سکتا۔ چنانچہ وقت ایک چوتھے بعد (FOURTH HOIMENTION) کی حیثیت
رکھتا ہے۔ متحرک جسم پر نہ صرف گھڑی کی رفتار سست پڑ جاتی ہے بلکہ وقت پر منحصر سبھی
عمل مثلاً ہاضمے کا عمل، پیدائش کا عمل، جوہری عمل وغیرہ بھی سست پڑ جائیں گے۔

چنانچہ اگر ایک آدمی راکٹ کی مدد سے اندازاً روشنی کی رفتار سے سفر کرتا ہوا کسی
ایسے ستارے پر پہنچے جو ۳۳ نوری سال ہم سے دور ہو اور پھر اسی رفتار سے واپس زمین
آئے تو زمین والوں کے لیے تو ۶۶ سال بعد اسے دیکھنا نصیب ہوگا مگر ایسا لگے گا کہ وہ صرف
ایک آدھ دن ہی میں واپس آگیا ہے۔ کیونکہ اتنے عرصے میں اس کے لیے وقت کی رفتار
بہت کم ہو جائے گی۔ اور بھوک اور پیاس کا احساس بھی۔ اور اگر جانے سے پہلے اس کا کوئی
چھوٹا بچہ ہوگا تو واپسی پر وہ اپنے بیٹے کو کہیں زیادہ عمر کا پائے گا۔

ان ہی دلائل کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ زمین اس راکٹ کی نسبت
سے روشنی کی رفتار سے متحرک ہے۔ اس لیے راکٹ کی نسبت یہاں پر وقت کی رفتار سست
ہوگی اور راکٹ کے ۶۶ سال زمین پر ایک آدھ دن کے مترادف ہوں گے۔ یہ باتیں معراج
کے حقائق کی یاد دہانی کراتی ہیں۔ جب رسول مقبول معراج شریف سے واپس تشریف لائے
تو آپ کا بستر مبارک بدستور گرم تھا۔ دروازے کی کنڈی بدستور ہل رہی تھی۔ اور جس پانی
سے آپ نے وضو کیا تھا ابھی سوکھا نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کے دو ارشادات یعنی "کن فیکون" اور "انی جاعل فی الارض خلیفہ" کائنات
کے دو اہم واقعات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ کن فیکون سے مراد ہے کہ چٹکی بھر میں ہی اللہ کے ارادے
کی تکمیل ہو گئی۔ چونکہ وہ خود ذاتِ قدیم ہے اس لیے اس کے واسطے وقت لامحدود ہوتے

Marfat.com

ہوئے بھی نہایت ہی محدود ہے۔ اور وقت چاہے کتنا ہی گزر جائے اس کے لیے ایک پل کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اُس کا ایک دن ضروری نہیں کہ ہمارے چوبیس گھنٹے کے دن کے برابر ہو بلکہ یہ ہمارے ہزار یا اس سے زیادہ سالوں کے برابر بھی ہو سکتا ہے اور ایک پل کے ہزارویں حصے سے بھی کم۔ زماں و مکاں کا مسئلہ ہمارے لیے ہے اُس کے لیے نہیں۔ اس بیکراں کائنات اور اس سے ماورا اس سے زیادہ بیکراں کائناتوں اور ان لامحدود نہ جانے کہاں سے کہاں تک پھیلی ہوئی وسعتوں اور بے پایاں پنہائیوں کو محض کن فیکون سے پیدا کرنے والے خالقِ عظیم و بے عدیل کے نزدیک اپنے محبوب کو مکاں سے لامکاں کی سیاحت کرا کے واپس بھیج دینا کوئی مسئلہ و مشکل نہ تھی۔ جب چاہا اپنے پاس بلا لیا۔ جب چاہا واپس بھیج دیا۔

کن فیکون کے اس محیر العقول بھید کو سائنس نہیں پا سکتی البتہ جوں جوں اور ترقی کرتی جائے گی معراج رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے درخشندہ حقائق و معارف کی تائید و تصدیق کرتی جائے گی۔

سائنس کی جدید ترین ایجاد ریڈیو اور ٹیلی وژن ہی کو لیجیے۔ ایک پروگرام لاہور کے ریڈیو سٹیشن سے نشر کیا جا رہا۔ اب کوئی اگر اسے سننا چاہے تو اس دنیا کے انتہائی کنارے کونے میں بیٹھا ہوا اسی لمحہ سن سکتا ہے زماں و مکاں کے بعید ترین فاصلے اور روکاوٹیں راستے میں حائل نہ ہو سکیں گی۔

ایسی ہی دوسری مثال ٹیلی وژن کی ہے۔ ٹیلی وژن سٹیشن سے جو کچھ ٹیلی کاسٹ کیا جاتا ہے اسی لمحے دور دور تک دیکھا جا سکتا ہے۔ بہتا ہوا وقت اسی مکانی رکاوٹوں کے بغیر اسے دور دور تک لے جاتا ہے۔

یہ ایجادات سائنس کا کرشمہ ہیں اور معراجِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قدرت و ندرت، جس سے نہ صرف مسلمان بالکل ہر ذی فہم انسان کا نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

معراج اور سائنس

آغا اشرف